ڈاکٹر عزیز احسن
اور
تقدیسی ادب کا فکری تناظر

(نگارشاتِ ڈاکٹر عزیزؔ احسن)

مرتبہ: ڈاکٹر داؤد عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتمش ذرّہ بہ خورشید رسد، گفت محال
گفتمش کوششِ من درِ طلبش، گفت رواست

غالبؔ

(میں نے [عقل سے] پوچھا: کیا ذرّہ سورج تک پہنچ سکتا ہے؟ کہا محال ہے۔ میں نے اس سے کہا: اس کی طلب میں میرا کوشش کرنا کیسا؟...... کہا، یہ روا [جائز] ہے)

ڈاکٹر عزیز احسن

اور

تقدیسی ادب کا فکری تناظر

(نگارشاتِ ڈاکٹر عزیزؔ احسن)

مرتبہ: ڈاکٹر داؤد عثمانی

نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

ڈاکٹرعزیزاحسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر

نام کتاب: ڈاکٹرعزیزاحسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر

مصنف: ڈاکٹر عزیزؔ احسن

مرتبہ: ڈاکٹر داؤد عثمانی

معاونت: مریم جنید خان

صفحات: 288

قیمت: Rs.800/= (پاکستان میں)

مطبع: قریشی آرٹ پریس، ناظم آباد، کراچی۔

سنِ اشاعت: رجب المرجب ۱۴۴۲ھ/فروری ۲۰۲۱ء

ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی

تعاون: بزمِ یوسفی، A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی۔75290

سیل: 00923335567941

ISBN NO.978-969-8918-58-3

انتساب

تقدیسی ادب سے منسلک فکری وفنی روشنی اورخوشبو پھیلانے
میں مصروف اہلِ قلم کے نام!

تخلیق کی آوّلیّت

''تخلیقِ ابتدائی کے بارے میں تین احادیث وارد ہوئی ہیں:
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْل......اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ......اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَم
(یعنی سب سے پہلے اللہ نے عقل، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور قلم کو پیدا فرمایا)۔
''حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عقل کی صورت ہیں اور خُدا کا قلم ہیں اور دعوت اِلی اللہ کی حقیقت اور شریعت کے وضع کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقولِ جزویہ ہیں اور تینوں احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مراد ہے''(شاہ سید محمد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ، سِرِّ دِلبَراں)

❁❁

خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہء ادب!

مراءالقیس کی شاعری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تبصرہ: ''وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے''۔اقبالؔ کہتے ہیں''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنونِ لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر، پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کے بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھادے''۔

ٹی ایس ایلیٹ نے، ڈی ایچ لارنس کے بارے میں کہا تھا......''وہ فنکار تو بہت زبردست ہے۔مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسے دنیا میں بھیجا ہے''

محمدحسن عسکری کہتے ہیں:''جومعیار ایلیٹ کو اتنے روحانی کرب سے گزرنے کے بعد حاصل ہوا ہے۔اس کی طرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب سے چودہ سو سال پہلے اشارہ کرچکے ہیں......امراء القیس کی شاعری میں اخلاقی اعتبار سے جو ضرر رساں باتیں ہیں، انھیں دیکھتے ہی [آپ صلی اللہ علیہ وسلم] کہہ دیتے کہ یہ بُرا شاعر ہے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرٹ اور زندگی دونوں کو اپنی اپنی جگہ رکھ کے دیکھا ہے اور جس حد تک آرٹ کی ایک مستقل حیثیت ہے، اسے تسلیم کیا ہے''۔

ترتیب:

نگارشاتِ ڈاکٹر عزیز احسن:

اختصاریئے:

خطوط:

عرضِ مُرَتّب

ڈاکٹر عزیز احسن کی تحریروں پر کچھ لکھنا ہمارے لیے بیک وقت آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اس لیے کہ وہ اپنے خیالات اور نظریات کے لحاظ سے خاصے راست فکر اور صاف گو ہیں۔ وہ محض دل جوئی کے نام پر بڑے بڑے سرٹیفکیٹ جاری کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ انھیں حق بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ انھیں نعتیہ ادب میں تنقید کے فقدان اور اس سے ہونے والے خسارے کا بخوبی احساس ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ نعتیہ ادب میں ایک غلط خیال رسوخ پا گیا تھا کہ اس صنفِ سخن کو انتقادی کسوٹی پر پرکھنا اس کی توہین ہے۔ اسی لیے اس کی تخلیقی سرگرمیاں تو جاری رہیں لیکن ادبی و شرعی معیارات کی طرف عدم توجہی نے اس مقدس صنف کا وقار بڑا مجروح کیا۔ لیکن حساس ناقدین اور محققین نے آخرِ کار اس طرف توجہ کی۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے تحقیقی مقالے (1955) اور پروفیسر محمد حسن عسکری کے محسن کاکوروی پر مضمون (1959) نے اس صنفِ سخن کے لیے تنقیدی بصیرت کے در وا کیے۔ 1995ء میں، نعت رنگ کے اجراء سے نقدِ نعت کی باقاعدہ ایک تحریک شروع ہوگئی جسے کئی اہلِ علم حضرات نے آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر عزیز احسن، اس تحریک میں شامل، وہ خوش نصیب نقاد ہیں جن کی تحریروں نے بہت سے اہلِ دانش کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان کی تنقیدی بصیرت کو سراہنے والوں میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر اسلم فرخی، حفیظ تائبؔ، ڈاکٹر ریاض مجید، سحر انصاری، مبین مرزا، پروفیسر شفقت رضوی، ڈاکٹر ظفر اقبال، پروفیسر ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی [بھارت]، ندیم صدیقی [بھارت]، پروفیسر انوار احمد زئی، احمد صغیر صدیقی، پروفیسر محمد اکرم رضا، کاشف عرفان، اور ڈاکٹر عبدالکریم وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

صبیح رحمانی نے اپنی مرتبہ کتاب ''ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعاتِ حمد و نعت'' میں ڈاکٹر عزیز احسن کی تنقیدی بصیرت پر بیشتر اہلِ علم کی تحسینی آراء نقل کرنے کے بعد، بڑی پتے کی بات کہی تھی۔ وہ

لکھتے ہیں:

''اصنافِ حمد و نعت کے حوالے سے تنقیدی ادب ابھی تشکیلی دور سے گزر رہا ہے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں جو حرف بھی تنقیدی بصیرت کے ساتھ لکھا گیا ہے اسے کتابی صورت میں محفوظ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ ان اصناف پر بڑھتے ہوئے ذوقِ تنقید و تحقیق، تجزیہ و تبصرہ اور مطالعے و مشاہدے کے زیادہ سے زیادہ رجحانات و امکانات سامنے آسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ سنجیدگی سے لکھی گئی ایسی تحریریں آئندہ آنے والوں کی فکری راہوں کو منور کرنے میں معاون ثابت ہوں گی''۔

راقم الحروف نے بھی، صبیح رحمانی کی تقلید میں ڈاکٹر عزیز احسن کی کچھ نگارشات اس کتاب میں محفوظ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور الحمدللہ! آج اس کام کی تکمیل پر میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں...... یقیناً ایک ایسے معتبر محقق، نقاد اور قلم کار کی تحریریں ہر حال میں محفوظ ہو جانی چاہئیں، جنہوں نے ایک عمر نعتیہ ادب کی شناخت کے لیے اپنے تنقیدی شعور کی روشنی میں تخلیقی اور تحقیقی سرمائے کو پرکھا اور افکاری روشنی سے ایوانِ نعت کو جگمگانے کی اپنی سی کوشش کی۔ ڈاکٹر عزیز احسن، تقدیسی ادب کی اصناف، حمد، نعت اور منقبت کے ہر پہلو پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں تقدیسی ادب کی متذکرہ تینوں اصناف پر گفتگو کی گئی ہے۔ حمد پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآنِ کریم اور بائبل کے ایسے متون کی نشاندہی کی ہے جن میں ''اِلٰہِ واحد'' کا واضح تصور ابھرتا ہے۔ انھوں نے نعتیہ ادب کی تحسین اور تنقیدی معیارات سے مملو تخلیقی دانش کے نقوش کو فراخ دلی سے سراہا ہے اور مناقب کے ضمن میں، شرعی و ادبی پرکھ کے معیارات متعین کرنے والی تحریریں پیش کی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف کانفرنسوں کے لیے تحقیقی و تنقیدی مقالوں اور مدیرانِ جرائد کو لکھے گئے خطوط میں ان کے تنقیدی شعور کی چھب دکھائی دیتی ہے۔ ان کا اسلوب، عالمانہ لیکن شگفتہ ہے جو ان کی تحریروں کو بوجھل نہیں ہونے دیتا۔ استادِ محترم ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے اپنی خواہش کا اس طرح اظہار فرمایا تھا:

''میری تمنا ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ حضور ﷺ کے سیرت نگاروں اور مداحوں میں میرا شمار بھی ہو۔''

یہ عاجز مرتب بھی استادِ محترم کی تمنا میں ان کا شریک ہے۔ ایک اور مداحِ رسول ﷺ عزیز احسن کے مضامین جمع کرنے کی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ حرفِ آخر کے طور پر ہم یہاں ڈاکٹر عزیز احسن کی نعت فہمی کے بارے میں کشفی صاحب ہی کی ایک تحریر سے استشہاد کرتے ہیں:

''عزیز احسن اس قافلے (قافلۂ نعت شناسی) کے اولین راہیوں میں سے ایک ہیں۔ جن کو ان کی محنت، مطالعے اور ذوق نے اس قافلے کے سالاروں میں شامل کر دیا ہے۔ عزیز احسن صاحب کے مضامین میں نعت کے فنی تقاضوں، اسلوب کے مسئلوں، موضوع کے مطالبوں...... اور دوسرے تخلیقی پہلوؤں کا جائزہ بڑی وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ خالص ادبی نقطۂ نظر سے نعت کا مطالعہ کرتے ہیں اور فقہی خارزاروں میں الجھ کر اپنے دامن کو تار تار نہیں ہونے دیتے۔''

اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ڈاکٹر عزیز احسن کی نگارشات کو قبولیت کی روشنی اور مقبولیت کی فضا عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ!

ڈاکٹر داؤد عثمانی

قرآن اور بائبل میں حمد، مناجات اور دعاؤں کے متون!

حمد، مناجات اور دعائیں انسانی زبانوں پر ازل سے جاری ہیں اور ابد تک جاری رہیں گی۔ دنیا کا کوئی خطہ، کوئی انسانی گروہ، قبیلہ، ملت یا امت ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی طور حمد، مناجات یا دعا کا سہارا نہ لیتی ہو۔ کائنات کا خالق و مالک تو ایک ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد سے انسانی نظریات اور عقائد میں جو بگاڑ پیدا ہوتا رہا اس نے انسانوں کو مظاہرِ کائنات، ستاروں، چاند، سورج، شجر حجر اور حیوانوں کی پرستش کے شرک میں مبتلا کر دیا۔ انسان خوگرِ پیکرِ محسوس ہونے کے باعث خیالی معبودوں کے حجری مجسمے تراشنے لگا اور یوں اکثر معاشروں میں بت پرستی کا رواج عام ہو گیا۔ خالقِ کائنات کی طرف سے ہدایت کے لیے نازل شدہ صحائف اور کتب کو بھی شیطانی فطرت کے باعث، اصل متن کی صورت میں محفوظ نہیں رکھا جا سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے انبیائے ماسبق کے تمام صحائف اور کتب کے محرف متون کو یکسر منسوخ فرما کر آخری پیغام اپنے لافانی کلام ''قرآنِ کریم'' میں محفوظ فرما کر، اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡن (۱) (بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتابِ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)۔

اس مقالے میں ہمیں حمدیہ، مناجاتی اور دعائیہ متون (Texts) کا ذکر صرف بائبل اور قرآن کی روشنی میں کرنا ہے۔ بائبل اگرچہ محرف ہے لیکن اس میں متعدد ابواب اور مزامیرِ داؤد علیہ السلام کے بہت سے متون، معبودِ حقیقی کی شان اور عظمت کے بیان میں ایسے ملتے ہیں جن سے الٰہِ واحد کا تصور ابھرتا ہے۔

بائبل کی کتابِ سَمُوئیل کی ابتداء میں ایک نوٹ میں لکھا ہے:

''شاؤل اور داؤد کا نمونہ پیش کرنے سے یہ کتابیں، اسرائیلی بادشاہوں پر واضح کرنا چاہتی ہیں کہ خدا کی شریعت کی پابندی برکت اور شریعت کی بے وفائی لعنت کا باعث ہے'' (۲)

اس کتاب کے بابِ دوم میں ''حنّہ کی دعا'' ہے:

میرا قلب خداوند میں خوش و خرم ہے......میرا قرن خدا میں بلند و فراز ہے......میرے دشمنوں پر میرا منہ کشادہ ہے۔......خداوند کی مانند کوئی قدوس نہیں......ہاں۔ تیرے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں......
خداوند وہی خدائے علیم ہے۔......وہی اعمال کا اندازہ کنندہ ہے......خداوند ہی مارتا۔ جلاتا وہی ہے......برزخ میں اتارتا۔ پھر لاتا وہی ہے۔......خداوند غریب و غنی کو بناتا......کنگال کو وہ خاک سے اٹھالیتا ہے۔......مسکین کو کوڑے میں سے کھڑا کرتا ہے۔......خداوند کے ہیں اس زمین کے ستون......اعدائے خداوند کی ہوگی شکست......وہ ان کے خلاف آسمان سے گرجے گا......حدودِ زمین کا ہوگا ربّ ہی عادل۔(۳)

یہاں الہٰ واحد کی صفاتِ جمالی و جلالی کا ذکر ہے اور خداوند کو اس کی صفتِ ربوبیت سے پہچاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ ''حدودِ زمین کا ہوگا ربّ ہی عادل'' کے الفاظ میں اللہ کی قدرت کی وسعتوں کی طرف کتنا واضح اشارہ ہے۔ یہی کیفیت مزامیر میں ہے۔ ان میں بھی تفصیل سے ربِّ واحد کا ذکر ملتا ہے۔ حال آں کہ بائبل کی محرف ہیئت کے حوالے سے بابِ مزامیر میں، یہ وضاحتی نوٹ بھی ملتا ہے:

''بہت سے مزامیر کے شروع میں چند الفاظ مصنفِ مزمور کے نام یا موقع و مقصدِ تصنیف اور گانے بجانے کے طریقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، گو عنوان الہامی نہیں ہیں۔ تاہم کافی قابلِ غور و اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس قدر پرانے ہیں کہ یونانی مترجمین ہفتاد سے بھی بعض کے معنی پوشیدہ رہے۔ انہی سے اور روایت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ داؤد بادشاہ بہت سے مزامیر کا مصنف تھا۔ دیگر مزامیر متفرق شعراء کی تصنیف ہیں''۔(۴)

اس مقالے میں ہمیں بائبل کے ایسے مُتون (Texts) پر روشنی ڈالنی ہے جو خالقِ حقیقی کی وحدانیت کی جانب واضح لفظوں میں اشارے کر رہے ہیں۔ یہاں ہمارا منشاء یہ بھی ہے کہ عیسائیت اور اسلام میں تصورِ الہٰ کی یکسانیت کے شواہد پیش کر کے، اہلِ کتاب کو، قرآن میں دی گئی دعوت کی طرف متوجہ کیا جائے ''قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ'' (کہہ دو! اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے ہاں اور تمھارے ہاں)(۵) بلاشک و شبہ حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر کے تحریف سے بچے ہوئے متون میں جس

الہٰ کا تصور ابھرتا ہے وہ ''الہٰ واحد'' ہی ہے۔ مزامیرِ داؤد علیہ السلام کے بعض جملے، الہِ واحد کی حمد اور اسی سے دعا و مناجات کرنے کی رَوِش کے آئینہ دار ہیں۔ بائبل میں بیشتر مزامیر کی ابتداء میں حمد، دعا و مناجات کا عنوان بھی دیدیا گیا ہے۔ اس لیے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''تو اے خداوند، میری سپر ہے۔ میرا فخر ہے جو مجھے سرفراز کرتا ہے......میں نے اپنی آواز سے خداوند کو پُکارا''۔ مزمور کے ان کلمات کا عنوان ہے، ''خطرے کے وقت توکُّل بر خدا''(۶)......''جب میں پکاروں تو میری سن۔ اے میرے خدائے عادل۔ تنگی میں تو نے مجھے کشادگی بخشی ہے۔ مجھ پر رحم فرما اور میری دعا قبول کر''، عنوان: ''پُرمسرت توکل بر خدا''(۷)......''خدا میرے لیے ایک سپر ہے۔ وہ راست دلوں کو بچاتا ہے۔ خدا عادل، منصف ہے......میں اس کی صداقت کے مطابق خداوند کی تعریف کروں گا۔ اور خداوند تعالیٰ کے نام کی مدح خوانی کروں گا''۔ عنوان: ''الٰہی منصف سے درخواست''(۸)......''اے خداوند ہمارے خداوند۔ تمام زمین پر تیرا نام کیا ہی عظیم الشان ہے۔ تو جس نے اپنی عظمت افلاک سے بلند تر کی ہے۔ تو نے بچوں اور شیر خواروں کے منہ سے۔ اپنے مخالفوں کے باعث اپنی حمد تیار کی ہے......آسمان کے پرندے۔ اور دریا کی مچھلیاں۔ اور ہر ایک چیز جو سمُندروں کی راہوں میں چلتی پھرتی ہے۔ اے خداوند ہمارے خداوند۔ تمام زمین پر تیرا نام کیا ہی عظیم الشان ہے۔ عنوان: ''خدا کی حشمت اور انسان کا رُتبہ''(۹)......اے خداوند میں اپنے سارے دل سے تیرا شکر کروں گا......میں تیرے تمام عجائبات کا بیان کروں گا۔ میں تجھ میں خوش اور شادمان رہوں گا......اے حق تعالیٰ میں تیرے نام کی مدح خوانی کروں گا۔ تو نے غیر قوموں کو جھڑکا ہے۔ شریر کو ہلاک کیا ہے......ان کا نام ابدالآباد تک مٹا ڈالا ہے......کیوں کہ شریر اپنی نفسانی خواہش پر فخر کرتا ہے۔(۱۰)......خداوند راستباز اور ناراست کو جانچتا ہے......جو شرارت کو پسند کرتا ہے اسی سے اس کو نفرت ہے......وہ شریروں پر آتشیں کوئلے اور گندھک برسائے گا......بادِ سموم ان کے جام کا حصہ ہوگا......کیوں کہ خداوند عادل ہے اور عدل کو پسند کرتا ہے۔......راستباز اس کا دیدار حاصل کریں گے۔ عنوان: ''مستقل توکل بر خدا''(۱۱)......کب تک اے خداوند۔ کیا تو مجھے قطعاً بھولا رہے گا۔......کب تک اپنا چہرہ مجھ سے چھپائے رکھے گا۔ کب تک میں اپنے جی میں غم کرتا رہوں......اپنے دل میں روز مرہ رنج کیا کروں۔ کب تک میرا دشمن مجھ پر سربلند رہے گا......اے خداوند میرے خدا توجہ کر اور میری سن لے۔ میری آنکھیں روشن کردے۔ عنوان: ''غمزدہ کی

دعا‘‘ (۱۲)......اے خداوند میری قوت۔ میں تجھ کو پیار کرتا ہوں......اے خداوند۔ میری چٹان ۔میرے حصار۔ میرے مخلّص ۔میرے خداوند ۔میری چٹان، جہاں میں پناہ لیتا ہوں۔......میری سِپر ۔میری نجات کا قَرن ۔ میرے حِصن ۔میں خداوندِ قابلِ حمد کو پکاروں گا......اور میں اپنے اعدا سے رہائی پاؤں گا......میں اپنی مصیبت میں خداوند کو پکاروں گا۔ سوائے خداوند کے اور کون خدا ہے......ہمارے خدا کے سوا اور کون چٹان ہے۔......خدا جس نے میری کمر قوت سے باندھی......اور میری راہ کو کامل کیا۔......اے خدا جس نے مجھے انتقام لینا بخشا......اور قوموں کو میرے ماتحت کر دیا۔ تو ،جس نے میرے دشمنوں سے مجھے چھڑایا......میرے مخالفوں پر مجھے سرفراز کر دیا......اور تند خو آدمی سے مجھے بچایا ہے۔عنوان: ’’فتح مندی پر شکر گزاری‘‘ (۱۳)

’’افلاک خدا کا جلال بیان کرتے ہیں......اور فضا اس کی دستکاری کی خبر دیتی ہے......دن سے دن بات کرتا ہے۔ اور رات کو رات معرفت دیتی ہے......کوئی کلام نہیں کوئی تقریر نہیں......جس کی آواز سنائی نہ دے۔ ان کی گویائی تمام زمین پر......اور ان کا پیغام دنیا کی انتہا تک پہنچتا ہے......ان میں اس نے آفتاب کے لیے خیمہ کھڑا کیا ہے......جو دُلہے کی طرح اپنے خَلوت خانے سے نکلتا ہے......اور پہلوان کی مانند اپنی دوڑ میں دوڑنے کو خوش ہے......آسمان کے ایک سرے سے اس کی برآمد......اور دوسرے سرے تک اس کی گشت ہوتی ہے......اور اس کی حرارت سے ایک بھی چیز چھپ نہیں سکتی۔ عنوان: ’’خدائے خالق و مُشترِع کی تمجید‘‘ (۱۴)......’’خداوند کے طالب اس کی حمد کریں گے......تمھارے دل ابد تک زندہ رہیں......زمین کی تمام حدود۔ یاد کریں گی اور خداوند کی طرف رجوع لائیں گی......اور قوموں کے سب گھرانے......اس کے روبرو سجدہ کریں گے۔ کیوں کہ سلطنت خداوند کی ہے......اور وہی قوموں پر حکومت کرے گا......سب جو زمین میں سوتے ہیں۔

فقط اسی کو سجدہ کریں گے......سب جو خاک میں مل جاتے ہیں......اسی کے سامنے جھکیں گے

......میری جان بھی اسی کے لیے جیئے گی......میری نسل اس کی عبادت کرے گی۔عنوان: ’’مسیح کی اذیت اور فتح مندی‘‘ (۱۵)......’’میں تیری طرف اپنی جان اُٹھاتا ہوں......اے خداوند۔ اے میرے خدا......میں تجھ پر توکل کرتا ہوں مجھے شرمندہ نہ ہونے دے......ایسا نہ ہونے دے کہ میرے دشمن مجھ پر خوشی منائیں......اے خداوند اپنی راہیں مجھے دکھا دے۔ اور اپنے رستے مجھے بتا دے......مجھے اپنی سچائی پر چلا اور مجھے تعلیم دے......خداوند کی سب راہیں ان کے لیے رحمت اور صداقت

ہیں......جو اس کے عہد اور شہادتوں کو مانتے ہیں۔عنوان: ’’ہدایت کے لیے دعا‘‘ (۱۶)

’’خداوند میرا نور اور میری نجات ہے......مجھے کس کا ڈر ہے؟......خداوند میری زندگی کا حِصن ہے......مجھے کس کی ہیبت ہے؟ عنوان: ’’توکل بر خدا‘‘ (۱۷)......’’خداوند کی......ہاں خداوند ہی کی تمجید و تعظیم کرو......خداوند کے نام کی تمجید کرو......پاک آرائش کے ساتھ خداوند کو سجدہ کرو......خداوند کی آواز بحُور پر......جلال کا خدا گرجتا ہے......خداوند وسیع بحور پر......خداوند کی آواز، ذی اقتدار ہے۔ خداوند کی آواز، ذی افتخار ہے۔عنوان: ’’حشمتِ خدا طوفان میں‘‘ (۱۸)......’’خداوند کی حمد سرائی کرو۔ اے اس کے مُقدسو......اور اس کے پاک نام کی شکر گزاری کرو......کیوں کہ اس کا غضب فقط پل بھر کا ہے......مگر اس کا کرم تمام زندگی بھر کا......اے خداوند۔ تو میرا مددگار ہو......تو نے میرے رنج کو رقص سے بدل دیا ہے......تو نے میرا ٹاٹ اُتار ڈالا ہے......اور مجھے خوشی سے کمر بستہ کیا ہے......تاکہ میری روح تیری حمد سرائی کرتی رہے......اور خاموش نہ رہے......اے خداوند میرے خدا......میں ابد تک تیری تعریف کرتا رہوں گا......عنوان: ’’شکر گزاری بر رہائی‘‘ (۱۹)

’’اے خداوند میں تیری پناہ لیتا ہوں......مجھے کبھی بھی شرمندہ نہ ہونے دے......اپنی صداقت کی خاطر مجھے نجات دے......تجھے ان سے نفرت ہے جو باطل معبودوں کو مانتے ہیں......اے خداوند مجھ پر رحم کر کیوں کہ میں مصائب میں مبتلا ہوں......میری آنکھ۔ میری جان اور میرا بدن، غم سے پژمردہ ہو گئے ہیں......خداوند سے محبت رکھو۔ اے اس کے تمام مُقدِّسو......خداوند ایمانداروں کی حفاظت کرتا ہے......پَر جو مغروری سے پیش آتے ہیں......ان کو خوب بدلہ دیتا ہے......تم سب جو خداوند پر توکل کرتے ہو......مضبوط ہو۔ اور تمھارا دل باہمت رہے۔عنوان: ’’مصیبت کے وقت کی دعا‘‘ (۲۰)......’’مبارک ہے وہ جس کا گناہ بخشا گیا ہے......اور جس کی خطا ڈھانپی گئی ہے......

مبارک ہے وہ آدمی جس کی تقصیر خداوند حساب میں نہیں لاتا......پَر جس کا بھروسہ خداوند پر ہے......وہ رحمت سے گھرا رہتا ہے۔عنوان: ’’گناہوں کی معافی‘‘ (۲۱)......’’راستبازوں کو حمد سرائی زیبا ہے۔......بربط کے ساتھ خداوند کا شکر کرو......اے خداوند جیسی تجھ سے ہماری امید ہے۔ ویسی ہی تیری رحمت ہم پر ہو۔عنوان: ’’الٰہی پروردگاری کی تمجید‘‘ (۲۲)......’’خداوند کا فرشتہ ان کی چاروں طرف......خیمہ زن ہو کر ان کو چھڑاتا ہے۔ جو اس سے ڈرتے ہیں......مبارک ہے وہ آدمی جو اس کی پناہ لیتا ہے......خداوند سے ڈرو۔ اے اس کے مُقدِّسو......کیوں کہ جو اس سے ڈرتے ہیں ان کو کچھ کمی

نہیں......خداوند شکستہ دلوں کے قریب ہے......اور خستہ روحوں کو رہائی دیتا ہے......اور جو صادق سے کینہ رکھتے ہیں وہ مجرم ٹھہریں گے۔عنوان:''خدا محافظِ اصدقاء''(۲۳)......''صادقوں کی نجات خداوند کی طرف سے ہے......وہ تنگی کے وقت ان کی جائے پناہ ہے......خداوند ان کی مدد کرتا اور ان کو چھڑاتا ہے......وہ ان کو شریروں سے چھڑاتا اور ان کو بچاتا ہے......اس لیے کہ وہ اس کی پناہ لیتے ہیں۔عنوان:''گہنگار اور صادق کا انجام''(۲۴)......''میں نے توقع رکھی ہے، خداوند پر توقع رکھی ہے......تو اس نے میری طرف توجہ کی اور میری فریاد سن لی۔اور اس نے مجھ کو ہلاکت کے گڑھے اور غلاظت کی دَلدَل سے نکالا......اور میرے پاؤں کو چٹان پر رکھا۔اور میرے قدموں کو مستحکم کیا......اس نے ایک نیا گیت میرے منہ میں ڈالا......ہمارے خدا کے لیے ایک ترانۂ حمد۔اے خداوند میرے خدا......تو نے اپنے عجائبات کو کثیر التعداد کر دیا ہے......اے میرے خدا میں اس میں خوش ہوں کہ تیری مرضی بجالاؤں......اور تیری شریعت میرے قلب کے عین درمیان ہے......اے خداوند براہِ کرم مجھے بچالے۔اے خداوند میری مدد کے لیے جلدی کر......جو میری جان کو ہلاک کرنے کے خواہاں ہیں......وہ سب کے سب شرمندہ اور خجل ہوں......تو ہی میرا مددگار اور میرا مخلّص ہے......پس اے میرے خدا۔دیر نہ کر۔عنوان:''مدد کے لیے دعا، الٰہی مدد کے لیے دعا''(۲۵)......''جس طرح ہرنی پانی کی ندیوں کی خواہاں ہوتی ہے......ویسے ہی اے خدا! میری جان تیری مشتاق ہے۔
میری روح، خدا کی......زندہ خدا کی پیاسی ہے......میں کب جاؤں اور خدا کے روبرو حاضر ہوؤں۔
رات دن میرے آنسو میری خوراک ہیں......اے خدا میرا انصاف کر......اور ناپاک قوم کے مقابلے میں میری وکالت کر......فریب باز اور بد کردار آدمی سے مجھے چھڑا......کیوں کہ تو ہی۔اے خدا۔میری توانائی ہے......اور میں بربط بجاتے ہوئے تیری حمد کروں گا......اے خدا۔اے میرے خدا......
عنوان:''تمنا برائے خداومَقدسِ رُو''(۲۶)......''ہلّلو یاہ!......خداوند کی اس کے مَقدِس میں حمد کرو......اس کی قوت کی فضا میں اس کی حمد کرو......اس کی قدرت کے کاموں کے باعث اس کی حمد کرو......اس کی حشمت کی کثرت کے باعث اس کی حمد کرو......ہر متنفس سے خداوند کی حمد ہو۔عنوان: تجیدِ خداوند۔(۲۷)
کتابِ جامع کے باب ۱۲ میں مذکور ہے:
ا۔خداوند کا خوف: اپنی جوانی کے دنوں میں اپنے خالق کو یاد کر۔پیشتر اس سے کہ برے ایام آجائیں

اور وہ برس نزدیک پہنچیں جن میں تو کہے گا کہ ان میں میرے لیے کچھ خوشی نہیں۔۲۔پیشتر اس سے کہ سورج اور روشنی اور چاند اور ستارگان تاریک ہو جائیں۔اور بارش کے بعد بادل واپس چلے جائیں......۷۔اور خاک خاک سے جا ملے گی۔ جہاں سے آئی تھی۔اور روح خدا کی طرف لوٹ جائے گی جس نے اسے بخشا تھا۔(۲۸)

بائبل کی ان آیات میں اِلہِٰ واحد کا تصور ابھرتا ہے۔لیکن انسانی دخل اندازی نے اس مقدس کتاب میں واحد الہٰ کا تصور برقرار نہیں رہنے دیا۔خود عیسائی مبلغین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ بائبل میں''تثلیث'' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہربرٹ آرمسٹرونگ (پیدائش ۳۱/جولائی ۱۸۹۲ء وفات ۱۶/جنوری، ۱۹۸۶ء کیلیفورنیا، امریکہ) اپنی کتاب''Mystery of the ages''میں لکھتا ہے کہ بائبل میں تثلیث کا کوئی ذکر نہیں ہے:

"The generally accepted teaching of traditional Christianity is that God is a Trinity...God in three Persons: Father, Son and Holy Siprit which they call a ghost. The word trinity is not found in the Bible, nor does the Bible teach this doctrine. "

(عیسائیت کی عمومی طور پر قبول کردہ روایت میں خدا تثلیث پر مشتمل ہے یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس جسے وہ''روح'' کہتے ہیں۔بائبل میں تثلیث کا لفظ نہیں ملتا، نہ ہی بائبل اس عقیدے کی تعلیم دیتی ہے)(۲۹)

لیکن یہی آرمسٹرونگ جب اپنا عقیدہ پیش کرتا ہے تو تثلیث سے ثنویت (دوئی) میں آ کر پھنس جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابتداء میں''کلمہ''(Word) تھا جو خدا کے ساتھ تھا اور یہی کلمہ (Word) خدا تھا۔پھر کہتا ہے کہ یہ کلمہ (Word) ابھی خدا کا بیٹا نہیں بنا تھا۔وہ خدا کا بیٹا اس وقت بنایا گیا جب خدا اس کا باپ بنا اور کنواری مریم کے بطن سے اس نے دنیا میں جنم لیا۔اصل الفاظ یہ ہیں:

"In the beginning was the Word,and the Word was with God, and the Word was God......the Word was not (yet) the Son of God. .He was made God's Son, through being begotten or sired by GOD and born of the virgin Mary'(۳۰)

تثلیث کے خلاف' آرمسٹرونگ کی رائے توحید کے قریب نظر آتی ہے، لیکن افسوس وہ

خود ثنویت (دوئی) کا شکار ہوگیا۔

اوپر اقتباس کیا گیا بائبل کا متن (Text) حمد، مناجات اور دعاؤں کے حوالے سے الٰہ واحد کا واضح تصور پیش کرتا ہے۔ یہ الگ بات کہ اسی میں کچھ شرکیہ کلمات بھی شامل ہیں، جنھیں ہم نے حذف کر دیا ہے۔ ظاہر ہے ایسے تمام شرکیہ کلمات، تحریف شدہ بائبل میں شامل ہیں، جس کے باعث الہامی متن بھی مشکوک ہوگیا ہے۔

حمد کے لغوی معنی ہیں......خدا کی تعریف، تقدیسی ادب میں نثر و نظم کا وہ متن جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو، حمد کہلاتا ہے۔ شاعری میں یہ لفظ کسی بشر نبی یا ولی کے لیے نہیں بولا جاسکتا۔ لفظ ''مناجات'' کا اطلاق، بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے نجات طلبی کے کلمات پر ہوتا ہے۔ ''دعا'' کا لفظ پکارنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن یہ لفظ صرف رب کو، اپنی مدد کے لیے پکارنے اور التجا کرنے کے معنی ہی میں استعمال کیا جاتا ہے...... بائبل کے اقتباس کیے گئے متن میں حمد، مناجات اور دعا کے بیشتر صیغے آ گئے ہیں...........اب آیئے قرآن کی جانب۔

قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ ہی میں ''حمد'' کے لفظ کو اختصاصی حیثیت دے کر بتا دیا گیا ہے کہ ......حمد صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے کیوں کہ ہر قسم کی تعریف کا مستحق صرف اور صرف وہی ہے۔ فرمایا: ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ o'' ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے''۔ (۳۱)

المعجم المفھرس لالفاظ القرآن الکریم کے مرتب محمد فواد عبدالباقی نے جو تفصیل فراہم کی ہے اس کے مطابق، قرآنِ کریم میں ''الحمد'' یا بحمد وغیرہ کے صیغے ۳۸ مقامات پر آئے ہیں۔ بحمدک کا صیغہ سورہ البقرہ کی آیت ۳۰ میں آیا ہے اور بحمدِہٖ چار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ حمید کا صیغہ ۱۶ مرتبہ اور حمیداً ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ہم یہاں چند آیات نقل کرتے ہیں:

۲. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ (۳۲) (تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین)...... ۳. وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o (۳۳) (اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا)...... ۴. وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدٰئنَا (۳۴) (اور وہ کہیں گے، شکر اللہ کا جس نے پہنچایا ہم کو اس [جنت] میں)...... ۵. وَاٰخِرُ دَعۡوٰئھُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡن (۳۵) ......(اور خاتمہ ان کی ہر بات کا [اس پر ہوگا] کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے سب جہانوں کا)...... ۶. الۡحَمۡدُ لِلّٰہ (۳۶) (سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے

ہیں)...... ۷. وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا (۳۷)، (اور کہہ دو! سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہرگز نہیں بنایا کسی کو بیٹا)...... ۸. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ (۳۸)، (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر یہ کتاب)...... . فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ نَجّٰئنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ o (۳۹)

(تو کہنا شکر اس اللہ کا جس نے نجات دی ہمیں ان لوگوں سے جو ظالم ہیں)

۱۰. وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِہِ الۡمُؤۡمِنِیۡن (۴۰)

(اور کہا انھوں نے شکر اللہ کا جس نے فضیلت دی ہم دونوں کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر)

۱۱. قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ط (۴۱)

(کہو! اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ! اور سلام ہو اللہ کے ان بندوں پر جنھیں اس نے برگزیدہ بنایا)

۱۲. وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ فَتَعۡرِفُوۡنَھَا ط (۴۲)......(اور کہو! تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ عن قریب دکھائے گا تمھیں اپنی نشانیاں پھر تم انھیں پہچان بھی لوگے)...... ۱۳. لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَالۡاٰخِرَۃِ ز (۴۳) (اسی [اللہ] کے لیے ہے حمد دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)...... ۱۴. قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ط (۴۴) (کہہ دیجیے: الحمدللہ!)...... ۱۵. وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (۴۵) (اور اسی [اللہ] کے لیے ہے حمد آسمانوں میں اور زمین میں)

۱۶. قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ط (کہو! الحمدللہ!) (۴۶)...... ۱۷. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ط (۴۷) (ساری حمد اس اللہ ہی کے لیے ہے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں اور اسی کے لیے ہے حمد آخرت میں بھی)...... ۱۸. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (۴۸) (حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا)...... ۱۹. وَقَالُوۡا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۤ اَذۡھَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ط (۴۹) (اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم)...... ۲۰. وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ (۵۰) (اور ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو رب ہے سب جہانوں کا)

۲۱. وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ صَدَقَنَا وَعۡدَہٗ وَ اَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ (۵۱) (اور کہیں گے وہ، شکر اللہ کا جس نے سچ کر دکھایا [ہمارے ساتھ کیا ہوا] اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس سرزمین کا)

۲۲. وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ o (۵۲) ......(اور پکارا جائے گا [ہر طرف] ''اَلۡحَمۡدُ

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ''(...... ۲۳ .فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن (۵۳) (لہٰذا عبادت کرو تم اسی کی خالص کر کے اسی کے لیے اپنی اطاعت کو۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا)...... ۲۴ .لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ ز وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر ٥ (۵۴) (اسی [اللہ] کی ہے بادشاہی اور اسی کے لیے ہے حمد۔ اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔)

قرآنِ کریم کی درج بالا آیات میں حمد کے معانی میں تعریف اور شکر کا پہلو نمایاں ہے۔ بائبل میں بھی حمد یہ متن کے ساتھ اظہارِ شکر کے متون ہم دیکھ چکے ہیں۔

☆ دعا...... جیسا کہ پہلے لکھا گیا، دعا پکارنے کے معنی میں استعمال ہونے والا لفظ ہے لیکن اسلامی اصطلاحی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اپنی حاجات طلب کرنے کے عمل کو ''دعا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهُ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ(۵۵) (اس موقعے پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے میرے مالک! عطا کر مجھے اپنی قدرتِ خاص سے اولاد پاکیزہ۔ بے شک تو ہے ہر ایک کی دعا سننے والا)...... فَاسْتَجَبْنَا لَهُ لا وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (۵۶) (پس قبول کر لی ہم نے دعا اس (یونسؑ) کی اور نجات بخشی اُسے غم سے اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں مومنوں کو)

اس آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کی دعا میں نجات بخشی کی التجا ہے اس لیے ایسی دعا کو مناجات کہا جاتا ہے۔

بائبل اور قرآنِ کریم کے مُتون میں مماثلتیں:

خداوند ہی خدائے علیم ہے، وہی اعمال کا اندازہ کنندہ ہے۔ خداوند ہی مارتا۔ جلاتا وہی ہے۔ (۵۷)

بائبل کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ [۱] علیم۔ [۲] اعمال کا حساب لینے والا۔ [۳] مارنے اور جلانے والا۔

قرآنِ کریم میں اللہ کی ان صفات کا متعدد بار ذکر ہوا ہے۔ چند آیات نقل کی جاتی ہیں:

[۱] علیم!

وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥ (۵۸) (اور وہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے)، اَلْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ٥ (۵۹) (سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا)، وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ م بِالظّٰلِمِیْنَ٥ (۶۰) (اور اللہ خوب

جانتا ہے ان ظالموں کو)...... اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۶۱) (بے شک اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)...... اَلسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۶۲) (سب کچھ سننے اور سب کچھ جاننے والا) فَاِنَّ اللّٰهَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ(۶۳) (تو بے شک اللہ ہے قدر دان، سب کچھ جاننے والا)، عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۶۴) (اللہ خوب جانتا ہے [اس بغض و عناد] کو جو ہے سینوں میں) ،اَلْعَزِیْزُ الْعَلِیْم(۶۵) (اللہ! غالب ہے، سب کچھ جاننے والا ہے) .

ان چند آیات سے اللہ تعالیٰ کا علیم ہونا ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بائبل میں بھی بیان ہوئی ہے۔ قرآنِ کریم میں اور بھی بہت سی آیات میں اللہ کی صفتِ علم کا اظہار ہوا ہے لیکن یہاں ان چند آیات کے ذکر ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

[۲] اعمال کا حساب لینے والا:

وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۶۶) (اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے) اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ٥ (۶۷) (بے شک ہمارے ہی ذمہ ان سے حساب لینا ہے)۔

[۳] مارنے اور جلانے والا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ص (۶۸) (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے)...... وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْن (۶۹) ([ابراہیمؑ نے کہا] اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا)۔

''خطرے کے وقت توکُّل بر خدا'' (مزمور۔۳، ص ۶۷۱)

بائبل کے مزمور ۳، ۴، ۱۰، ۱۱ اور ۲۶ میں خدا پر توکل کرنے کا ذکر ہے۔

خدا پر توکل کے حوالے سے قرآنِ کریم میں متعدد آیات ہیں۔ مثلاً

۱۔ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْن٥ (۷۰) (اور محض اللہ ہی پر، چاہیے کہ بھروسہ کریں مومن)

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ٥ (۷۱) (بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توکل کرنے والوں کو)

۳۔ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ٥ (۷۲) (اور [مومن] اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں)

۴۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْم (۷۳) (اور جس نے بھروسہ کیا اللہ پر تو یقیناً اللہ زبردست اور حکمت والا ہے)

۵۔ وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ط(۷۴) (اور بھروسہ رکھو اس

زندۂ جاوید [اللہ] پر جو کبھی مرنے والا نہیں اور تسبیح کر واس کی حمد کے ساتھ)

توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے والے انبیائے کرام اور مومنین کے ذکر کے حوالے سے قرآنِ کریم میں بہت سے متون ہیں۔ یہاں صرف بائبل کے متن سے مماثلت ظاہر کرنے کے لیے چند آیات نقل کردی گئی ہیں۔

بائبل کے مزمور ۲۴ میں ہدایت کے لیے دعا ہے۔قرآنِ کریم کی تو ابتداء ہی ھدایت کے لیے دعا سے ہوتی ہے:

۱ .اِھْدِنَا الصِّرَاطَ ا لْمُسْتَقِیْمَo (۷۵) (دکھا ہم کو راستہ سیدھا)

۲۔ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ط(۷۶)(تم کہہ دو بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے)۔۳۔ وَیَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اھْتَدَوْا ھُدًی ط(۷۷)(اور ترقی عطا کرتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو راہِ راست اختیار کرتے ہیں ہدایت میں)

بائبل کے مزمور ۳۱ میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔قرآنِ کریم میں بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے اور اللہ کی طرف سے عفو درگزر کی متعدد آیا ہیں۔

۱ .وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌo (۷۸) (اور اللہ بخشنے والا، بُردبار ہے)۔ ۲ .فَاِنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۷۹) ([پس] بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔۳ .اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (۸۰) (بے شک تمھارا رب اس [توبہ اور اصلاح] کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے)۔ ۴ .فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ (۸۱) (تو [اے محمد!] تم انھیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو [ان کے لیے رب سے مغفرت طلب کرو])

باب سَموئیل نمبر۲، میں آیا ہے ''رب ہی عادل ہے''۔ یہاں ''رَبّ'' کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ بائبل میں ضمیرِ واحد حاضر میں جس ہستی کا ذکر ہے وہ اِلٰہِ واحد ہی ہے۔

قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ ''الفاتحہ'' کی پہلی آیت ہی میں اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام آیا ہے.

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن'' (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جو جہانوں کا پالنے والا ہے)۔اور اللہ عادل بھی ہے اس لیے کہ اس کا ایک صفاتی نام ''اَلْعَدْلُ'' (انصاف کرنے والا) ہے۔

مزمور ۸ میں آسمان کے پرندوں اور دریا کی مچھلیوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ''تمام زمین پر تیرا نام کیا ہی عظیم ہے۔اس سے ذہن قرآنِ کریم کی آیات کی طرف مبذول ہوتا ہے جن میں

فرمایا گیا ہے کہ ''سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (۸۲)(تسبیح کی ہے اللہ کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے)۔مزمور ۲۱ میں ہے ''سلطنت خداوند کی ہے''۔اور قرآنِ پاک میں ہے ''وَلِلّٰہِ مُلْکُ ا لسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (۸۳)(اور اللہ ہی کے لیے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی)۔

مزمور ۳۳ میں ذکر ہوا ''خداوند شکستہ دلوں کے قریب ہے''......اور قرآن میں ہے ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ'' (۸۴) (بھلا وہ کون ہے جو دعا سنتا ہے بے قرار کی جب وہ اسے پکارے)۔

مزمور ۴۲ میں ہے ''ناپاک قوم کے مقابلے میں میری وکالت کر''۔قرآن میں دعا سکھائی گئی ہے ''فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ''o (۸۵) (پس ہماری مدد فرما، کافروں کے مقابلے میں)۔

بائبل کی کتابِ جامع کے باب ۱۲ میں مذکور ہے ''خالق کو یاد کر''......اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف ہر شئے کے خالق کی حیثیت سے کروایا ہے۔''قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ'' (۸۶) (کہو! اللہ ہی ہے پیدا فرمانے والا ہر چیز کا)

مزمور ۱۰ میں اللہ کے عذاب کا ذکر ہے۔''وہ شریروں پر آتشیں کوئلے اور گندھک برسائے گا''......اور قرآنِ کریم میں قومِ لوط پر عذاب کا ذکر اس طرح ہے:

''فَجَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ''o(۸۷) (پس کر دیا ہم نے اس بستی کو تلپٹ اور برسائے ان پر پتھر کھنگر کے)

مرموز ۳۰ میں ہے ''اے خداوند میں تیری پناہ لیتا ہوں''......اور قرآنِ کریم کی آخری دو سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں داخل ہونے کا سلیقہ سکھایا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِo (۸۸) ([اے نبی!] تم فرماؤ! میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے)۔قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۸۹)o([اے نبی!] تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے)۔

موضوع بڑا وسیع ہے۔بائبل میں ''توحید'' کے معنوی لونی عکس (Shades) کی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں۔قرآنِ کریم تو ہے ہی توحید کے واضح بیان کی کتاب۔

''حمد'' مسلم دنیا میں تقدیسی ادب کا جزوِ لازم ہے۔عربی، فارسی اردو اور علاقائی زبانوں میں شعرا نے خالص حمد لکھنے کے ساتھ ساتھ دعا اور مناجات کے عناصر کو مختلف اور متنوع انداز سے

شعری ہیئتوں میں ڈھالا ہے۔ تقابل کی غرض سے اگر عیسائی شعرا کے کلام کو بھی دیکھا جائے تو ان کے ہاں بھی حمد، دعا اور مناجات کے مُتُون کی جلوہ آرائی موجود ہے۔ بایں ہمہ! صاحبِ روح المعانی کہتے ہیں کہ ''مشرکین و کفار، خدا کی کیسی ہی حمد کریں نامقبول ہے کیوں کہ وہ حضور ﷺ کی تعلیم کے ماتحت نہیں''۔ (۹۰)...... یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرما دیا ہے:

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ُوقف''(۹۱) (بلاشبہ دین، اللہ کے نزدیک صرف ''اسلام'' ہے)۔

فکری تضادات اور عقائدی تفاوت کے باجود اگر حمدیہ، دعائیہ اور مناجاتی متون (Texts) کی بائبل اور قرآن میں مطابقت و مماثلت کے شواہد، مستند حوالوں کے ساتھ، تحقیقی انداز سے پیش کیے جائیں، تو ممکن ہے، مسلم اور عیسائی شعرا، ادباء، مفکرین اور دانشوروں کے درمیان توحید ینقطہ ءنظر کی تفہیم اور ذہن نشینی (Indoctrination) کے لیے مکالمے (Discourse) کی راہیں ہموار جائیں!...... میرے معروضات اسی امید پر مبنی ہیں۔

....

ا

حوالے بائبل: کلامِ مقدس، سوسائٹی آف سینٹ پال، روما ۱۹۵۸ء، مطبوعہ ۲۴ی/اگست ۱۹۵۸

(۲) سَمُوئیل، ص ۳۲۵...... (۳) سَمُوئیل، باب ۲، ص ۳۲۷...... (۴) ص ۶۷۰...... (۶) مزمور ۳، ص ۶۷۱......

(۷) مزمور ۴، ص ۶۷۲...... (۸) مزمور ۷، ص ۶۷۴...... (۹) مزمور ۸، ص ۶۷۵............ (۱۰) مرموز ۹، ص ۶۷۶

(۱۱) مزمور ۱۰، ص ۶۷۷...... (۱۲) مزمور ۱۲، ص ۶۷۸...... (۱۳) مزمور ۱۷، ص ۶۸۲...... (۱۴) مزمور ۱۸، ص ۶۸۳

(۱۵) مزمور ۲۱، ص ۶۸۶...... (۱۶) مزمور ۲۴، ص ۶۸۸...... (۱۷) مزمور ۲۶، ص ۶۸۹...... (۱۸) مزمور ۲۸، ص ۶۹۰

......(۱۹) مزمور ۲۹، ص ۶۹۱...... (۲۰) مزمور ۳۰، ص ۶۹۲...... (۲۱) مزمور ۳۱...... ص ۶۹۴...... (۲۲) مزمور ۳۲، ص ۶۹۵

(۲۳) (۲۳) ایضاً مزمور ۳۳، ص ۶۹۶...... (۲۴) ایضاً مزمور ۳۶، ص ۶۹۹ ...... (۲۵) مزمور ۳۹، ص

(۲۶) مزمور ۴۲، ص ۷۰۴...... (۲۷) مزمور ۵۰، ص ۷۹۴...... (۲۸) باب ۱۲، ص ۸۳۷...... (۵۷) باب ۲، ص ۳۲۷...... ۷۰۲

Herbert W. Armstrong, Mystery of the Ages, Worldwide Chruch of God, Pasadena, CA 91123 U.S.A. ص34 (۲۹)(۳۰)

القرآن: حوالے نمبر: (۱) ۱۵ : ۹...... (۵) الِ عمران ۳، آیت ۶۴...... (۳۱) الفاتحہ

......(۳۲) ۶ : ۱...... (۳۳) ۶ : ۴۵...... (۳۴) ۷ : ۴۳...... (۳۵) ۱۰ : ۱۰...... (۳۶) ۱۶ : ۷۵...... (۳۷) ۱۷ : ۱۱۱......

(۳۸) ۱۸ : ۱...... (۳۹) ۲۳ : ۲۸...... (۴۰) ۲۷ : ۱۵...... (۴۱) ۲۷ : ۵۹...... (۴۲) ۲۷ : ۹۳...... (۴۳) ۲۸ : ۷۰......

(۴۴) ۲۹ : ۶۳...... (۴۵) ۳۰ : ۱۸...... (۴۶) ۳۱ : ۲۵...... (۴۷) ۳۴ : ۱...... (۴۸) ۳۵ : ۱...... (۴۹) ۳۵ : ۳۴

(۵۰) ۳۷ : ۱۸۲...... (۵۱) ۳۹ : ۷۴...... (۵۲) ۳۹ : ۷۵...... (۵۳) ۴۰ : ۶۵...... (۵۴) ۶۴ : ۱...... (۵۵) ۳:۳۸

(۵۶) ۲۱ : ۸۸...... (۵۸) [۲ : ۲۹]...... (۵۹) [۲ : ۳۲]...... (۶۰) [۲ : ۹۵]...... (۶۱) [۲ : ۱۱۵]......

(۶۲) [۲ : ۱۲۷]............ (۶۳) [۲ : ۱۵۸]...... (۶۴) [۳ : ۱۱۹]...... (۶۵) [۶ : ۹۶]...... (۶۶) [۲:۲۰۲]......

(۶۷) [۲۶:۸۸]...... (۶۸) ۷ : ۱۵۸...... (۶۹) ۲۶ : ۸۱...... (۷۰) ۳ : ۱۲۲...... (۷۱) ۳:۱۵۹...... (۷۲) ۸ : ۲

......(۷۳) ۸ : ۴۹...... (۷۴) ۲۵ : ۵۸...... (۷۵) ۱ : ۵...... (۷۶) ۴:۱۲۰...... (۷۷) ۱۹:۷۶...... (۷۸) ۵ : ۱۰۱

(۷۹) ۶ : ۵۴...... (۸۰) ۱۶ : ۱۱۹...... (۸۱) ۳ : ۱۵۹...... (۸۲) ۵۷:۱...... (۸۳) ۳:۱۸۹ (۸۴) ۲۷ : ۶۲

......(۸۵) ۲،۲۸۶...... (۸۶) ۱۳ : ۱۶...... (۸۷) ۱۵ ، ۷۴...... (۸۸) ۱۱۳:۱...... (۸۹) ۱۱۴:۱...... (۹۱) ۳ : ۱۹

(۹۰) احمد یار خاں نعیمی، نور العرفان، پیر بھائی کمپنی، لاہور، ص ۲

☆ قرآنِ کریم کے تراجم کے لیے مولانا سید شبیر احمد اور احمد یار خاں نعیمی کی نگارشات سے استفادہ کیا گیا۔

....

منگل: ۱۲/جمادی الآخر ۱۴۴۲ھ مطابق: ۲۶/جنوری ۲۰۲۱ء۔

☆ یہ مقالہ: عالمی حمد و نعت کانفرنس، ۳۰/جنوری ۲۰۲۱ء (آرٹس کونسل پاکستان، کراچی) میں پڑھا گیا۔

حالؔی اور حسن عسکری!

نعتیہ ادب میں ناقدین کی آراء کے بکھرے ہوئے موتیوں کو تلاش کر کے صبیح رحمانی نے ''اردو نعت کی شعری روایت'' کے نام سے شیرازہ بند کیا ہے، جس میں تعریف، تاریخ، رجحانات، تقاضے اور اہلِ دانش کی آراء کے ذیلی عنوانات کے تحت موضوعات کی ایک کہکشاں سجا دی ہے۔ اس کتاب میں محمد حسن عسکری کا ایک معرکۃ الآرا مضمون بعنوان ''محسن کاکوروی'' بھی ہے۔ یہ مضمون ۱۹۵۹ء میں لکھا گیا تھا اور عسکری صاحب کی کتاب ''ستارہ یا بادبان'' میں شامل تھا۔ اب یہ مضمون صبیح رحمانی کی مذکورہ تالیف کا بھی حصہ ہے۔

''محسن کاکوروی'' پر لکھتے ہوئے عسکری نے اپنے عہد سے بیس پچیس برس قبل کے ماحول سے بات شروع کی تھی جب محسن کا شہرہ ان کے مشہور قصیدہء لامیہ ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' کے باعث عام تھا۔

عسکری صاحب، اس عہد کے اردو نقادوں کا ذکر کر کے بتاتے ہیں کہ انھوں نے ''محسنؔ کی شاعری کو خلوص اور شدت سے عاری، خشک اور مصنوعی کہہ کر اُڑا دیا ہے''۔ مزید لکھتے ہیں:

''(محسنؔ کے) مجموعے میں تین چار چیزیں ایسی موجود ہیں جو نہ صرف نعتیہ شاعری میں، بلکہ پوری اُردو شاعری میں ایک امتیازی درجے کی مستحق ہیں، مثلاً دو مثنویاں ''چراغِ کعبہ'' اور ''صبحِ تجلّی'' ایک ''سراپائے رسول اکرم ﷺ'' اور وہ لمبی غزل جس کا مطلع ہے:

مٹانا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب وجد کا   دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

مگر لے دے کے جسے قبولِ عام حاصل ہوا ہے وہ ان کا قصیدہ لامیہ یعنی ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل''۔ محسنؔ کی ساری شہرت اس ایک قصیدے پر موقوف ہے''۔[۱]

پھر انھوں نے سوال اٹھایا:

''آخر اس نظم میں ایسی کیا بات ہے، جو آج سے سو سال پہلے ہماری اجتماعی روح کی کسی پوشیدہ رگ کو چھو گئی ورنہ اس قصیدے پر تو کئی اعتراضات وارد ہو سکتے تھے''[۲]

محسن کے کلام میں صنعتوں کی بھرمار اور لکھنوی طرزِ اظہار کی نامناسب کھپت کے باوجود نعتیہ شاعری میں ان کی مقبولیت کیوں کر ہوئی۔ اس حوالے سے عسکری نے لکھا:

''محسنؔ کی شاعری کے ان متضاد پہلوؤں کو نظر میں رکھیں تو بحث تین حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ محسنؔ کا جذبہ کس نوعیت کا تھا؟ اگر وہ نعت گوئی میں کامیاب ہوئے تو کیا ان کا عشقِ رسول ﷺ اوروں سے زیادہ صادق یا شدید تھا؟ اگر ان کا جذبہ صادق اور پُر خلوص تھا تو انھوں نے پُر تکلف اندازِ بیاں کیوں اختیار کیا؟ اور تیسری بات یہ ہے کہ ان کے قصیدۂ لامیہ سے لوگ اتنے زیادہ کیوں متأثر ہوئے؟''[۳]

محسن کو سراہتے ہوئے عسکری صاحب نے حالی پر طنز بھی کیا:

''محسنؔ یا اس زمانے میں ان کے پڑھنے والوں کے لیے آنحضرت ﷺ ایک ''شخصیت'' قطعاً نہیں تھے۔ اُردو شاعری میں آنحضرت ﷺ کو ایک ''شخصیت'' تو حالؔی نے اپنے مسدس میں بنایا اور اس طرح نعت گوئی کی روایت کو سخت نقصان پہنچایا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا''[۴]

......وہ مزید لکھتے ہیں:

''اس حقیقت سے بھی گریز نہیں کہ مولانا حالؔی کے لیے آنحضرت ﷺ اور تھے، محسن کاکوروی کے لیے کچھ اور۔ یوں تو حالؔی کے زمانے سے بہت پہلے ''تقویت الایمان'' شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول ﷺ کی عزت اتنی کرنی چاہیے جتنی ''نعوذ باللہ'' بڑے بھائی کی، یعنی رسول ﷺ کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے پیدا ہو چکے تھے اور حالؔی کے زمانے میں ''بنانا نہ تربت کو میری صنم تم'' کچھ ایسا باغیانہ تصور نہ رہا تھا''۔[۵]

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محمد حسن عسکری نے حالی کی مخالفت میں حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات ہی کی مخالفت کر دی۔ حالی نے لکھا تھا نبیِ اکرم ﷺ نے تو تعلیم یہ دی تھی کہ:

تم اوروں کے مانند دھوکہ نہ کھانا   کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا

مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا   بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ   اُسی طرح ہوں میں بھی ایک اُس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم   نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم   کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی — کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[۶]

یہ تمام اشعار ''عبدہٗ ورسولہٗ'' کی تفسیر ہی کہے جا سکتے ہیں۔لیکن عسکری صاحب ''بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم'' کو باغیانہ تصور کہتے ہیں۔گویا حضورِ اکرم ﷺ کی تربت کی پرستش کرنا کوئی اسلامی تعلیم ہے!!!......عسکری صاحب کے اس نکتے سے کوئی بھی اتفاق نہیں کر سکتا۔پتہ نہیں انھوں نے کس تناظر میں ''بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم'' کو باغیانہ تصور کہا تھا؟

ہاں بعض بزرگوں نے حالی کے مسدس میں آنے والے لفظ ''ایلچی'' پر اعتراض کیا ہے لیکن مجھے تو یہ بھی سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر ۶ کا تفسیری اظہار لگتا ہے،جس میں اللہ تعالیٰ نے نبیءِ برحق کو حکم دیا ہے کہ اعلان فرما دیں:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ ط وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ [۷] ''تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو'' (کنز الایمان)

چناں چہ ''کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی'' کہہ کر حالی نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔ لغات میں بھی ایلچی کے معنی ''پیغام بر،زبانی یا تحریری پیغام پہنچانے والا،قاصد'' لکھے ہیں۔[۸]

عسکری صاحب نے حالی کے نعتیہ اشعار کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے بھی طنز کے تیر برسائے اور لکھا ہے:

''حاؔلی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنخضرت ﷺ کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو بہت ہوئے ہیں مگر ان سے لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت کیوں نہیں ہوتی،جیسی آنخضرت ﷺ سے ہے؟اس کا جواب ہمیں حاؔلی کی نعت میں نہیں ملتا۔بہی کھاتے میں ایسی باتیں ہوا بھی نہیں کرتیں''۔[۹]

محمد حسن عسکری،حالی کے مقابلے میں محسن کاکوروی کو اسی لیے پسند کرتے ہیں کہ

''ان[محسن] کی نظر میں آنخضرت ﷺ کی شان دراصل یہ تھی:''با میم احد احمدِ بلا میم''[۱۰]

اس کے بعد عسکری صاحب بڑے فخر سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں:

''ان[محسن] کے پورے نعتیہ کلام میں یہ عقیدہ جاری وساری ہے کہ کائنات میں شکلوں کے تنوع کے

پیچھے ایک وحدت پنہاں ہے اور یہ وحدت ہے''احمد بلا میم'' کا نور''[۱۱]

لیکن عسکری صاحب نے یہ نہیں دیکھا کہ ڈھکے چھپے یا کھلے الفاظ میں عبدہٗ کو معبود بنانا از روئے شریعت بہت بڑا گناہ ہے۔صوفیانہ ''سُکر'' کے زیرِ اثر نعتیہ اظہاریوں کو عسکری صاحب نے کیوں پسند کیا؟......اس کی ایک نفسیاتی توجیہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس دور میں وہابی تحریک کے زور پر حضورِ اکرم ﷺ سے محبت کو کم کرنے کی کوششیں تیز تر ہو گئی تھیں اور اس تحریک سے متاثر علماء نے محض توحید پرستی کے زعم میں حبِ رسول ﷺ کے اظہار پر بھی پہرے بٹھانے کی کوشش کی تھی۔تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ حبِ رسول ﷺ کے دعوے داروں میں بھی شریعت کے پابند علماء نے کبھی اس خیال کو پسند نہیں کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو احمدِ بلا میم تسلیم کیا جائے۔

جہاں تک حالی کے بیان کو ''بہی کھاتہ'' قرار دینے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عسکری صاحب نے عربی شاعری اور متعلقاتِ سیرت سے استفادہ کیے بغیر صرف تنقیدی نکات سامنے رکھے تھے۔ورنہ وہ ''احمدِ بلا میم'' کے عقیدے کو اس قدر شد و مد سے قطعی نہیں سراہتے۔

..........اور جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ حالی نے انسانی دنیا کو پہنچنے والے فوائد گنائے ہیں،تو اس ضمن میں صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ آغازِ وحی کے موقع پر حضورِ اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کیا عرض تھا؟......جب حضورِ اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا ''مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے اور آپ ﷺ نے سارا قصہ جو گزرا تھا،ان سے بیان کیا۔بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ڈریئے نہیں،ہرگز آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا،بلکہ خوش ہو جایئے۔میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں اللہ آپ ﷺ کو کبھی خراب نہیں کرنے کا،خدا کی قسم (آپ کیوں کر خراب ہو سکتے ہیں) آپ ﷺ تو ناطے والوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ہمیشہ سچ بولا کرتے ہیں۔دوسرے کا بوجھ (قرضہ وغیرہ اپنے ذمے کر لیتے ہیں) جو چیز کسی کے پاس نہ ہو وہ اس کو دلواتے ہیں (بھوکوں کے لیے کھانا،ننگے کو کپڑا) اور مہمان کی ضیافت کرتے ہیں،معاملات و مقدمات میں حق کی پاس داری کرتے ہیں''۔[۱۲]

اس پس منظر میں حالی نے اگر غریبوں کی مرادیں بر لانے،مصیبت میں غیروں کے کام آنے،اپنے پرائے کا غم کھانے،ضعیفوں اور یتیموں کے ماویٰ و ملجا ہونے کا تذکرہ کیا تو وہ محض دنیاوی فوائد کی بات نہیں تھی بلکہ یہ دکھانا مقصود تھا کہ انسانی معاشرے کو خیر کی بنیاد پر استوار کرنے کے لیے

حضورِ اکرم ﷺ نے ''اُسوَۃٌ حَسَنَہ'' پیش کر کے تمام انسانوں کے لیے نمونہ فراہم کیا ہے۔
عسکری صاحب کے اس اظہاریے پر بھی کلام کیا جا سکتا ہے:

''سو پچاس سال پہلے عام مسلمان کا ایمان یہ تھا کہ حقیقتِ محمدی ﷺ احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتی اور رسول ﷺ کی بنیادی صفت یہی ہے، 'خطا کار سے درگزر کرنے والا' نہیں کیوں کہ اتنا کام تو خود مولانا حالیؔ بھی کر لیتے ہوں گے''۔[۱۳]

حقیقتِ محمد ﷺ کی حد تک یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ وہ بیان میں نہیں آ سکتی لیکن خطا کار سے درگزر کرنے کے عمل میں امت کے لیے جو مقصد پنہاں ہے وہ قرآن و سنت کے پیغام کو مکمل طور سے سمجھے بغیر فہم میں آ ہی نہیں سکتا۔

مشرکینِ مکہ کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کا مشفقانہ سلوک سامنے رکھیں تو حالی کا یہ مصرع سمجھ میں آ سکتا ہے 'خطا کار سے درگزر کرنے والا'۔ لیکن نہ جانے کیوں عسکری صاحب نے اس مصرعے کو بھی قابلِ اعتراض جانا؟؟؟

فتح مکہ کے موقعے پر حضور ﷺ نے سوال کیا.....اے گروہِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انھوں نے بیم و رجاء میں ڈوبے ہوئے لہجے میں عرض کی ''نَظُنُّ خَیرًا''، ہم حضور سے خیر کی امید رکھتے ہیں۔ نَبِیٌّ کَرِیمٌ اَخٍ کَرِیمٍ وَقَدْ قُدِرْتَ'' آپ کریم نبی ہیں، کریم النفس بھائی ہیں اور ہمارے کریم و شفیق بھائی کے فرزند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو قدرت و اختیار عطا فرمایا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا..........

''آج تمھیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہی تھی کہ آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمھارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے..... جاؤ چلے جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو''[۱۴]

اس حقیقت کا اظہار اگر حالی نے یہ کہہ کر کیا کہ 'خطا کار سے درگزر کرنے والا' تو یہ دینی اقدار اور تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روشن پہلو ہے جسے حالی نے ایک مصرعے میں اجاگر کر دیا ہے۔ اس اظہاریے پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

حالی کی نعت کی بات چل نکلی ہے تو لگے ہاتھوں چند دیگر ناقدین کی آرا بھی دیکھتے چلیں۔
ڈاکٹر مظفر حسن عالی رقم طراز ہیں:

''حالی نے مدوجزرِ اسلام کے ابتدائی حصے میں نعتیہ کلام بھی شامل کیے ہیں جن سے رسالت مآب ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشے منور ہوئے ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر برقؔ حالی نے اپنے مشہورِ زمانہ مسدس میں جو نعتیہ بند لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو نعتوں میں ان سے زیادہ مقبولیت اور کسی کو نہ ہوئی'۔ مثال کے طور پر............ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا.................. ان اشعار میں حقیقت کا کتنا کھلا صاف اور واضح اظہار ہے۔ شاید اس سے پہلے [نظری اکبر آبادی کے علاوہ] کسی اور شاعر کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے فضائل، اخلاق، کارگزاریوں اور ہمدردیوں کو شعری پیکر میں جس خوب صورتی سے ڈھالا ہے اس سے پہلے کسی شاعری میں اس کی مثال دیکھنے میں نہیں ملتی''[۱۵]

ممتاز حسن لکھتے ہیں:

''میری رائے میں اُردو میں کوئی نعت حالیؔ کے مسدس کے برابر موجود نہیں ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

ان چند شعروں میں کوئی تکلف کوئی مبالغہ کوئی طباعی کوئی صنعت گری نہیں۔ مگر جو تاثر ان میں موجود ہے ان کی نظیر اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔ حضور رسالت پناہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اَلْخلقُ کُلُّهُمْ عِیَالُ اللّٰہِ وَاَحُبُّهُمْ اِلَی اللّٰہِ من اَنْفَعُهُمْ اِلَی الْخَلِقِ یعنی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو سب سے عزیز وہ انسان ہے جو خلقِ خدا کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ حالیؔ کے یہ شعر اسی حدیث اور صاحبِ حدیث کی تصویر ہیں'...... ''حضور ﷺ کی بشر دوستی اور انسان نوازی کی طرف توجہ دلا کر دُنیا کو مقصدِ نبوت سے آگاہ کرنا...... یہی حالیؔ کی عظمت ہے''۔[۱۶]

اسی طرح ڈاکٹر انور سدید نے حالیؔ کی نعت کو سراہا ہے:

''اُردو نعت کے ارتقا میں حالیؔ ایک ایسا سنگِ میل ہے جس پر نظر دور سے ہی پڑ جاتی ہے۔ حالیؔ کی نعت گوئی کا اعلیٰ ترین نمونہ ان کی مسدس میں ملتا ہے۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ حالیؔ نے اپنی عقیدت کو طغیانِ جذبات کے حوالے نہیں کیا، بلکہ نرم، رسیلے اور سادہ الفاظ میں حضور ﷺ کی سیرت کے کچھ ایسے نقوش اُبھار دیے ہیں کہ ان کا اثر دیرپا اور کیف و سرور لا فانی ہو گیا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس آبگینے سے چند ایک جرعے پیشِ خدمت ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ، ضعیفوں کا ماوا — یتیموں کا والی ، غلاموں کا مولا
خطا کار سے در گزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

حالیؔ میں شیفتگی بھی ہے اور خود سپردگی بھی۔ ضبط بھی ہے اور تحمل بھی۔ سنجیدگی بھی ہے اور حقیقت افروزی بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ تاثر کی جو گہرائی سوداؔ کے وجیہہ الفاظ اور مومنؔ کی بوجھل ترکیبیں پیدا نہ کر سکیں، ان سے کہیں زیادہ شدید اثر حالیؔ کے بے رنگ الفاظ پیدا کر گئے۔ اُردو نعت کے تاریخی ارتقا میں حالیؔ وہ مینارۂ نور ہے، جس سے بعد میں آنے والے اکثر شعرا نے روشنی حاصل کی، چناں چہ حالیؔ کی باوقار سادگی کے نقوش بیش تر شعرا کے ہاں نمایاں نظر آتے ہیں''۔[۱۷]

دیگر ناقدین کی تحریروں سے چند اقتباسات اس لیے دیے ہیں کہ معلوم ہو سکے ایک زمانہ حالی کے نعتیہ اشعار کی قبولیت کا گواہ ہے، ناقدین ان اشعار پر والہانہ انداز سے تبصرے بھی کر رہے ہیں لیکن محمد حسن عسکری اس انداز کو نبوت کے استخفاف کی کوشش قرار دیتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟؟؟

عسکری صاحب نے حالی کے طرزِ نعت گوئی پر اس قدر برہمی کا اظہار کیوں کیا؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے...... بات دراصل یہ ہے کہ سید احمد خاں کی تحریک سے عام مسلمانوں میں بے اطمینانی پائی جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس تحریک سے منسلک ہر شخص اسلامی اقدار کی پاسداری کے حوالے سے شک کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ حالی کا قصور یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بہتری کے لیے سید احمد خاں کی تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ صبیح رحمانی کی مرتب کردہ کتاب ''اردو نعت کی شعری روایت'' میں شمیم احمد کا ایک مضمون ہے۔ شمیم احمد نے عسکری کی لے میں لے تو ملائی ہے اور حالی کو اسی طرح مطعون بھی کیا ہے، تاہم انھوں نے عسکری کی برہمی کی وجہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''۱۸۵۷ء میں جب اسلامی ہند کا یہ نظامِ عمل شکست و ریخت سے دوچار ہو کر مغرب کے سامنے سپر

انداز ہوتا ہے تو حالیؔ کا دور شروع ہوتا ہے......اس دور میں نعت گوئی نے ایک بالکل مختلف انداز اختیار کر لیا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے ولا — مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا

یہ حالیؔ کی آواز تھی، اس آواز میں خلوص بھی تھا اور درد بھی، لیکن اس میں نہ وہ والہانہ شیفتگی ہے، جو خسرؔو کی غزل (محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم) میں نظر آتی ہے اور نہ وہ عقیدت کا تصور، جس کا مرکزِ نوریں حضورﷺ کی ذات ہے۔ جس کو تکوین کا باعث مان کر آپﷺ کی ذات وصفات کے ان پہلوؤں پر توجہ دی ہے جن سے ان بنیادی فوائد اور انسانی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے جو آپﷺ کی بعثت سے عالمِ انسانیت کو پہنچیں۔ یہاں آپ کی ذات ایک بڑے مصلح اور رفارمر کی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ کا کوئی روحانی تصور وہ نظام نہیں رکھتا تھا، جو مسلمانوں پر غالب آیا تھا۔ خدا جانے حالیؔ دل سے بھی اس حد پر اکتفا کرتے تھے یا نہیں؟ مگر بہت جلد برصغیر میں ایسی نسلیں پیدا ہو گئیں جو حضورﷺ کی نبوت کی منکر تھیں اور آپﷺ کو ایک زمانے کا سب سے بڑا مصلح قرار دے کر مطمئن ہو جاتی تھیں۔[۱۸]

شمیم احمد کی تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حالیؔ کی نعتیہ تخلیقات کو نظامِ فکر کے تبدیل شدہ ماحول کا اثر سمجھا گیا، لہٰذا، اس پر ''بہی کھاتہ'' ہونے کی پھبتی کسی گئی۔

صبیح رحمانی کی مذکورہ تالیف میں جمال پانی پتی کا ایک مضمون ''نعت گوئی کا تصورِ انسان'' بھی ہے۔ اس میں انھوں نے سلیم احمد کے حوالے سے بتایا ہے کہ محمد حسن عسکری ایک عمر تک ''آدمی اور انسان'' کے مسئلے سے الجھے رہے...... ''محسن کاکوروی کے نعتیہ کلام کے مطالعے کے دوران وہ اچانک جس تصورِ انسان سے دوچار ہوئے اس کی ماورائی جہت میں انھیں اپنے مسئلے کا حل مل گیا...... محسن کاکوروی کی نعت کے تصورِ انسان میں ماورائی جہت کی اس پسندیدگی کے باعث وہ حالیؔ کو انسانی خوبیوں کا بہی کھاتا لکھنے کا طعنہ دیتے ہیں''............ جمال پانی پتی مسدس کے اشعار کے علاوہ قصائد کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ حالیؔ کے پیشِ نظر حضورِ اکرمﷺ کی بشری یا انسانی جہت بھی تھی اور آپﷺ کی ماورائی نوری جہت بھی تھی۔ اپنے موقف کی دلیل کے طور پر انھوں نے حالی کا یہ مطلع بھی نقل کیا ہے:

یا ملکی والصفات یا بشری القویٰ — فیکَ دلیلٌ علیٰ انکَّ خیرالوریٰ

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں ''اس طور پر دیکھیے تو حالی کے بارے میں عسکری صاحب کی رائے مبنی بر انصاف نہیں معلوم ہوتی''[۱۹]

ان شواہد اور خود عسکری صاحب کے حلقے کے اہلِ دانش کی آراء سے معلوم ہوا کہ عسکری نے حالؔی کے اشعار سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ''ان [حالی] کے نزدیک حضورِ اکرم ﷺ کی صرف جہتِ بشری تھی''......تو انھوں نے حالی کے مجموعی کلام سے نا آشنائی یا اس کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا۔

عسکری صاحب نے ناقد کی حیثیت سے مذہبی شاعری کی بیشتر ناکامی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مذہبی تجربات عالمِ طبعی سے ماوریٰ ہونے کے باعث شعری اظہاریوں کا حصہ نہیں بن پاتے۔ہاں ان کے بقول ڈانٹے اور رومی نے ''اس بے اظہاری کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے''۔وہ بتاتے ہیں:

''فنی اظہار کامیاب اس وقت ہوتا ہے جب شاعر بذاتِ خود Archetype کو بیان کی قید میں لانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اس سے اپنا ایک شخصی اور ذاتی رشتہ قائم کرے اور اس رشتے کو اظہار کا موقع دے''۔[۲۰]

بلاشبہ،نعتیہ شاعری میں جہاں اور جب، کسی شاعر نے اس نکتے کو سمجھ کر شعری اظہار کیا ہے وہ خاصی حد تک کامیاب رہا ہے۔

عسکری صاحب جانتے تھے کہ صوفیوں کے نزدیک جو اعلیٰ ترین مقام ہے وہاں پہنچ کر شاعری نہیں ہوسکتی۔اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کے لیے یہ حرکت (شاعری کرنا) ایسی ہی ضروری بن جاتی ہے جیسے سانس لینا اور ہر قسم کے تجربے کو جسم اور شکل عطا کرنے کی ترغیب کہیں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ایسی صورت میں شاعروں نے عموماً چار طریقے اختیار کیے ہیں:

(۱) اظہار کی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

(۲) حقیقی تجربے کا اظہار عقلی اصلاحات پر رسمی الفاظ میں کیا، یوں شعر تو پھس پھسا اور بے جان ہو کے رہ گیا۔یا صرف ان لوگوں کو جاندار معلوم ہوا جن میں میلانِ قبولیت پہلے سے موجود تھا۔

(۳) روحانی حقائق کو مجازی عشق کی اصطلاح میں بیان کیا۔......ہمارے یہاں نعتوں میں مجازی عشق کے تصورات خاصی فراوانی سے استعمال ہوئے۔خصوصاً ایسی نعتیں جو عوام میں مقبول ہوئیں۔مثلاً

''رخسار سے برقع کو اُٹھا کیوں نہیں دیتے''، ''نبی جی صورتیا دکھانی پڑے گی'' مگر نعت گو ہمیشہ ڈرتے رہے کہ اس معاملے میں کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

مذہبی شاعری کو ایک الگ نوعیت کی شاعری نہ سمجھا جائے، بلکہ شاعر سادگی یا سلاست یا خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اسلوب جو اور جگہ برتتا ہے، یہاں بھی برتے اور فنِ شعر کو جہاں دوسرے موضوعات کے سلسلے میں بیان کرتا ہے وہاں مذہب کے سلسلے میں بھی استعمال کرے۔...... یہ رویہ شاعر کو ڈانٹے اور رومؔی یا اقبالؔ تو نہیں بناتا مگر اُس کی شاعری کو پھس پھسا اور بے جان بھی نہیں بننے دیتا''۔[۲۱]

اس کے بعد انھوں نے محسن کے قصیدے سے چند اشعار نقل کیے ہیں اور آخری شعر کے حوالے سے اپنی رائے دی ہے:

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ　　سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

ان اشعار کی نفاستِ بیاں، چستی، بے ساختگی اور عقیدت مندانہ شوخی پر تو میں بھی فدا ہوں اور اس ایمان کی پختگی، معصومیت اور بھولے پن میں بھی کلام نہیں جسے یقین ہو کہ قیامت کے ہنگامے میں بھی شافعِ محشر اپنے عاشق کا کلام سننے اور داد دینے کو تیار ہوں گے مگر جس شخص کو ''احمد بلا میم'' کے سامنے پہنچ کے سب سے پہلے اپنا کلام یاد آئے، وہ بڑا شاعر نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارے یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ بُرا شاعر بھی نہیں ہو سکتا[۲۲]

یہاں بھی عسکری صاحب نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے ''احمد بے میم'' کی بات کی ہے۔گویا حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شطح زدہ توجیہ سے ان کا اعتقادی رشتہ مکمل طور سے مضبوط اور بحال رہا۔

بہر حال عسکری صاحب نے بڑی تنقیدی بصیرت سے یہ نکتہ سجھایا ہے کہ لکھنوی شاعری کی خرابیوں کو محسن نے اپنے مزاج کی ولولہ انگیزی کے ساتھ برت کر خوبیوں میں تبدیل کر دیا۔وہ لکھتے ہیں:

''موضوع محسؔن کو شوخی پر اُکساتا ہے اور محسؔن کی شوخی؛ موضوع کی لطافت کو اور نمایاں کرتی ہے۔موضوع کے تقدس اور بیان کی شوخی کے اجتماعِ ضدین ہی سے نعت میں ان کا امتیازی رنگ پیدا ہوا ہے''۔
[۲۳]

محسن کے فرزند مولوی نورالحسن سے استشہاد کرتے ہوئے عسکری نے جو نکات بیان

کیے ہیں وہ محسن کی تفہیم میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں:

''(محسن کے فرزند مولوی نورالحسن کے) اس بیان کے مطابق محسنؔ کی نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی تین ہوئے۔ (۱) موضوع کی متانت (۲) مضمون آفرینی اور بلند پروازی (۳) شوخی''۔[۲۴]

حقیقت میں محسن کاکوروی کا کارنامہ ہی یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو ادبی فضا کی وسعتوں میں سانس لینا سکھایا۔ حالؔی سے معاندانہ سلوک اور حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شطح آمیز توجیہ کے باوجود، عسکری صاحب کے اس کارنامے کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو صوفیانہ طرزِ احساس کے پس منظر میں پرکھا اور دبستانِ لکھنؤ کی ادبی اقدار کو تقدیسی ادب کا حصہ بنانے پر محسن کاکوروی کو جی بھر کے سراہا۔

یہ دیکھ کر مجھے از حد خوشی ہوئی کہ صبیح رحمانی نے اپنی کتاب کا انتساب بھی محمد حسن عسکری کے نام اس اعتراف کے ساتھ کیا ہے کہ ''انھوں نے پہلی بار اردو نعت کی ادبی، جمالیاتی اور فکری اقدار کا تعین کیا''۔

پس نوشت:

حالؔی پر محمد حسن عسکری کے اعتراض کو سید احمد خاں کی فکری روش اور مسلمانوں میں اس سے پیدا ہونے والی تشویش اور بے چینی کی روشنی میں دیکھا جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے، کہ حالی نے اپنے مشہور مسدس میں، نبیءِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے صرف وہ اوصاف منسوب کرنے پر ہی اکتفا کیوں کیا جو عام بشری اوصاف میں شمار ہوتے ہیں اور جن سے محض ایک ریفارمر کا تصور ابھرتا ہے۔ ہوسکتا ہے عسکری نے مذکورہ مضمون لکھتے ہوئے حالی کے دیگر نعتیہ متون کی طرف توجہ نہ کی ہو، ورنہ انھیں معلوم ہو جاتا کہ مسدس کے علاوہ جو نعتیں ہیں ان میں حضورِ اکرم ﷺ کی نوری جہت، نبوی حیثیت اور بشری اعلیٰ اوصاف کی جھلکیاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں عسکری نے صوفیانہ تصور ''احمدِ بلا میم'' کو سراہتے ہوئے محسن کاکوروی کی جو تعریف کی اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اُن دنوں اُن پر صوفیانہ فکر کے گہرے اثرات تھے جو بعد میں کچھ اعتدال کے ساتھ شریعت کی پاسداری کے جذبے میں بدل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مذہب کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور مغربی مستشرقین کی طرف سے پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا گہری نظر سے جائزہ لے کر مغرب زدہ اسلامی مفکرین کو ان کے مضمرات سے آگاہ کرنے کے لیے ''جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ'' تیار کیا۔ انھوں

نے اختصار کے ساتھ ۱۵۳ نکات پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اب مستشرقین نے، مغرب کے عام مفکروں نے، پھر ان کی تقلید میں ہمارے یہاں تجدد پسندوں نے ایک نیا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ بظاہر اسلام کی، یا عمومی طور سے مذہب کی تعریف کرتے ہیں، مگر مذہب کا جو تصور ان کے ذہن میں ہوتا ہے وہ دراصل دین میں تحریف کے مترادف ہے''۔(۲۵)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عسکری صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مولانا مفتی محمد شفیع کی تفسیر ''معارف القرآن'' کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا ڈول بھی ڈالا اور بقول مفتی محمد تقی عثمانی، سورہ البقرۃ کی آیت ۱۵۶ تک انگریزی میں ترجمہ کر بھی دیا تھا جو مذکورہ تفسیر کے انگریزی ترجمے میں شامل ہے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"Fortunately, I succeeded in persuading Prof. Muhammad Hasan Askari, the well-known scholar of English literature and criticism, to undertake the translation. In the beginning he was reluctant due to his strong sense of responsibility in the religious matter, but when I assured him of my humble assistance throughout his endeavor, he not only agreed to the proposal, but started the work with remarkable devotion. Despite my repeated requests, he did never accept any honorarium or a remuneration for his service. He was a chain-smoker. But he never smoked during his work on Ma'ariful-Qur'an, which sometimes lasted for hours.

In this manner he completed the translation of about 400 pages of the original Urdu book and 156 verses of Surah al-Baqarah, but unfortunately, his sudden demise discontinued this noble effort. Strangely enough, the last portion he translated was the commentary of the famous verse:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o ۱۵۶

And surely, We will test you with a bit of fear and hunger and loss in wealth and lives and fruits. And give good tidings to the patient who, when they suffer a calamity, say, "We certainly belong to Allah and to

Him we are bound to return"

(۲۶)

بعض حلقوں میں میرے مضمون کی اشاعت کے بعد یہ تاثر عام ہوگیا تھا کہ میں نعوذُ باللہ عسکری صاحب کے ایمان پر حملہ آور ہوا ہوں۔ مذہبی حسیت کے حامل بیشتر اہلِ قلم حسن عسکری کی نگارشات سے متاثر ہیں......اور بلاشبہ میں بھی ادنیٰ درجے میں ان کی خوشہ چینی کرنے میں پیش پیش رہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں نے پس نوشت کے ذیل میں چند معروضات کے ساتھ کچھ معلومات بھی فراہم کردی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تسامُح سے درگزر فرمائے (آمین)!

حوالے: ☆صبیح رحمانی، اردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت، اردو بازار، کراچی، پہلی اشاعت، جون ۲۰۱۶ء،

[۱]ص ۲۷۶......۲۔ص ۲۷۶ ...... ۳۔ص ۲۷۸ ...... ۴۔ص ۲۷۸ ......۵۔ص ۲۷۸......۹۔ص ۲۷۹......۱۰۔ایضاً ص ۲۸۰

......۱۱۔ص ۲۸۰......۱۵۔ص ۲۰۵......۱۶۔ص ۳۲۱ ۱۷۔ص ۲۳۴ ......۱۸۔ص ۴۱۴......۱۹۔ص ۳۴۸ ......

۲۰۔ص ۲۸۱...... ۲۱۔ایضاً ص ۲۸۲ ......۲۲۔ص ۲۸۳...... ۲۳۔ص ۲۸۶......۲۴۔ص ۲۸۶

☆مسدسِ حالی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون ۲۰۰۶ء، (۶) ص ۶۳ ......☆القرآن ۶:۴۱ (۷)......☆اردو لغت، ترقی اردو بورڈ، کراچی (۸)......☆صحیح بخاری، باب ۹۱۲، کتاب التفسیر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد دوم، ص ۱۰۷۵ (۱۲)

☆پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، جلد چہارم، ص ۴۴۶، (۱۴) ......☆محمد حسن عسکری، مجموعہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۴۳ (۲۵)

۲۶۔Maulana Mufti Muhammad Shafi,

Ma'Ariful Qur'an, Maktaba-e-Darul-Uloom, Karachi. Volume 1,edition 2019,

page xviii

مطبوعہ: سہ ماہی ''استعارہ'' لاہور، (محمد حسن عسکری نمبر)، مدیران: ڈاکٹر امجد طفیل، ریاظ احمد۔
۲۔نعت رنگ، 30، نومبر ۲۰۲۰ء

اردو نعت اور جدید اسالیب!

نویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی میں اردو کی پہلی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ☆ ☆ وجود میں آئی جس میں حمد کے بعد نعت کے اشعار بھی تھے۔ ان نعتیہ اشعار میں حضورِ اکرم ﷺ کے جمالِ صوری کا بیان ہے، آپ کی ذات کے تخلیقِ اول ہونے اور آپ کے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم کا ذکر ہے۔ نعت لکھنے کی یہ روش 1857ء تک برقرار رہی۔ لیکن 1857 کے آشوب کے بعد شاعروں کا طرزِ احساس بدلا اور حضورِ اکرم ﷺ کے اسوہء حسنہ کا ذکر شعری متن میں ڈھلنے لگا۔ حالی کے مسدس نے امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کا خاکہ پیش کیا اور بے عملی اور علم گریز رویئے کی نشاندہی کرتے ہوئے مسلم قوم کو لاحق امراض کی تشخیص کی۔ یہ مسدس سید احمد خان کی فرمائش پر 1879ء میں لکھا گیا تھا۔ اس مسدس کی اشاعت پر شعری تخلیقات کی شہرت کے تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ اس مسدس میں چند بند نعتیہ بھی تھے۔ جن کے باعث اس کو شہرتِ دوام نصیب ہوئی۔ آج بھی بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ ع وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا............کس کا کلام ہے۔

ناقدین نے اس مسدس کو جدید طرزِ احساس اور عصری حسیت کی عکاسی کے حوالے سے منفرد جانا اور اسی انفرادیت کے ذیل میں اس کی تعیینِ قدر (Evaluation) کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی اسلوبِ جدید کا ذکر کیا جاتا ہے اس مسدس کو اولیت دی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے اجتماعی لاشعور میں حضورِ اکرم ﷺ کا تصور ایک Archetype ہے۔ از روئے قرآن حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہماری پوری زندگی کے لیے نمونہ ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

''اِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰنُ......وہ تمام اخلاق و اوصافِ حمیدہ جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں آپ ﷺ میں بدرجہء اتم موجود تھے''۔

اب ذرا سوچیے کہ ہمارے پاس حضورِ اکرم ﷺ کی کوئی تصویر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کا تصور ماورائی ہے۔ محمد حسن عسکری نے اس نکتے کو واضح کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''فنی اظہار کامیاب اس وقت ہوتا ہے جب شاعر بذاتِ خود Archetype کو بیان کی قید میں لانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اس سے اپنا ایک شخصی اور ذاتی رشتہ قائم کرے اور اس رشتے کو اظہار کا موقع دے''۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر شعراء نے نعتیہ اشعار میں عجزِ اظہار ہی میں عافیت جانی۔ یا اپنی عقیدتوں کے نذرانے پیش کر کے نعت گو شعراء کی فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔

لیکن جن شعراء کو قرآنِ کریم اور احادیث و سیئر کی آگاہی میسر تھی انھوں نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذات و صفات کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے بیان بھی کیا ہے۔ مثلاً احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کے اشعار میں بڑی خوبصورتی سے Archetype کے بیان میں کامیابی حاصل کی ہے۔

نقطہء سرِّ وحدت پہ یکتا درود ۔۔۔ مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود ۔۔۔ حق تعالیٰ کی مِنَّت پہ لاکھوں سلام

حق تعالیٰ کی مِنَّت کہہ کر حضورِ اکرم ﷺ کا تعارف کروانے میں قرآنی تلمیح کا اشارہ ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ o

((یقیناً اللہ نے مومنوں پر انہی میں سے ایک رسول بھیج کر بڑا احسان فرمایا ہے (آلِ عمران ۳، آیت: ۱۶۴)۔ لیکن شعر کی خوبی یہ ہے کہ تلمیحی آگاہی کے بغیر بھی متن کی معنوی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ ۱۶۴

محسن کاکوروی نے نعت کہتے ہوئے شعری اسلوب اور عصری اظہاری رجحانات اور رویئے پیشِ نظر رکھے۔ انھوں نے لکھنوی شاعری کی مثبت کاری کے چلن کے بھرپور ادراک سے نعت کہی اور اسے ادبی آہنگ اور شعری حسن سے آراستہ کیا۔ نعتیہ شعری روایت کے مقابلے میں محسن نے جدید اسلوب کا سہارا لیا۔ لیکن تمام تر فنی مہارت کے باوجود وہ Archetype کے بیان میں اعتدال برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ حضورِ اکرم کے تعارف میں آپ ﷺ کو ......احمدِ بلا میم ......لکھ گئے:

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی ۔۔۔ بڑھا معلوم ہو لفظِ احد میں میم احمد کا

یا

وحدت کی ہوئی دوئی میں آمد ۔۔۔ مانند ِ احد میانِ احمد

عینیتِ غیر رب کو رب سے ۔۔۔ غیریتِ عین کو عرب سے

یہ متن پڑھنے میں اتنا اچھا لگتا ہے کہ محمد حسن عسکری مرحوم اس پر جھوم جھوم گئے اور اس عقیدے کی تردید کرنے والوں کو ''کٹھ ملاؤں'' کا خطاب دے دیا۔ عسکری مرحوم کے اس رویئے پر میں الگ سے لکھ رہا ہوں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ محسن کاکوروی بھی ادبی حسن سے معمور اشعار کہنے کے باوجود متن کو شرعی حدود میں نہ رکھ سکے۔

فلسفی، مصور، شاعر و ادیب کو ہر عہد میں عصری مسائل سے نمٹنے کے لیے فکر و فن کے نئے آفاق تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ شاعری ہی انسانی بقا اور تیقن کی فضا قائم کرنے میں سب سے زیادہ معاون ہوتی ہے۔ یہاں منطقی نہیں احساساتی ہالہ بنا کر جذبے کی تصویر کشی کی جاتی ہے اور خوب و زشت کے معیارات بڑی حسن کاری سے معرضِ اظہار میں لائے جاتے ہیں۔ برصغیر میں انگریزی استبداد کی باقیات نے مذہب بیزاری کا ماحول پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس سعیءِ نا مشکور میں حُبِّ نبی علیہ السلام کو کم کرنے کی مذموم کوششیں بھی ہوئیں۔ لیکن سعید روحوں نے نعتیہ ادب کی تخلیق سے شمعِ حُبِّ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو روشن رکھنے کی رسم جاری رکھی۔

تاہم اس ضمن میں ادبی اقدار کے انحراف کی مثالوں کی بہتات نے نعتیہ ادب کو بھی پنپنے نہیں دیا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ نعتیہ ادب میں ادبی خلوص کے ساتھ شعری جمالیات کا گہرا شعور رکھنے والے شعراء کی کمی محسوس کی جاتی رہی ہے۔ بیشتر نعت گو شعراء نے شاعری کی زبان کے استعمال اور اسلوبیاتی جمال پیدا کر کے متن پیش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ زبان کے ضمن میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی رائے لائقِ توجہ ہے جو کہتے ہیں:

''انسانی جذبات کے اظہار کے لیے موزوں ترین الفاظ کا ایسا استعمال جس نے شاعر کی قوتِ متخیلہ میں کچھ ایسی خوبی یا خوبیاں پیدا کر دی ہوں جو ایک عام انسان یا کسی علم کے ماہر کے یک سطحی Linear Expression کی بجائے شعری احساس سے کسی جہت کے اظہار کے لیے موزوں ترین الفاظ محسوس ہوں'' (مابعد جدیدیت، ص15)

جدید اسالیب کی دھنک ایسے شعراء کی تخلیقات میں نظر آتی ہے جو عصری فکری رَو، عصری

حسیت، عصری حیاتیاتی تقاضوں اور بدلتے ہوئے لسانی ڈھانچوں کے کامل ادراک کے ساتھ شعری زبان میں احساسات کی تجسیم کرسکیں۔ الحمدللہ! اس بے یقینی کے دور میں جب مابعد جدیدیت نے زندگی کے تمام مظاہر کو واہمہ یا چربہ قرار دیدیا ہے۔ جدلیاتی مادیت، جنس اور لاشعور کے نظریات، وجودیت، جوہر اور وجود، جبر و اختیار، تنہائی کا خوف، لایعنیت، جدیدیت کے تشخص کے مسائل ....ان تمام بحرانوں کے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو انسان کو اس کا اصل منصب بتانے کے لیے شعری زبان استعمال کررہے ہیں اور ان کے سامنے انسانی حیات کا ایک کامل و اکمل نمونہ مکمل شواہد کے ساتھ، خالص ادبی لہجے اور جمالیاتی اظہاری سانچوں میں پیش کررہے ہیں۔

نعتیہ ادب میں بھی عصری حسیت کے اظہاری عکس نظر آنے لگے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نعت ایک موضوعاتی صنفِ سخن ہونے کے باعث، کسی صنفی چوکھٹے میں محدود نہیں ہے۔ یہاں اصنافِ سخن کی ہیئت (Form) بدلنے سے بھی ایک طرزِ اظہار اور احساسات کا دائرہ بنتا ہے۔ جدید زندگی کی عکاسی اور عصری مسائل کی آگاہی سے بھی جذباتی تموج اور احساساتی گداز پیدا کیا جاتا ہے۔ اصنافِ سخن میں ہیئت کی تبدیلی سے زبان میں بھی غیر محسوس طور پر تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔

قصیدہ، مسدس، مثنوی، غزل، قطعہ، رباعی، ماہیہ، مثلث، ثلاثی، نظمِ آزاد، نثری شاعری، ہائکو، دوہا......نعتیہ شاعری کے لیے ہر صنف کے مزاج اور صفات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اظہاری جمال پیدا کیا جاسکتا ہے اور کیا بھی جارہا ہے۔

اقبال نے نعت کا عنوان قائم کیے بغیر بعض ایسے اشعار کہہ دیئے ہیں جو نعتیہ ادب میں جدید اسلوب کی بہترین مثال کے طور پر بھی پیش کیے جاسکتے ہیں اور جنھیں جدید اسلوب کی اولیات میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یسٓ وہی طٰہٰ
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جُنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ؐ سے مجھے — کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس قدر وسیع شعری وژن اس لیے پیدا ہوا کہ اقبال نے غیر عرب یعنی عجمی ملاوٹ سے پیدا ہونے والا مذہبی نظریہ رد کرکے صرف حضورِ اکرم ﷺ کی ذات پر نظر مرکوز رکھی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من — کہ بیک نگاہِ محمدؐ عربی گرفت حجاز

(ترجمہ: غیر عرب بتکدہ کی چمک دمک میرے سوز و گداز کو نہیں پہنچتی......یعنی غیر عربی یا غیر اسلامی تصورات و نظریات میری طبیعت کو راس نہیں ہیں۔ [کیوں کہ] میرے دل پر حضورِ اکرم ﷺ کی نگاہِ لطف و کرم کا اثر بہت گہرا ہوچکا ہے۔ گویا آپ کی تعلیمات کے ارتکاز کی وجہ سے میرا دل ہی حجاز بن گیا ہے)۔

ان مثالوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو نعت کو سنوارنے میں بعض شعراء نے جدید اسالیب میں اظہاری متن تخلیق کرکے کشش پیدا کی اور ان کے بعد جن جن شعراء نے ادبی خوبیوں سے مملو اظہاریے پیش کیے ان کی شاعری ادب نواز حلقوں میں نعتیہ ادب کی بہتر مثال کے طور پر قبول کی گئی۔

محمد ہادی حسین نے فن کی ماہیت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''فن ایک وسیلہء کشف ہے اور جمالیاتی استغراق خواہش اور عملی افادیت سے پاک ہونے کی بدولت حقیقت کے عرفان کا منبع ہوتا ہے''۔ (زبان اور شاعری، ص ۹۷)

اس نکتے کے ادراک کے ساتھ جن شعراء نے تخلیقی عمل میں کشفِ حقیقت کا اظہار کیا اور احساسات کی نقش گری کی وہ کامیاب ہوئے۔

آج کی نعت نگاری میں دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری پر حیرت و استعجاب کی کیفیت کا اظہار ابوالخیر کشفی مرحوم نے کس پیرائے میں کیا ہے، ملاحظہ ہو:

روشن ہے مرے خواب کی دنیا مرے آگے — تعبیر بنا گنبدِ خضریٰ مرے آگے
افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے — ہے خواب گہہِ شاہِ مدینہ مرے آگے

(نسبت، ص ۴۵)

یا قمر رعینی نے کہا:

قمر مدینے پہنچ کر مجھے ہوا محسوس — کہ روشنی کے جزیرے میں آگیا ہوں میں

قمر رعینی نے غالب کی زمین میں کیا خوبصورت متن تخلیق کیا ہے:

یادِ رسولِ پاکؐ مرے ساتھ ہوگئی　　میں سوچ ہی رہا تھا کوئی ہم سفر ملے

(ولائے رسول ﷺ، ص ۹۴)

ایک دو مثالوں سے میں نے اپنا موقف واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ موضوع بڑا وسیع ہے۔ میرا ارادہ ہے اردو نعت کے جدید اسالیب کی بھرپور نمائندگی کرنے والے اشعار کا ایک انتخاب پیش کروں۔ آج کی نشست میں اتنا ہی کافی ہے۔

....

﴿﴾ نویں عالمی اردو کانفرنس ۲۰۱۶ء، آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی، میں ۲ دسمبر ۲۰۱۶ء کے اجلاس بعنوان ''حمد و نعت اور ہماری ادبی روایت'' میں پیش کیا گیا۔

Archetype۔ (اصل نمونہ جس کی نقلیں بنائی [اتاری] جائیں۔ پہلا نمونہ۔ مکمل امتیازی [حیثیت کا حامل] اور مثالی نمونہ۔ انتہائی قدیم نمونہ۔ [نفسیات] تمام نوع بنی آدم کے قدیمی تجربات پر مبنی تصور یا علامت......ادب، مصوری یا قصہ کہانی میں مستقل طور پر بار بار رجوع کی جانے [یا ذکر میں آنے] والی علامت)

☆☆ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی تحقیق کے مطابق ''مثنوی چندائن'' کے مصنف ملا داؤد نے پہلی نعت، فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۸۱ھ مطابق ۱۳۷۹ء میں لکھی تھی۔ ''اردو شاعری میں نعت''۔

''برِ صغیر میں اردو نعت کا سفر اور ارتقاء''

نعتیہ شاعری کا آغاز حضورِ اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے ایک ہزار سال قبل ایک یمنی بادشاہ المعروف بہ ''تُبَّع حمیری'' کے ان اشعار سے ہوگیا تھا جو اس نے علمائے یہود کی طرف سے آمدِ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نوید سن کر کہے تھے۔ نعتیہ متن کا سفر عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو تک پہنچا۔ افسر صدیقی امروہوی اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق سن ۸۲۵ھ اور ۸۳۹ھ مطابق ۱۴۲۱ء اور ۱۴۳۵ء کے درمیان میں لکھی جانے والی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مصنف فخر دین نظامی نے اپنی شعری تخلیق میں نعتیہ اشعار لکھ کر اولیت کا اعزاز پایا۔ لیکن ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے اپنے تحقیقی مقالے بعنوان ''اردو شاعری میں نعت'' میں اولیت کا تاج ملا داؤد کے سر پر رکھا ہے جس نے اپنی ''مثنوی چندائن'' فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۸۱ھ مطابق ۱۳۷۹ء میں لکھی تھی۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی تصانیف میں حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کا متن زبان کے عہدِ طفلی ہی سے شامل رہا ہے۔

بعد ازاں جن شعراء نے کچھ نہ کچھ اشعار کہے ان کے کلام میں نعتیہ متن کی شمولیت کے آثار ملتے ہیں......مثلاً خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شاہ اشرف، سید اشرف بیابانی، خوب محمد چشتی، محمد قلی قطب شاہ، ملا وجہی، بُلاقی، عالم، احمد اور مختار کی شاعری میں نعتیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ معظم نے گیارھویں صدی ہجری میں معراج نامہ اور عالم نے ''وفات نامہ'' لکھا۔ بارہویں صدی ہجری میں اردو بہت صاف ہوگئی تھی، ولی گجراتی نے جو نعت لکھی وہ بڑی صاف زبان میں ہے۔ وہ کہتا ہے:

یا محمدؐ! دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں　　خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

کیا ملک کیا انس و جن، یہ جگ میں ہے کس کو سکت　　خط بنا تجھ مکھ کے جو تفسیرِ قرآنی کرے

بارہویں صدی ہجری کے سراج اورنگ آبادی نے بھی بڑی صاف اردو میں نعت کہی:

نام تیرا مطلعِ فہرست ہے دیوان کا　　ہے زباں کا ورد خاصا اور وظیفہ جان کا

یا محمدؐ! تجھ کرم سیں ہوں سدا امید وار — جلوہء ایمان دے اور بھید کہہ انسان کا

بارھویں صدی ہجری اور اٹھارھویں صدی عیسوی سے اردو کو بڑے بڑے نامی شعراء ملے۔جن میں سودا، میر تقی میر، خواجہ میر درد، شاہ ابدال پھلواروی، میر حسن۔ان کے کلام میں نعت کی نمود، زبان و بیان کی صفائی کی مظہر ہے۔سودا نے کہا:

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آبِ محمدؐ کا — جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحابِ محمدؐ کا

میر تقی میر نے مسدس نما اشعار میں نعت کہی:

روؤں ہوں شرمِ گنہ سے زارزار — بے عنایت کچھ نہیں اسلوبِ کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطرار — زیرِ لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمۃ ؐ للعالمینی یارسولؐ — ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

انیسوی صدی عیسوی میں مولوی محمد باقر آگاہ، شیخ قلندر بخش جراءت ،انشاءاللہ خاں انشاء، غلام ہمدانی مصحفی، رافت رامپوری، محمد اسماعیل شہید دہلوی، نظیر اکبر آبادی، سعادت یار خاں رنگین..........آپ کو سعادت یار خاں رنگین کا نعتیہ حوالے سے نام سن کر حیرت ہوئی ہوگی۔کیوں کہ وہ ریختی کے ضمن میں بڑے بدنام ہیں۔لیکن ڈاکٹر شمع افروز نے ایک مقالے میں ان کی نعت گوئی کا تعارف کروایا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

''حضرت کعب بن زہیرؓ کا قصیدۂ لامیہ موسومہ بہ ''بانت سعاد'' مذہبی و ادبی حلقوں میں یکساں اہمیت اور مقبولیت رکھتا ہے۔رنگینؔ نے قصیدہ بانت سعاد کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا''۔

پھر دیکھیے اسی عہد کے شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی، میر کرامت علی خاں شہیدی بریلوی، شاہ غمگین دہلوی، مومن خاں مومن، ذوق دہلوی، مولانا کافی مرادآبادی شہید، بہادر شاہ ظفر، بندہ شاہ چشتی، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی، حافظ پیلی بھیتی، انیس لکھنوی، دبیر لکھنوی، نصر پھلواروی، شہید امیٹھوی، قلق میرٹھی، مولانا قاسم نانوتوی، لطف بریلوی، نساخ عظیم آبادی، مولانا امداداللہ مہاجر مکی، مذاق میاں بدایونی، سرسید احمد خاں آہی اور بیان یزدانی وغیرہم کے نام بھی نعت گوئی کے حوالے سے تاریخِ ادب میں محفوظ ہیں۔غالب نے اردو میں کوئی نعت نہیں کہی لیکن اس کا ایک ہی شعر نعت کے متنی ترفع کے لحاظ سے بہت سے دواوین پر بھاری ہے۔وہ کہتا ہے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی ! — قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی

نعتیہ ادب کی تاریخ میں حالیؔ کا نام ان کے مسدس کی وجہ سے روشن ہے جس میں......

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

جیسے چند مصرعے لکھ کر انھوں نے نعت میں جدید متن کی داغ بیل ڈالی۔ان سے قبل نعت گو شعراء کا رجحان حضورِ اکرم ﷺ کے حسنِ صوری کی تعریف یا اپنے جذبہء حبِ نبی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم کے اظہار کی متنی بنت پر مبنی تھا۔حالی نے نبیء کریم ﷺ کے اُن عملی اقدامات کی عکاسی کی جن سے امت کو معاشرتی ماحول میں خیر پھیلانے کی ترغیب ملی اور اتباعِ نبوی کی صورت میں انسانیت کی خدمت کا عملی نمونہ ملا۔

حالی کے بعد نعت میں اختصاصی شان سے نمودار ہونے والے امیر مینائی لکھنوی، محسن کاکوروی، احمد رضا خاں بریلوی، علامہ شبلی نعمانی، حسن رضا خاں بریلوی کے نام آتے ہیں جن کی شہرت ہی نعت کے حوالے سے ہوئی۔محسن نے نعتیہ متن کی بنت میں خالص ادبی شان اور اسلوب میں نرالی آن بان پیدا کی۔احمد رضا خاں بریلوی نے نعت میں وہ شعری پیکر تراشے جن کی چمک دمک سے آج بھی دلوں میں عشقِ نبوی کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔ان کے کلام میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ پڑھے جانے والا کلام ''سلامِ رضا''......

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام......شمعِ بزمِ ھدایت پہ لاکھوں سلام

کو آفاق گیر مقبولیت حاصل ہوئی۔

علامہ اقبال نے باقاعدہ نعت کے عنوان سے اشعار نہیں کہے لیکن ان کے اردو کلام میں جا بجا نعتیہ متن ضوریز ہے اور فارسی کلام کا بیشتر حصہ مدحتِ سرکارِ دو عالم کی روشنی سے مستنیر ہے۔ان کے چند اردو اشعار زباں زدِ خاص و عام ہیں......مثلاً

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے — کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبدِ آبگینہ رنگ ، تیرے محیط میں حباب

اسی طرح ان کے فارسی کلام میں یہ اشعار حقیقتِ محمدیہ کا معنوی عکس لیے ہوئے ہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اور را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

(اے مخاطب: جہاں کہیں بھی رنگ وبو کا جہان دیکھتا ہے۔ہر وہ جہان جس کی خاک سے آرزو پھوٹتی

ہے یعنی جس کی اشیا میں کمال کو پہنچنے کی آرزو ہے۔ یا تو اس کی قیمت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نور کے سبب سے ہے۔ یا پھر وہ ابھی نورِ مصطفیٰ ﷺ کی تلاش میں ہے)۔شعر کی معنوی جہتیں بہت ہیں لیکن فی الحال صرف ترجمے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کرہ ءارض پر، پاکستان کا وجود، مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا عکس ہے۔ کیوں کہ اس کا خواب دیکھنے والوں نے اسے اسی طرح اپنے تصورات کا حصہ بنایا تھا۔لیکن عملی طور پر پاکستان کو مدینے کی ریاست بنانے کا خواب تا حال پورا نہیں ہوسکا ہے۔ پاکستان میں بیشتر شعراء و ادباء کی تخلیقی صلاحیتیں لادینی ادب تخلیق کرنے میں صرف ہوتی رہی ہیں۔ایک ایسا عہد بھی گزرا ہے کہ نعت کی تخلیق شعراء کے لیے باعثِ عار تھی۔ یہاں تک کہ فیض جیسے مقبول اور دینی پس منظر رکھنے والے شاعر کے ہاں نعت نہیں ملتی۔ یہ اور بات کہ فیض صاحب نے ایک مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کو اپنی عام شاعری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کئی اشعار کا متن غور سے پڑھا جائے تو نعتیہ متن ہی سمجھا جائے گا۔انھوں نے اپنے اس شعر کا حوالہ دیا:

”شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ   جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں“

فیض صاحب سے بات کر کے کشفی صاحب تو مطمئن ہو گئے تھے لیکن راقم الحروف کی نظر میں ”جگر کے داغ“ کا حضورِ اکرم ﷺ کی محفل سے انتساب مناسب نہیں ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ اکرم تو سراپا رحمت ہیں اُن ﷺ کی محفل میں تو جگر کے داغ مٹائے جاتے ہیں۔زخموں کے لیے نگاہِ لطف و کرم کا مرہم فراہم کیا جاتا ہے۔ وہاں داغ نہیں ملتے ، داغوں کا مداوا کیا جاتا ہے☆☆۔ ہاں البتہ راقم الحروف نے ان کے ایک شعر میں نعتیہ متن کی چمک ضرور دیکھی ہے اور اسے اپنی تحریروں میں پیش بھی کیا ہے۔فیض صاحب کا شعر ہے:..................

تمھاری ہر نظر سے منسلک ہے رشتہءہستی   مگر یہ دُور کی باتیں کوئی نادان کیا سمجھے

بات ہو رہی تھی پاکستان میں نعت گوئی کی۔تو ابتدائی دور میں مذہب بیزار ادب کی تخلیقی رَو اپنی جگہ رہی لیکن پاکستان کی تخلیق کے مقصد سے جڑے ہوئے لوگوں نے اسلامی ادب کی خوب خوب آبیاری کی جس میں نعت کا درجہ ہمیشہ بلند رہا۔ یہاں حفیظ جالندھری،ظفر علی خاں،منور بدایونی، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، محشر بدایونی، حافظ مظہر الدین، سرو سہارن پوری ، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، خالد احمد، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی ، فدا خالدی دہلوی، ریاض مجید، بشیر حسین ناظم، پیر نصیر

الدین گولڑوی، قمر وارثی سے لے کر صبیح رحمانی تک بے شمار نام ایسے ہیں جن کا نام لیے بغیر تاریخِ نعت گوئی کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی..........دامنِ وقت تنگ ہے اس لیے مثالوں سے گریز کرنے ہی میں عافیت ہے۔

اب میں اپنے مزاج سے ہم آہنگ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارا عہد نعت کا عہد ہے۔اس لیے کہ اس عہد میں شعری تخلیقات کی شرح میں نعتیہ متن ہی سرِ فہرست ہے۔لیکن تخلیقی دھوم دھام میں، کہیں کہیں، موضوع کی نزاکت بھی مجروح ہوتی دکھائی دیتی ہے۔اس لیے اہلِ نقد و نظر کا فرض ہے کہ اس کوچے میں داخل ہونے والوں کو میر کے لہجے میں کہیں:...................

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام   آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

راقم الحروف نے ۱۹۸۱ء میں ایک نعتیہ انتخاب بعنوان ”جواہر النعت“ شائع کیا تھا جس کے مقدمے میں متنِ نعت کی نزاکتوں کے حوالے سے کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقدمے کے مافیہ (Content) کا تا حال تسلسل جاری ہے اور ایسے اشعار کو نشان زد کرنا میری تحریروں کا جُزوِ لَایَنفَک بن گیا ہے جن میں مدحِ مصطفےٰ ﷺ میں اظہاری بے احتیاطی کا عنصر پایا جاتا ہو۔ سورۂ البقرۃ کی آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

”یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط“......

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، راعنا نہ کہا کرو، بل کہ اُنظُرْ نا کہو، اور توجہ سے بات کو سنو!)

حضرت کعبؓ بن زُہیر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں ”بانت سعادُ“ کے عنوان سے قصیدہ پیش کیا۔ ایک جگہ آپ ﷺ کو ہندی تلواروں میں سے برہنہ تلوار کی تشبیہ دی تو آپ ﷺ نے، کسی ملک سے اپنی نسبت کو پسند نہیں فرمایا۔انہیں اصلاح دیتے ہوئے فرمایا ”سیفِ من سیوف اللہ“ کہو۔

قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ سے ذو معنی الفاظ کی ممانعت اور حضورِ اکرم ﷺ کی اصلاح کی روشنی میں آپ ﷺ کو اللہ کی تلوار قرار دینے کے اشاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری میں تنقیدی شعور کی بنیاد، اسلام میں، شروع ہی سے رکھ دی گئی ہے۔اس لیے شعراء کو نعتیہ متن تخلیق کرتے ہوئے بہت محتاط رہنا چاہیے۔افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں نعت گوئی کا ذوق و شوق تو بہت نمایاں ہوا اور ہو رہا ہے لیکن اس نازک فن اور مقدس صنفِ سخن کی تخلیق میں تنقیدی شعور کا فقدان

ہے۔اس جانب توجہ مبذول کروانے والے مخلص ناقدین کی صدا نقار خانے میں کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے نقدِ سخنِ نعت کی روش اپنائی ہے۔نعت کی تنقید کے لیے میں نے پہلے پہل تشریعی تنقید (Judicial/Legislative Criticism) کا پیمانہ اپنایا کیوں کہ نبی کریم کی ذاتِ والا صفات ''افصح العرب'' یعنی عربوں میں بھی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان جاننے، برتنے اور سکھانے والی ہے۔عرب تو اپنے علاوہ پوری دنیا کو ''عجمی'' یعنی گونگا کہتے ہیں۔ایسی صورت میں عجمی زبانوں میں شعر کہنے والوں کو کم از کم اپنی زبانوں ہی کے اعلیٰ معیارات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے تو اس ذیل میں شعراء کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کو دی جانے والی اصلاح کی روشنی میں شاعری کے ''متن'' کی اصلاح بھی ضروری ٹھہرتی ہے اس لیے۔یہاں ''متنی تنقید'' (Textual Ceriticism) کا سہارا لینا بھی ضروری ہے۔واضح رہے کہ متنی تنقید سے میری مراد اصلاحِ متن کی معنوی جہت ہے۔تحقیقی جہت نہیں۔اس کی مثال عرض کیے دیتا ہوں:

محمد عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے — تمھارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے

یہ شعر واقعاتی سطح پر بھی غلط ہے اور اس شعر کا متن بھی لائقِ اصلاح ہے کیوں کہ شاعر نے معراج کے موقع پر تصوراتی طور پر انسانی میل جول والی منظر کشی کی ہے اور دوسرا مصرع پورا کا پورا خالقِ کائنات سے منسوب کر دیا ہے۔

متن کی اصلاح میں لغوی طور پر لفظوں کے استعمال کی طرف بھی توجہ مبذول کروانی پڑتی ہے۔مثلاً

عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی ؐ کا روضہ — ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی ؐ کا روضہ

اس شعر میں نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے لفظ ''میٹھے'' کا استعمال کیا گیا ہے۔یہ لفظ بے جان اشیا کے لیے بولنا درست اور انسانوں کے لیے بولنا انتہائی مذموم ہے۔کیوں کہ اس کے معانی میں منفی پہلو بہت زیادہ ہیں۔میں دل پر پتھر رکھ کے اس لفظ کے لغوی معنی عرض کر رہا ہوں۔فرہنگِ آصفیہ میں ہے......میٹھا:ا۔(کنایۃً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان منتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا۔علاوہ ازیں لغات میں میٹھا ٹھگ اور میٹھی چھری بھی اسی لفظ کے ذیل میں لکھا ہے۔اس لیے قرآنِ کریم کی لفظ راعنا ترک کرنے والی ھدایت کی روشنی میں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے ''میٹھا یا میٹھے'' نبی کہنا انتہائی درجہ قابلِ مواخذہ ہے۔اس لفظ میں اگر کچھ مثبت معنی بھی ہیں تب بھی اس کی ذو

معنویت اسے لائقِ ترک بنا رہی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا......

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار (:جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا......متفق علیہ)...... **کفی بالمرء کذباً ان بحدث بکل ما سمع .** (کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے)۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ لازم ہے کہ جو بات، جو واقعہ، جو تاثر نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات سے منسوب کیا جائے وہ ہر اعتبار سے معیارِ صداقت پر پورا اترنے والا ہو۔

سرکار ؐ کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی — سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقاؐ نے عزت بچالی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی

ہے تو بھی صائمؔ عجیب انساں کہ روزِ محشر سے ہے ہراساں
ارے تو جن کی ہے نعت پڑھتا وہی تو لیں گے حساب تیرا

دفن کر کے جب مرے احباب چلدیئے — آقا ﷺ آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ

یہ سر اٹھائے جو میں جارہا ہوں جانبِ خلد — مرے لیے مرے آقاؐ نے بات کی ہوئی ہے

یہ تمام اشعار صداقت کے معیار پر پورے نہیں اترتے ہیں۔پہلے شعر میں مہرِ نبوت کو جبینِ مصطفیٰ ﷺ پر بتایا ہے جو غلط ہے۔دوسرے اشعار میں حیاتِ مابعد کا ذکر ایسے کیا گیا ہے جیسے وہ واقعات وقوع پذیر ہو گئے ہوں عام غزل میں تو شاید یہ اظہار بھلا لگے، لیکن نعت میں قابلِ گرفت ہے کیوں کہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ہر شاعر قبر، حشر اور قیامت کا ذکر ایسے کر رہا ہے جیسے وہ ان احوال سے گزر گیا ہے۔یہ انتہائی درجہ تصوراتی بیان ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔پھر جس شاعر نے قیامت میں حساب کتاب کی ذمہ داری حضورِ اکرم ﷺ کے سپرد کی ہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی پہلی سورت کی تیسری آیت ہی میں خود کو مٰلکِ یوم الدین کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے۔اگر کسی کو اتنا علم بھی نہیں ہے یا وہ علم ہوتے ہوئے بھی اس حقیقت کو

نظر انداز کرتا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ شاعر کی لغزش معاف فرمائے۔

درج بالا اشعار میری متعدد تحریروں میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ان اشعار کا بار بار ذکر کرنا مجھے بھی کچھ اچھا نہیں لگتا ہے لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ حیاتِ بعد الموت کے حوالے سے یہی اشعار میرے موقف کی وضاحت کے لیے زیادہ موزوں لگتے ہیں۔

برسبیلِ تذکرہ عرض ہے کہ نعتیہ متن کی بُنت میں اقبال جیسے نابغہء روزگار شاعر نے بھی پہلے پہل بڑی ٹھوکر کھائی تھی۔انھوں نے لکھا تھا:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر ☆ وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

(ڈاکٹر صابر کلوروی، کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۲)

اس شعر میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نامِ نامی ''احمد'' سے میم جدا کر کے ''احد'' بنانے کی طرف اشارہ ہے۔جو یقیناً شرعی طور پر قابلِ گرفت ہے۔صوفیانہ ادب میں ایسے ''سُکر آمیز'' اشعار اکثر مل جاتے ہیں۔لیکن اقبال نے، یہ اور ایسے تمام اشعار جو شریعت سے متصادم تھے، اپنی زندگی میں کسی مجموعے میں شامل نہیں کیے۔

میں نے نعتیہ مجموعوں میں بہت سے قابلِ گرفت اشعار دیکھے اور متعدد اشعار کے حوالے سے اپنی رائے دیدی ہے۔یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔صرف اتنا سمجھ لیجیے کہ مدینہ منورہ کے لیے لفظ ''یثرب'' لکھنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''کبریا'' کا استعمال مناسب نہیں ہے۔اس لیے کے یثرب کے معنی میں منفی پہلو ہے اور ''کبریا'' صرف صفت ہے، صفاتی اسم نہیں ہے۔قرآنِ کریم میں سورۂ یونس کی آیت ۷۸ اور سورۂ جاثیہ کی آیت ۳۷ میں یہ لفظ محض بڑائی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔''کبریا'' کا لفظ میر کی شاعری میں بالکل صحیح طور پر استعمال ہوا ہے

میر ناچیز مشتِ خاک اللہ　　ان نے یہ کبریا کہاں پائی

مطالعات کا سفر جاری ہے۔اب تنقیدی مَناہج بھی متنوع ہوتے جا رہے ہیں ان میں بھی میں نے کچھ پیش رفت کی ہے لیکن نئے ناقدین بھی میدان میں آ گئے ہیں جو مختلف تنقیدی حربے استعمال کر کے نعتیہ ادب میں نقدِ فن و سخن کی نئی روایت قائم کر رہے ہیں۔جو لوگ نعت کو تنقید سے بالاتر سمجھتے تھے انھوں نے بھی اب یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ نعتیہ ادب میں اظہاری زاویوں کی پرکھ کا کام ضروری ہے۔مجھے یقین ہے کہ تنقیدی بصیرت کی روشنی میں نعتیہ شاعری کرنے والا ہر شاعر بجا طور

پر اقبال کی لے سے لے ملا کر کہہ سکتا ہے:

مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز　　جہاں میں ہوں میں مثالِ سحاب دریا پاش

(کلیاتِ اقبال، اردو، ص ۲۳۸)

بدھ: ۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق: ۲۸؍ اکتوبر ۲۰۲۰ء

☆☆ فیض احمد فیض کے شعر پر میرا اعتراض بعض حضرات کو ''جگر کے داغ'' کے حوالے سے توجیہات اور تاویلات پیش کرنے پر اُکسانے لگا ہے۔میں ان کے استدلال کو احترام کی نگاہ سے دیکھنے کے باوجود اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ بالقصد نعت کہنا اور ہے اور غزل کے کسی شعر میں نعتیہ آہنگ تلاش کرنا اور۔ادب کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ غزل کہنے کے موڈ میں ہر شعر معنیاتی اکائی یا منفرد نقش بناتا ہے لیکن بعض غزلوں میں شاعر کے موڈ کا اثر مطلع سے مقطعے تک یکساں رہتا ہے اور تمام اشعار کو معنیاتی لڑی میں پرویا بھی جا سکتا ہے۔فیض احمد فیض کی یہ غزل بھی مجازی معنیاتی منظر نامے سے الگ نہیں ہے۔اس لیے ان کا مذکورہ شعر بھی مجازی معنی ہی میں محسوب ہوگا۔پوری غزل ملاحظہ ہو:

سب قتل ہو کے تیرے مقابل سے آئے ہیں　　ہم لوگ سرخرو ہیں کہ منزل سے آئے ہیں

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ　　جتنے چراغ ہیں، تری محفل سے آئے ہیں

اُٹھ کر تو آ گئے ہیں تری بزم سے مگر　　کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

ہر اک قدم اجل تھا، ہر اک گام زندگی　　ہم گھوم پھر کے کوچہء قاتل سے آئے ہیں

بادِ خزاں کا شکر کرو، فیضؔ، جس کے ہاتھ　　نامے کسی بہار شمائل سے آئے ہیں

(زنداں نامہ، ص ۴۶، نسخہ ہائے وفا، ص ۲۳۶)

اس پوری غزل میں سارے علائم مجازی محبوب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ان میں تقدیسی پہلو تلاش کرنا، میرے نزدیک، کارِ عبث ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں نے فیض کے مذکورہ شعر کو نعتیہ متن تسلیم کرنے سے انکار کیا اور دوسرا شعر پیش کر کے اس میں معنوی تلازُم کے باعث اسے نعتیہ متن کا حامل کہا۔خوش قسمتی سے مجھے فیض ہی کا ایک اور شعر بالکل نعتیہ متن کا عکاس محسوس ہوا، سو وہ پیشِ خدمت

ہے:

ملتا ہے خراج اس کوتری نانِ جویں سے　　　ہر بادشہِ وقت ترے در کا گدا ہے

(شامِ شہر یاراں، ص۹۴، نسخہ ہائے وفا، ص ۵۶۸)

....

یہ مقالہ شمالی امریکہ میں ''ذکرِ خیرالبشرﷺ'' کے عنوان سے ہونے والی کانفرنس (منعقدہ اتوار: ۱۴ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق: یکم نومبر ۲۰۲۰ء) میں پڑھا گیا۔

....

جدید اردو نعت: موضوعات ومسائل

جدید یا جدیدیت کا لفظ عام طور سے زمانہء قدیم کے متضاد معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں جدیدیت کی حد بندی، جوائس کی ''یولی سیز'' (Ulysses) اور ٹی ایس ایلیٹ کی معروف نظم The Waste Land کے زمانہء تصنیف سے بھی کی جاتی رہی ہے۔ ویسٹ لینڈ کی تخلیق وتکمیل 1922ء میں ہوئی تھی۔

اردو ادب کے حوالے سے نظیر صدیقی نے لکھا تھا:

''جدیدیت کی خصوصیات کو تحدید وتعیین کی گرفت میں لانا آسان نہیں۔ البتہ مبہم اور مجموعی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ غزل میں جدیدیت، زبان، بیان، لہجہ، موضوع، اندازِ فکر و طرزِ احساس اور زندگی کی طرف روایتی رویے میں تبدیلی سے عبارت ہے اور یہ تبدیلی جس قدر واضح شکل میں غالب کے یہاں نظر آتی ہے اتنی ان سے پہلے کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتی'' (نظیر صدیقی، جدید اردو غزل، ص۱۰)

اس سے ظاہر ہوا کہ اردو ادب میں جدیدیت کا رجحان 1857ء کی جنگِ آزادی سے کچھ عرصہ قبل اور بعد کے زمانے سے شروع ہوا، جب کہ جدید اردو نعت کا نقطہء آغاز حالی کے وہ اشعار ٹھہرے جو انھوں نے اپنے مسدس میں لکھے ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

ان اشعار میں نبیء کریمﷺ کے بشری اوصافِ حمیدہ کا ذکر تھا۔ مسدس کے اس بند میں حالی نے رسولِ اکرمﷺ کی سیرت کا وہ پہلو اجاگر کیا تھا جس کی گواہی ام المومنین حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نزولِ وحی کی ابتداء میں دی تھی ☆☆

نعتیہ متن کی بُنت کے حوالے سے دو واضح رجحانات کی نشاندہی کرنا ضروری ہے:

(۱) حضورﷺ کی نوری جہت۔ (۲) حضورِ اکرمﷺ کی نبوی یعنی بشری جہت......ان دونوں جہتوں کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے...... نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تعلق مع اللہ!......اور آپﷺ کا تعلق (۲) مع الخلق............

پہلی جہت میں نبی علیہ السلام کی ذات کا ذکر لازمی ٹھہرتا ہے۔ اور دوسری جہت میں نبیﷺ کی صفات

،آپ کا اسوہ ءمبارکہ، آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس طرح نعت کے موضوعات کی تعیین ان ہی دو جہتوں سے ہو جاتی ہے۔محمد حسن عسکری نے نعتیہ ادب کی تنقیدی صورت گری کرتے ہوئے ابتداء ہی میں ان دو،رجحانات کی طرف اشارہ کر دیا تھا............اور آج بھی یہی دو فکری زاویے نعت کے موضوعات کی رنگا رنگی اور بو قلمونی میں نظر آتے ہیں۔

موضوعات:

نعتیہ شعری متن کے موضوعاتی منظر نامے کو دیکھیں تو اس کی وسعتوں کا ادراک صدیوں قبل کی نعتیہ شاعری کے سرسری مطالعے ہی سے ہو جاتا ہے۔امام شرف الدین بوصیری نے ۶۶۰ ھ میں اپنا مشہور و مقبول قصیدہ ،قصیدۂ بردہ لکھا تھا۔وہ فرماتے ہیں:

وَالنَّفُسُ کَا لطِّفُلِ اِنُ تُھُمِلُہُ شَبَّ عَلٰی حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنُ تَفُطِمُہُ یَنُفَطِمِ

یعنی نفس کی مثال دودھ پینے والے بچے کی سی ہے جس کا دودھ چھڑایا نہ جائے تو وہ کبھی بھی دودھ نہ چھوڑے گا۔

ایسے ہی کچھ اشعار احمد رضا بریلویؒ کے ہاں بھی ملتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کے نبی سے فریاد ہے نفس کی بدی سے
دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی لاج آئی نہ ذروں کی ہنسی سے
ایمان پہ موت بہتر او نفس تیری ناپاک زندگی سے

اس نعت میں کل اُنیس اشعار ہیں اور تمام اشعار روایتی نعت سے جدا رنگ کے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعتیہ متن کی بُنت میں......راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں

نعتیہ متون کی تکثیر کا عمل بڑھتے بڑھتے عصری شعور کی گرفت میں بھی آیا اور حالی کا استغاثہ ہی اس کا سر نامہ بنا جس میں کہا گیا تھا:

اے خاصہء خاصانِ رُسُل وقتِ دعا ہے امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

(مسدسِ حالی ، صدی ایڈیشن ، مرتبہ: ڈاکٹر سید عابد حسین، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون ۲۰۰۶ء،ص ۱۴۸)

عصری حسیت کے اظہاری نقوش میں بقول اقبال، بھٹکے ہوئے آہو کو،سوئے حرم لے جانے کی

آرزو منعکس ہونے لگی اور نعت کا کینوا اس طرح کے ترغیبی مضامین تک پھیلنے لگا جن کا نمونہ ’’جوابِ شکوہ‘‘ کے اس متن میں موجود ہے:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا ؟لوح وقلم تیرے ہیں

یعنی فکری،عملی اور تمدنی وتہذیبی اقدار کی بازیافت کے لیے،زندگی کے ہر مرحلے پر اپنا رخ ’’سوئے حرم‘‘ کر دینے کی ترغیب دینا،نعتیہ متن کا طرۂ امتیاز ٹھہرا۔مزید برآں......آج،دنیا میں دینِ اسلام کی اَصلح اقدار کو نعوذ باللہ مکروہ (Ugly) بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات پر الزامات لگائے جا رہے ہیں،مضحکہ خیز خاکے بنائے جا رہے ہیں اور منظّم سازش کے تحت آپ ﷺ کے اسوہ ءمبارک کی روشنی کو مدھم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔اقبال کی نظم ’’ابلیس کی مجلسِ شوریٰ‘‘ میں ابلیس کی زبانی جس خوف کا اظہار ہوا تھا کہ

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

وہی خوف (کہیں اسلام کی روشنی ظلمتِ الحاد کو ختم نہ کر دے!) آج IIslamophobia کی صورت میں غیر مسلم دنیا پر مسلط ہے اور وہ آئے دن اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ساتھ ہی عہدِ حاضر میں اسلامی دنیا کو مسیلمہ کذاب کے چیلوں اور ان کے پیرو کاروں کی طرف سے ویسے ہی حالات کا سامنا ہے جیسے حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو درپیش تھے۔اس لیے حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جھلکیاں،شعری پیکر میں نمایاں کرنے کے لیے شعری بوطیقا (Poetics) کی بازیافت۔عشقِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شمع کی لو تیز کرنا۔اور زبانی دعوؤں کے بجائے عملی اقدامات کی طرف متوجہ کرنا۔اسلام کی حرکی (Dynamic) جہت کا عملی مظاہرہ کرنے کی طرف متوجہ کرنا۔یہ تمام موضوعات نعتیہ شاعری میں ڈھلتے رہے ہیں۔ختمِ نبوت کے منطقی دلائل کا تخلیقی زبان میں بیان اور حضورِ اکرم ﷺ کے اخلاقِ جلیلہ اور اسوۂ حسنہ کی سچی تصویر کشی ضروری ہے۔

انسانی زندگی کی پاکیزہ اقدار کی تجسیم کے لیے صرف اسوہ ءرسولِ کریم ﷺ اور فلاحِ بنی آدم کے لیے صرف اور صرف آپ ﷺ کا لایا ہو نسخہء کیمیا،لازمی ہے،جو آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد ہی انسان کو میسر آیا۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ انسانی اقدار کا شعور روئے زمین پر سب سے پہلے صرف مسلمان معاشرے کا طرۂ امتیاز بنا۔وقار اجمیری نے کیا خوب کہا ہے:

جدا اک اپنا نظامِ شعور رکھتے ہیں خدا کے چاہنے والے نبیؐ کے دیوانے

دنیائے اسلام میں جہاد کا احیاء ہونے لگا تو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں پر عرصہء حیات تنگ کر دیا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ''نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی ظاہر کی جائے۔ چناں چہ رحمٰن کیانی نے یہ فریضہ انجام دیا۔ ان کے کلام میں نبیء کریم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کا تصور ''غزوات کے سرور صلی اللہ علیہ وسلم'' کا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

جب بھی سپاہیوں سے پیمبرؐ کو پوچھیے — خندق کا ذکر کیجیے، خیبر کو پوچھیے
بدر و اُحد کے قائدِ لشکر کو پوچھیے — یا غزوہء تبوک کے سرور کو پوچھیے
ہم کو حنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں — ہم امتیء بانیء رسمِ جہاد ہیں
رسمِ جہاد، حق کی اقامت کے واسطے — کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیر و فلاح و امن و عدالت کے واسطے — خیر الممات مرگِ شہادت کے واسطے

لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم، جھوم جھوم کے
پیتے ہی جامِ مرگ کو بھی، چوم چوم کے (اذان، ص۲۹)

آج بھی دنیا کو یہ باور کروانے کی ضرورت ہے کہ خیر پھیلانے اور شر کو مٹانے کا واحد ذریعہ جہاد ہے۔

اسی طرح عہدِ حاضر میں مسلمانوں کو بالعموم اور دیگر اقوام کو بالخصوص انسانی قدروں کے زوال کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی کے علاج کی ضرورت ہے۔ یہ کام اچھی اور اعلیٰ اقدار کی عکاس شاعری ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ محض حبِّ رسول کے، بلا دلیل، دعوؤں سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ نعت نگاری کے عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اچھی شاعری کے نمونے پیشِ نظر رکھنے اور فکر و خیال وفنّ و ہنر کے چراغ روشن کرنے ضروری ہیں۔ دیکھیے عبدالعزیز خالد نے انسانی اقدار کے زوال کا نقشہ کھینچنے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کس اسلوب میں استغاثہ پیش کیا ہے:

بنی آدم میں عداوت کا سبب کیا ہے کہ جب — نفسِ واحد سے کیا ان کو خدا نے پیدا؟
بسکہ دشوار ہے پہچان کھرے کھوٹے کی — دم نہ لینے دے اسے کش مکشِ بیم و رجا
ان سوالوں میں گھری رہتی ہے امت تیری — کیسے بدلے ہوئے حالات سے ہو عہدہ برا؟
مانگے خیراتِ نظر چشمِ زمانہ تجھ سے — سامنے قعرِ ہلاکت ہے پکڑ ہاتھ اس کا

نعت نگاری کے لیے بھی وہ تمام ادبی خوبیاں پیشِ نظر رکھنی ضروری ہیں جو آفاقی قدر کے حامل ادب میں پائی جاتی ہیں۔ شاعری اگر احساسات کی زبان ہے تو اس میں شاعر کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہونا

چاہیے۔ نعت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار، صداقت اور لطافت کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

مسائل:

نعت نگاری اور اس پر تنقیدی نظر ڈالنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے تو تخلیق کار اور تنقید نگار کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نعتیہ شاعری کا ایک پہلو تو ادبی ہے جس کا اظہار لکھت (Writing) میں ہوتا ہے۔ نعتیہ متن کی تخلیقی سرگرمیوں میں بیشتر شعراء کا ذاتی تداخل (Deep Personal involvement) کم کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر کو صرف موضوع کی تقدیس کے حوالے ہی سے داد مل جاتی ہے۔

اس صنفِ شریف کا دوسرا، اہم پہلو یہ ہے کہ یہ شاعری عوامی اجتماعات میں لحن کے ساتھ بھی پیش کی جاتی ہے۔ عوامی اجتماعات میں ایسا کلام پیش کیا جاتا ہے جو سہل بھی ہو اور عوامی مزاج سے مناسبت بھی رکھتا ہو............ یہ کام نعت خواں کرتے ہیں۔ نعت خوانوں میں اعلیٰ علمی استعداد رکھنے والے بھی ہیں اور معمولی پڑھے لکھے بھی۔ لیکن عوامی مزاج اور سستی جذباتیت پیدا کرنے کے لیے زیادہ تر نعت خواں نعتیہ متن کی عظمت کو پیشِ نظر نہیں رکھ پاتے ہیں۔ بیشتر نعت خوانوں کے پیشِ نظر تجارتی (Commercial) مقاصد ہوتے ہیں۔ فی زمانہ یہ مقاصد کچھ زیادہ ہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس لیے عوامی اجتماعات میں نعتیہ شاعری میں شعریت اور شریعت کا اکثر خون ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کی متنی اور اسلوبی اصلاح کے لیے کچھ اہلِ درد نے متونِ نعت کو نقد کی کسوٹی پر پرکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن نعتیہ ادب میں تنقید کو رواج دینے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں شعراء کو اپنے اپنے مسلک اور اپنے اپنے عقیدے کی چھتری مُیسر ہے۔ اس لیے بیشتر ناقدین کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے۔ مستند شعراء کے اسلوب میں لفظیات کی کشش تو ہوتی ہے لیکن متن میں تلمیحاتی، تاریخی اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے الفاظ میں بڑی بھیانک متنی اغلاط دیکھی جاتی ہیں۔ آج کل طباعت کی سہولتوں کے باعث، معمولی سے معمولی شاعری کرنے پر قادر شعراء اپنا نعتیہ کلام کتابی شکل میں لا رہے ہیں جن میں بہت سی موضوع روایات اور من مانے متن غیر شاعرانہ اسالیب میں ڈھل رہے ہیں۔ راقم الحروف نے Recognized یا مستند شعراء اور تُک بند شعراء کے ہاں شریعت اور صداقت سے متصادم متون دیکھے اور ان پر قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے۔

واقعاتِ معراج ،عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی واردات ،بعدِ موت اور حشر میں پیش آنے والے خیالی احوال (جب کہ ابھی ان احوال کا شاعر پر طاری ہونا محال ہے)،تلمیحاتی اشاروں کا من مانا اظہار، زبان کا غیر محتاط استعمال، ایسے ذو معنی الفاظ کا استعمال جن میں مثبت اور منفی دونوں طرح کے معنی پائے جاتے ہوں ۔اس طرح کے بے شمار موضوعات ہیں جن میں عوامی سطح کے تک بند شعراء کا تو ذکر ہی کیا ہے Recognized شعراء کے ہاں بھی بڑی بھیانک بے احتیاطیاں دیکھنے میں آتی ہیں ۔اس لیے جہاں تک نعتیہ ادب کے مسائل کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابھی اس میدان میں فکری اور فنی خوبیوں کی ترغیب دینے اور اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ کرنے کی بہت زیادہ گنجائش ہے ۔ان مسائل کی طرف بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے ۔

اس موقع پر مجھے سید عابد علی عابد یاد جو لکھتے ہیں:

> ''صوفی کی طرح فن کار کے بھی احوال ہوتے ہیں اور جو حال جس وقت غالب ہو، وہی شخصیت کا نقطہء مرکزی بن جاتا ہے، اس لیے تحریر کے وقت بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ سندِ دائمی مستقبل کے ہاتھ آتی ہے'' (صفحہ ٦٦، سید عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، طبع دوم: جون ١٩٩٦ء)

یہی وجہ ہے کہ میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ نعت گو شعراء کو نعت گوئی کے ہنگام اپنی امتیازی حیثیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر قرآنِ کریم میں کیا جانے والا تبصرہ صادق آجائے! کہ وہ ''خیال کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں''۔نعتیہ اشعار اگر کسی سُکر کی کیفیت میں موزوں بھی ہو جائیں تب بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ انھیں شائع کرنے سے گریز کیا جائے۔

....

یہ مقالہ: بارھویں عالمی اردو کانفرنس میں ٦ ردسمبر ٢٠١٩ءکو آرٹس کونسل پاکستان، کراچی میں پڑھا گیا۔

☆☆ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے تاثرات کے لیے ''حالی اور حسن عسکری'' ملاحظہ کیجیے۔

''نعت اور ہماری شعری روایت''

اس موضوع میں لفظ ''ہماری'' کے استعمال نے معنوی وسعتیں پیدا کر دی ہیں اس لیے صرف اردو نعت کے تذکرے تک محدود نہیں رہا جا سکتا ہے!......لہٰذا اپنے موضوع کی مناسبت سے ہمیں ''نعت'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے عرب و عجم کے اسلامی معاشروں کی شعری روایت سے گزر کر ''اردو'' کی اقلیم میں قدم رکھنا ہوگا!

جہاں تک نعت کی تعریف کا سوال ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت ہر پہلو اور ہر زاویے سے کسی شخصیت کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔اسلامی معاشروں میں یہ لفظ صرف رسول اللہ ﷺ کی تعریف کے لیے **مُخْتَصْ** ہو گیا ہے۔کسی اور کی تعریف کو نعت نہیں کہتے۔

روایت کے ضمن میں بھی طول طویل گفتگو کرنے کا موقع نہیں ہے اس لیے صرف حسن عسکری کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں جنھوں نے رینے گینوں سے استشہاد کرتے ہوئے یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ

> ''روایتی ادب اور روایتی فنون صرف روایتی معاشرے میں پیدا ہو سکتے ہیں اور روایتی معاشرہ وہ ہے جو مابعد الطبیعات کی بنیاد پر قائم ہو۔ مابعد الطبیعات چند نظریوں کا نام نہیں التوحیدِ واحد۔مابعد الطبیعات صرف ایک ہی ہو سکتی ہے، یہی اصلی اور بنیادی روایت ہے''(١)

روایت کے اس تصور کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری یعنی مسلم معاشرے کی روایت کی بنیاد مابعد الطبیعات پر ہے اور یہی زندہ روایت ہے جو بلا انقطاع از آدمؑ تا ایں دم جاری و ساری ہے۔اس روایت میں شاعری کا تعلق انسان، کائنات اور خالقِ کائنات کے رشتوں کی معرفت سے ہے۔شاعری وہبی صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے۔خالق نے اپنی مخلوق کو کوئی صلاحیت بے وجہ عطا نہیں کی ہے۔اس لیے شاعری بھی اپنے وجود کے لیے جواز چاہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ذمہ دار شعراء نے ہمیشہ قرآنی نظریۂ فن پیشِ نظر رکھ کر شعری سفر کا آغاز کیا۔......قرآنِ کریم کی سورۃ العصر میں پوری نوعِ انسانی کو خسران سے بچنے کے لیے [١]ایمان [٢]اعمالِ صالحہ [٣]تواصی بالحق ......اور [٤]تواصی بالصبر ......جیسی ربانی شرائط سے آگاہ کیا گیا تھا......تو بالکل اسی انداز سے سورۂ شعراء میں شعراء کو خیال کی ہر وادی میں بھٹکنے سے بچنے کی راہ دکھائی گئی ہے:

''رہے شعراء، تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں
ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان
لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا
اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا'' (۲)

سورۂ العصر میں بیان کردہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی شرائط کے ساتھ ساتھ یہاں 'اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے کی شرط اس لیے شامل کی گئی کہ شعراء جو کچھ بھی لکھیں اس میں اللہ کا براہِ راست یا بالواسطہ ذکر ہو۔ یا اللہ کی موجودگی کا اس قدر استحضار ہو کہ جو کچھ لکھیں وہ اللہ کے احکامات سے کسی بھی صورت متصادم نہ ہو۔

نعتیہ شاعری کا رواج اگرچہ حضورِ اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ تاہم آپ کی طرف سے اعلانِ نبوت اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی پے در پے کامیابیوں سے بوکھلا کر مشرک شعراء نے ہجویہ اشعار کہے۔ سورۂ شعراء میں متوازن بدلہ لینے کی اجازت دیتے ہوئے مسلمان شعراء کو اسی ہجویہ شاعری کا جواب دینے کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نعت اپنی معنوی جہت میں اللہ تعالیٰ کی حمد کا درجہ رکھتی ہے۔ مخلوق کی تعریف دراصل خالق کی تخلیقی قدرتوں ہی کی تو تعریف ہے۔ نعتیہ شاعری میں ہمیشہ حضورِ اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، آپ کے پیغام اور انسانیت کو آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے پہنچنے والے فوائد کا ذکر ہوتا ہے۔ نیز یہ شاعری حبِ نبوی اور عشقِ رسول ﷺ کی بنیاد پر تخلیق کی جاتی ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ جس زمانے میں بنفسِ نفیس اس جہانِ فانی میں جلوہ افروز تھے۔ اُس عہد میں آپ کے جمالِ صُوری اور حسنِ معنوی کا نظارہ کرنے والوں نے بہت کچھ کہا۔ حضرت حسانؓ، حضرت کعب بن مالک، حضرت کعب بن زُہیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے نعت کو درجہء کمال تک پہنچا دیا۔ عشقِ نبوی کی یہی روایت عرب سے ایران پہنچی۔ یہاں جامیؔ اور سعدی شیرازی نے نعتیہ مضامین سے اپنے تخلیقی لوازمے کو مزین کیا۔ سعدی نے چار مصرعوں میں جو کچھ کہا وہ زبان زدِ خاص و عام ہو گیا:

بلغ العلیٰ بکمالہ   کشف الدجیٰ بجمالہ   حسنت جمیع خصالہ   صلوا علیہ وآلہ (۳)

ہند اسلامی تہذیب میں اردو زبان نے جنم لیا۔ اِس زبان کی خوش بختی کہ پہلے شاعر ''فخر

دین نظامی'' نے اپنی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں حمد کے بعد نعت ہی شامل کی۔ یہ مثنوی ۸۲۵ سے ۸۳۹ ہجری اور ۱۴۲۱ سے ۱۴۳۵ عیسوی کے دوران میں لکھی گئی تھی (۳۔الف) ☆☆۔ بعد ازاں جتنی بھی شعری تصنیفات سامنے آئیں ان میں حمد کے بعد نعت ہی کے اشعار تھے۔ حمد و نعت کی شمولیت کی یہ روایت صرف مسلمان شعراء تک محدود نہ رہی بلکہ غیر مسلم شعراء نے بھی اس روایت کو با قاعدہ نباہتے ہوئے حمدیہ و نعتیہ اشعار کہے۔ نور نامے، مولود نامے اور معراج نامے بھی بڑی تعداد میں لکھے گئے اور قصے کہانیوں کے لوازمے سے لیس مثنویوں کی بھی ابتداء حمد و نعت سے کی گئی۔

یہیں میرزا مظہر جانِ جاناں نے اللہ سے حبِ نبوی طلب کرنے کا درس دیا:

محمدؐ از تو می خواہم خدا را   الٰہی ! از تو حُبِ مصطفےٰ را (۴)

(یا محمد ﷺ! آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر مجھے خدا مل جائے۔ اور اے میرے معبود! میں تجھ سے حُبِ مصطفےٰ ﷺ کی دولت کا طلبگار رہوں)

چناں چہ عشقِ نبوی کا رنگ بعد کے شعراء کے شعری عمل میں بھرپور طریقے سے ظاہر ہوا۔ بقول سید سلیمان ندویؒ:

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے   ظلمت کدہء دھر میں وہ شمع ھدا ہے (۵)

انجم رومانی نے کائنات میں عشقِ نبوی کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے:

اک عشقِ مصطفےٰؐ ہے اگر ہو سکے نصیب   ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں (۶)

اردو کے ہر چھوٹے بڑے شاعر نے نعت کہی۔ لیکن جن شعراء نے با قاعدہ نعت نہیں کہی ان کے کلام میں بھی کہیں کہیں نعتیہ اشعار آ گئے .... غالب کے نعتیہ مطلع کا ذکر کسی اور مضمون آ چکا ہے............ع منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی

اس کے باوجود شعراء اس صنف کو مکمل طور سے اپنے فن کا حصہ بنانے میں پس و پیش کا شکار رہے۔

نعت کا با قاعدہ ادبی سفر مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا حسن رضا بریلوی، محسن کاکوروی اور امیر مینائی کے عہد میں ہوا کیوں کہ یہ حضرات نعتیہ شاعری کے متخصصین میں شمار ہوئے۔ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تو نعت لکھنے کے لیے غزل اور قصیدے کا pattern ہی سامنے رکھا لیکن محسن کاکوروی نے غزل، قصیدہ اور مثنوی میں اپنے فن کے وہ جوہر دکھائے کہ انھیں نعت گوئی کا فن شناس

شاعر تسلیم کیا گیا۔ پھر حالی نے اپنے مسدس میں نعتیہ اشعار اس دردمندی سے لکھے کہ عوام وخواص کے دلوں پر نقش ہو گئے۔ ان کا استغاثہ.....ع اے خاصہء خاصانِ رُسُل ﷺ وقتِ دعا ہے
آج بھی امت کے لیے درد رکھنے والے افراد کی زبانوں پر جاری ہے۔

عظمتِ رسالت کی معنوی جھلک اقبال کے اس شعر میں پائی جاتی ہے جو ان کی نظم ''ذوق وشوق'' میں وارد ہوا ہے:

آیہء کائنات کا معنیء دیر یاب تو! نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو (۷)

ظفر علی خاں کا تو نعرہ ہی یہ تھا:

خدا کی حمد، پیغمبر کی نعت، اسلام کے قصّے
مرے مضموں ہیں، جب سے شعر کہنے کا شعور آیا (۸)

پاکستان بننے کے بعد جب یہاں کے حکمرانوں اور بیشتر عوام نے اپنا نصب العین بھلا دیا جس کا انعکاس ادب میں برملا محسوس ہوا۔ تو اہلِ دل شعراء نے نعتیہ شاعری کر کے اہلِ وطن کو حضور، اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے عشق کی شمع روشن کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا تھا:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خمِ طُرّۂ یارے گیرند
(۹)

یعنی مجھے تو اب صرف اسی کام میں مصلحت نظر آتی ہے کہ سب دوست سارے کام چھوڑ چھاڑ کے محبوب کی زلف کے خم کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ گویا حافظ یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے، ضروری ہے کہ محبوب کے عشق کو پختہ تر کر لیں۔ حافظ کے اس شعر میں صاف طور پر مسلمانوں کو نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اور آپ کے لائے ہوئے دین کی طرف راغب کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔

پاکستان کے ابتدائی ادبی منظر نامے پر نعت گو شعراء کی حیثیت سے حفیظ جالندھری، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، محشر رسول نگری، علامہ ضیاء القادری، علامہ سیماب اکبر آبادی، اثر صہبائی، اختر الحامدی وغیرہم کے اسمائے گرامی سامنے آتے ہیں۔ بعد میں نعت گو شعراء میں مختار صدیقی، یوسف ظفر اور قیوم نظر جیسے شعراء بھی شامل ہو گئے۔ پھر تو تقریباً تمام ہی شعراء قافلہء مدحت گزاراں

میں شامل نظر آتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ کچھ نے اپنا وظیفہء تخلیق ہی نعت کو بنا لیا اور کچھ صرف حصولِ سعادت کی غرض سے اس کارواں میں شامل ہوئے.....عہدِ ضیاء الحق میں سرکاری سطح پر نعت کی پزیرائی کا آغاز ہوا تو تقریباً ہر شاعر ہی اس صنفِ شریف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ شعری مطبوعات میں نعتیہ کتب کی عددی برتری نمایاں ہے۔

الحمدللہ! آج نعتیہ شعری تخلیقات کی کثرت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعراء نے اس صنف کی طرف سے برتی جانے والی مجرمانہ غفلت کا ازالہ کرنے کی ٹھان لی ہے اور تائیدِ ربانی سے وہ اس عمل میں خاصی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ نعتیہ تخلیقات کی بہار دیکھ کر ہی غیاث الہٰ آبادی نے کہا تھا: ع یہ عہد، عہدِ نعتِ رسولِ کریمؐ ہے

نعت لکھنے والوں میں نمایاں نام بھی اگر سلیقے سے شعری حوالوں کے ساتھ لیے جائیں تو ایک دفتر درکار ہو گا جبکہ یہاں قرطاس کی تنگ دامانی کا نہیں بلکہ وقت کی عدم التفاتی کا سامنا ہے۔ اس لیے چند نام لے لیے جائیں جن کی پرخلوص خدمات کی وجہ سے ان کی شہرت جریدہء عالم پر ثبت ہو چکی ہے۔

حافظ مظہر الدین، حفیظ تائب، احسان دانش، مظفر وارثی، عاصی کرنالی، پیر نصیر الدین گولڑوی، بشیر حسین ناظم، سرو سہارنپوری، حافظ لدھیانوی، فدا خالدیؒ حنیف اسعدی، ادیب رائے پوری، اعجاز رحمانی، قمر وارثی اور صبیح رحمانی کے ایسے نام ہیں جو نعتیہ شعری افق پر ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ کیوں کہ ان شعراء نے تسلسل کے ساتھ قدیم و جدید شعری اسالیب کے امتزاج سے نعتیں کہی ہیں۔ جدید تر شعری اسالیب میں نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے شعراء میں عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین، احمد ندیم قاسمی، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، سرشار صدیقی وغیرہم کے نام ہمیشہ درخشاں ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔

نعت چوں کہ اصنافِ سخن کی کسی ایک ہیئت کے ظرف میں نہیں سما سکتی ہے اس لیے اس موضوع کو شعر کی ہر روایتی اور جدید صنف میں برتا جا رہا ہے۔ آج غزل، قصیدہ، رباعی اور مثنوی کے ساتھ ساتھ سانیٹ، ہائکو، ماہیہ، ثلاثی، نظمِ معریٰ اور آزاد نظم کے پیکر میں بڑی کامیابی سے نعت لکھی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ میں نے اختصار کے ساتھ صرف چند رجحان ساز شعراء کا ذکر کیا ہے۔ یہ انتخاب بھی اس لیے پیشِ نظر رہا کہ ان شعراء کی نعتیہ کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ایسے شعراء کی

تعداد تو شمار میں آنا ممکن ہی نہیں جو عام شاعری کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی نعت بھی کہہ لیتے ہیں۔

وقت نہیں ہے ورنہ میں یہاں کچھ اشعار بھی پیش کرتا۔ نعتیہ ادب کے تخلیقی منظر نامے سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے میری کتاب ''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' دیکھی جا سکتی ہے۔

اب میں غالب کے شعر پر ناصر کاظمی کی تضمین کے مصرعوں کا سہارا لے کر اپنے معروضات کا اختتام کرنا چاہتا ہوں۔ ناصر کاظمی نے کہا تھا:

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے — قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے — ''ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے(۱۰)
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے''

منابع و مآخذ: (۱) محمد حسن عسکری، مجموعہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۶۳۹ (Rene Guenon) شیخ عبدالواحد یحییٰ (۲) القرآن، الشعراء ۲۶، آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷ (۳) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۵۴۵...... (۴) شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی، گلستان، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ص ۱۲...... (۴۔الف) مثنوی نظامی دکنی، کدم راؤ پدم راؤ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۳ء...... (۵) شفیق بریلوی، ارمغانِ نعت، مرکزِ علمِ اسلامیہ، کراچی، اشاعتِ دوم، ۱۹۷۵ء، ص ۹۹ ☆☆...... (۶) سید سلیمان ندوی، ارمغانِ سلیمان، [۱۰۹] عالمگیر روڈ، شرف آباد، کراچی، ص ۶۱...... (۷) ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، سیرت و نعت نمبر، ذی الحج۔ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، ص ۲۰۸...... (۸) نوائے سروش، غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور...... (۹) مسدس حالی، مرتبہ: ڈاکٹر سید عابد حسین، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۸...... (۱۰) کلیاتِ شعرِ اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۲...... (۱۱) کلیاتِ اقبال اردو، بک کلب، ۱۹۹۵ء، ص ۴۰۴...... (۱۲) مولانا ظفر علی خان، پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سینٹر، گلستانِ جوہر، کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۳۶...... (۱۳) حافظ شیرازی، دیوانِ حافظ، مرتبہ: پروفیسر میاں مقبول احمد، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور، س۔ن۔ ص ۵۳۴ (۱۴) ناصر کاظمی، نعت رنگ، شمارہ نمبر ۱۲، مرتبہ: صبیح رحمانی، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۴۰

☆ آٹھوی عالمی اردو کانفرنس کے موقع پر ''اردو کا نعتیہ ادب'' سے منسوب اجلاس میں پڑھا گیا۔ (بروز بدھ: ۹ر دسمبر ۲۰۱۵ء)

نعت نگاری میں تنقیدی رجحانات!

خواتین و حضرات!

آج میں بڑی مدت کے بعد کسی ایسے اجتماع میں حاضر ہوا ہوں جس میں اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ کئی ماہ سے میں اپنے گھر میں خود اختیاری قید میں تھا۔ اب جو ڈاکٹر نثار احمد نثار نے مجھے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تو میں نے سوچا میرے پاس کہنے کو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ مجھے دیا ہوا موضوع ''نعت نگاری میں تنقیدی رجحانات!'' میری تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں کا محور ہے اور زیادہ تر کہنے کی باتیں میں مختلف مواقع پر کہہ چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں نے Brain Storming کے اصول پر چند نکات پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہوسکتا ہے ان نکات میں بہت سارے، بہت زیادہ تشریحات کے متقاضی ہوں لیکن میں ان تشریحات کی طرف اس لیے نہیں جاسکتا کہ دامنِ وقت، ہمیشہ کی طرح، آج بھی تنگ ہے۔

ایک شاعر تھا، یورگوس سیفیریس، جو یونان کے شہر Izmir میں پیدا ہوا، ہومر (Homer) بھی اسی شہر میں پیدا ہوا تھا۔ یورگوس سیفیریس نے نوبیل انعام کے حصول کے وقت اپنے خطبے میں بڑی پتے کی بات کہی تھی۔ وہ کہتا ہے:

''میں ایک یک اسلوبی اور اکھڑ آدمی ہوں جو بیس برسوں سے ایک ہی بات کو بار بار کہتے ہوئے نہیں تھکتا'' ﴿۱﴾

میں یورگوس سیفیریس کی طرح اعلیٰ حیثیت کا حامل یا اس کے Calibre کا لکھاری تو نہیں ہوں۔ لیکن طبیعت میری بھی اکھڑ پن کی طرف مائل ہے۔ میں 1981ء سے، یعنی تقریباً چالیس برس سے، ایک ہی بات مختلف پیرایوں میں کہتا رہتا ہوں اور شاید اپنی زندگی کے آخری لمحے تک کہتا رہوں کہ تقدیسی شاعری کو لمحہ بہ لمحہ، نکتہ بہ نکتہ، شعر بہ شعر اور بیانیہ در بیانیہ، اصلاح کی ضرورت ہے۔ اپنی اس فکر کے پھیلاؤ کے لیے میں نے مختلف مصلحینِ شعر کے افکار سے استفادہ کیا ہے۔ اسی لیے میں ان مصلحینِ شعر و سخن کے اقوال دہراتے رہنے اور ان کی روشنی، اپنے مُخاطَبین (Audience) تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔

حالی نے اپنے دیوان کے دیباچے کی ابتداء ایک شعر سے کی تھی:

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نما ہے   یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

پھر لکھتے ہیں: ''ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق کو لازم وملزوم سمجھتے تھے اور ایسا سمجھنا کچھ بے وجہ نہ تھا۔ اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس جوش اور ولولے سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور شعر کی ذات میں جو ایک آتش گیر مادہ ہے وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں کسی آگ کی اشتعال انگیزی کا محتاج ہے'' پھر لکھتے ہیں: ''ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بل کہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا''۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''جو تشبیہیں اور استعارے پہلے مدح، ہجا، غزل اور تشبیب میں برتے جاتے تھے وہی اب توحید، مناجات، اخلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے، خاص کر شعر میں اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ متأخرین، قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر ان کے طریقہء بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے''۔﴿۲﴾............

مسدس کے دیباچے میں حالی نے لکھا:

''بارہا تیغِ ابرو سے شہید ہوئے اور بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے۔ گویا زندگی ایک پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار دیا اور جب چاہا پہن لیا۔ میدانِ قیامت میں اکثر گزر رہوا، بہشت و دوزخ کی سیر کی، بادہ نوشی پر آئے تو خُم کے خُم لنڈھا دیے اور پھر بھی سیر نہ ہوئے..........خدا سے شوخیاں کیں، نبیوں سے گستاخیاں کیں، اعجازِ مسیحی کو ایک کھیل جانا، حسنِ یوسفی کو ایک تماشا سمجھا''۔﴿۳﴾

حالی کے اس بیانیے کی روشنی میں جب ہم نعتیہ شاعری کے متون (Texts) کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو اس میں بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے عشق و محبت کے جھوٹے دعوے ، قبر و حشر کے خیالی اور بے سر و پا مضامین، عذابِ دوزخ سے بے خوفی، پیغمبرانِ ماسبق کے مقامات کا استخفاف اور شرابِ عشق کے جام لنڈھانے کے احوال مل جاتے ہیں۔ زبان کے استعمال میں بھی بے احتیاطی کے بڑی بھیانک اغلاط دیکھنے میں آتی ہیں۔

حالی کی مسدس ''مدّ و جزرِ اسلام'' جب سید احمد خان کو ملی تو انھوں نے اس کی ستائش کس انداز سے کی؟ ان کے خط کی درجِ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

''جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی، جب تک ختم نہ ہوئی، ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس

ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظُر

ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی۔ اگر اس مسدس کی بدولت فنِ شاعری کی تاریخ، جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہاتِ دور از کار سے، جو مایہء نازِ شعرا و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے، کیوں کر ایسی خوبی و خوش بیانی اور مؤثر طریقے پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشمِ نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے، جو دل سے نکلتی ہے، دل میں بیٹھتی ہے''۔ ﴿۴﴾

سید احمد خان کی تنقیدی بصیرت کا اظہار جن الفاظ میں ہوا ہے وہ زبان و بیان کی اس خوبی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اسلامی شعری بوطیقا (Poetics) کی جان ہے۔ حالی نے بڑی سادگی سے فنکارانہ تنقیدی شعور کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں   اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں﴿۵﴾

جب کسی ناول نگار، افسانہ نگار، خاکہ نگار، روزنامچہ نویس، سفرنامہ لکھنے والے ادیب یا کسی شاعر کو اظہار کی خوبصورتی کے خیال سے لفظوں کی تبدیلی کا خیال آتا ہے اور خوب سے خوب تر بیانیے کی جستجو ہوتی ہے، تنقیدی شعور کی کارفرمائی وہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ہر قسم کی تخلیق کے ساتھ ہی تنقید بھی وجود میں آ جاتی ہے۔......ابنِ خلدون کا خیال ہے:

''بہترین شعر وہ ہیں جن پر منظّم کرنے کے بعد تنقیدی نگاہ ڈالی جائے۔ اگرچہ وہ واضح اور روشن کیوں نہ ہوں۔ اور جب کہے جائیں تو لوگ یہ سمجھیں کہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں اور جب کہنے بیٹھیں تو کہہ نہ سکیں۔''﴿۶﴾......رشید احمد صدیقی نے لکھا:

''شاعری خوب سے خوب تر بناتے رہنے کا مشن یا منصب ہے اور کوئی شاعر اس منصب کا اہل نہیں ، اگر وہ عظیم سے واقف ہو اور حقیر پر اکتفا کرے!''﴿۷﴾

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے شاعری اور موضوع کے حوالے سے کہا:

''شاعری میں موضوع کو اسی طرح سمونا کہ شاعری، موضوعِ شاعری معلوم ہونے لگے، بڑے شاعر کی بڑی اچھی پہچان ہے۔ جب تک کوئی شاعر اپنا ہوتے ہوئے سب کا شاعر نہ ہوگا بڑا یا اچھا شاعر نہ کہلائے گا''۔﴿۸﴾......اسی بات کو، ٹی ایس ایلیٹ اس طرح کہتا ہے:

''ایک مصنف کی اپنی تصنیف کے سلسلے میں محنتِ شاقہ کا بڑا حصہ تنقیدی محنت کا ہوتا ہے۔ یعنی چھاننے، جوڑنے، تعمیر کرنے، خارج کرنے، صحیح کرنے، جانچنے کی محنت۔ یہ اذیت ناک محنت جتنی

تنقیدی ہوتی ہے اتنی ہی تخلیقی ہوتی ہے''۔ ﴿۹﴾
ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے: ''کچھ تخلیقی مصنف دوسروں سے محض اس بنا پر بہتر ہیں کہ ان کا تنقیدی شعور اعلیٰ درجے کا ہے'' (ایضاً ص ۲۶۵) ﴿۱۰﴾

شاعری کے لیے اعلیٰ درجے کی فنکارانہ حسیت درکار ہوتی ہے۔ لیکن چوں کہ بقول رشید احمد صدیقی، ''شاعری دنیا کی مادری زبان ہے''۔ ﴿۱۱﴾ اس لیے اس میدان میں ہر کس و ناکس دوڑنے کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ مذہبی اور تقدیسی شاعری سے تو زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو رغبت ہوتی ہے، جن کے ہاں محض جذبہ ہوتا ہے۔ فن کی تحصیل کے لیے کسی قسم کی کوشش کرنا ان کے مذہب میں تقریباً حرام کے درجے کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے مذہبی شاعری کا مجموعی مزاج ہی سہل انگاری کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور بعض اوقات، مستند شعراء بھی اس موضوع کو اپناتے ہوئے فنی تقاضوں سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ روایت اور تجربے کے تال میل سے بڑی شاعری یا بڑے موضوع سے جڑی شاعری وجود میں آتی ہے۔ نعت کی روایت حضورِ اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے ایک ہزار سال قبل سے چلی آرہی ہے اور حضورِ اکرم ﷺ نے نہ صرف شاعری سماعت فرمائی ہے بل کہ خیال اور بنت کی اصلاح بھی فرمائی ہے۔ تُبَّع حِمیَرِیؔ کے نعتیہ اشعار اور حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کو دی جانے والی اصلاح جس میں حضورِ اکرم ﷺ نے ''سیوف الھند'' کے الفاظ کو ''سیوفِ اللہ'' سے بدل کر پڑھنے کا حکم دیا تھا، نعتیہ ادب کی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

امراء القیس کی شاعری پر نبی ﷺ کا تبصرہ بھی اسلامی بوطیقا (Poetics) کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ فرمایا ''وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے''۔ اقبال کہتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنونِ لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر، پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کے بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھادے'' (درسیاتِ اقبال) ﴿۱۱۔الف﴾

ٹی ایس ایلیٹ نے، ڈی ایچ لارنس کے بارے میں کہا تھا...... ''وہ فنکار تو بہت زبردست ہے۔ مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسے دنیا میں بھیجا ہے''...... اس پر حسن

عسکری نے کہا ''جو معیار ایلیٹ کو اتنے روحانی کرب سے گزرنے کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اس کی طرف ہمارے رسول ﷺ اب سے چودہ سو سال پہلے اشارہ کر چکے ہیں''۔
عسکری لکھتے ہیں: ''امراء القیس کی شاعری میں اخلاقی اعتبار سے جو ضرر رساں باتیں ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی [آپ ﷺ] کہہ دیتے کہ یہ بُرا شاعر ہے۔ مگر آپ ﷺ نے آرٹ اور زندگی دونوں کو اپنی اپنی جگہ رکھ کے دیکھا ہے اور جس حد تک آرٹ کی ایک مستقل حیثیت ہے، اسے تسلیم کیا ہے''۔ ﴿۱۱۔ب﴾
دامنَ وقت کی تنگی کے باعث میں یہاں نعت نویسی کی تاریخ اور نبیءِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اصلاح کے واقعات کی تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہوں۔
بہر حال، یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ نعتیہ شاعری کو لسانی ہنرمندی، اسلوبیاتی جان کاری، خیال کی پاکیزگی اور جذبے اور احساس کی تخلیص (Purity) نیز موضوع (Subject) معروض (Object) اور اسلوب (Style) کی ہم آہنگی (Harmony) کی ضرورت ہے۔
یورگوس سیفیریس کہتا ہے:
''روایت ہم کو عادتوں کو توڑنے کی صلاحیت دیتی ہے اور اس طرح اپنی قوتِ حیات کا ثبوت مہیا کرتی ہے'' ﴿۱۲﴾
یہی یورگوس سیفیریس ایک جگہ کہتا ہے:
''میرے نزدیک شاعری، ضروری ہے اس جدید دنیا کے لیے جس میں ہم سب خوف اور ہنگامے کے ناگ کے ڈسے ہوئے ہیں۔ شاعری انسان کی سانسوں میں بسی ہوئی ہے، اور کیا ہوگا اگر ہماری سانس تسلسل سے نہیں بل کہ رُک رُک کر آنے لگے؟ شاعری اعتماد کا عمل ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہماری بے چینی اعتماد میں کمی کی وجہ سے ہے'' ﴿۱۳﴾
ایک اور مقام پر وہ کہتا ہے:
''ہمیں انسان کی اس آواز پر کان دھرنا چاہیے جس کو ہم شاعری کا نام دیتے ہیں، وہ آواز جو پیار کی کمی کے سبب نیست و نابود ہوتی دکھائی دے رہی ہے، مگر جو سبزہءِ بیگانہ کی طرح ہمیشہ پھر سے پیدا ہو جاتی ہے'' ﴿۱۴﴾
شاعری چوں کہ زبان کے بہتر استعمال کی متقاضی ہے، اس لیے چند باتیں زبان کے حوالے سے بھی

ہو جانی چاہئیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی رائے لائقِ توجہ ہے جو کہتے ہیں:
''انسانی جذبات کے اظہار کے لیے موزوں ترین الفاظ کا ایسا استعمال جس نے شاعر کی قوتِ متخیلہ میں کچھ ایسی خوبی یا خوبیاں پیدا کر دی ہوں جو ایک عام انسان یا کسی علم کے ماہر کے یک سطحی Linear Expression کی بجائے شعری احساس سے کسی جہت کے اظہار کے لیے موزوں ترین الفاظ محسوس ہوں'' ﴿۱۵﴾

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تھا:''**فیم الجمال یا رسول اللہ!**'' (اے اللہ کے رسول ﷺ! حسن و جمال کا دار و مدار کس چیز پر ہے؟) تو نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا:''**فی اللسان**'' (زبان پر)! ﴿۱۶﴾
اس لیے شاعری کے لیے لسانی ہنرمندی کا وصف بھی لازمی ہے۔
نعت گو، دراصل اعلیٰ اقدار کا دفاع کرنے والے صحیح الفکر شعرا ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ اس لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے موضوع کی نزاکت، عظمت، ترفع اور ہنرمندی کے وصف سے متصف ہو کر سخن گوئی کا فریضہ انجام دیں۔
حدیثِ مبارکہ سے زبان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ایسی صورت میں شاعروں کے لیے یہ بھی لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ نعتیہ ادب کی تخلیق کے وقت زبان و بیان میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ زبان میں جو الفاظ ہوتے ہیں وہ زندہ شخصیتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانی معاشرے میں اچھے اور برے دونوں طرح کے انسان ہوتے ہیں اسی طرح معاشرے میں بولی جانے والی زبانوں میں اچھے اور برے الفاظ ہوتے ہیں۔ اس لیے اچھے موضوع کے لیے اچھے الفاظ کا چناؤ لازمی ہو جاتا ہے۔ اس لیے نعت گو شاعر کو خیال کی طہارت، فکر کی نزہت و نظافت، تخیل کی رفعت اور بیان کی عفت کا خیال رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ خیال کی اِصابت کے لیے اسے قرآن و احادیث اور آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذخیرے سے بھی استفادہ کرنا ہوگا اور تاریخِ اسلام کے مطالعے کی بھی ضرورت ہوگی۔ بیان کی عفت کے لیے لفظوں کی پرکھ کی استعداد پیدا کرنی ہوگی۔ نعت میں اپنے احساسات کے اظہار میں تو صرف احساس کی پاکیزگی اور اظہار کی شائستگی ہی درکار ہوگی لیکن نبی علیہ السلام یا آپ ﷺ کی تعلیمات کے حوالے سے جو بات بھی کی جائے گی اس کے لیے سند درکار ہوگی۔ ظاہر ہے یہ سند، بغیر کاوش کے شاعر کے علم میں نہیں آ سکتی ہے۔

برٹرینڈ رُسل نے جو بات اپنے لیے کہی تھی اس کا اطلاق آفاقی قدر کے ساتھ، فکر و دانش کے اظہاری منصب سے منسلک تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے:
''تین شدید جذبات میری پوری زندگی پر بری طرح محیط رہے ہیں: محبت کی تمنا، علم و دانش کی تلاش اور انسانیت کی مصیبت زدگی پر تاسُف'' ﴿۱۷﴾
برٹرینڈ رُسل۔ اگرچہ، لاادریت (Agnosticism) کے مرض کا شکار تھا پھر بھی اس نے اپنی تینوں تمنائیں اس آفاقی معیار کے مطابق بیان کی ہیں جو اسلام نے مقرر کر دیا ہے۔
اسلام نے وحدتِ انسانی اور مساواتِ آدمیت کا درس دیا ہے اور اس فکر کا اطلاق محبت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ علم و دانش کی تلاش کے لیے قرآن و حدیث کے بیشتر متون میں ترغیبات ملتی ہیں۔ مصیبت زدوں کی تکالیف کا تأسف اور ان تکالیف کو دور کرنے کی طرف رغبت بھی دینِ اسلام میں دلائی گئی ہے۔
سورۃ النساء کی آیت ۷۵ میں ارشاد ہوا:
ترجمہ:''اور (اے ایمان والو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالاں کہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں، کتنی ہی عورتیں ہیں، کتنے ہی بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں اس بستی سے جہاں باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا (یعنی مکہ سے نجات دلا) اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے (ہمدرد پیدا کر دے) اور کسی کو ہماری مدد کے لیے کھڑا کر دے'' ﴿۱۸﴾۔
نعتیہ شاعری میں اعلیٰ اقدار کے احیاء کی کوششوں میں ایسے مضامین کی لطیف پیرائے میں بنت کی ضرورت ہے جو دکھی انسانیت کے مُداوا کی طرف رغبت پیدا کر سکیں۔ حالؔی نے، حضور ﷺ کو ''مرادیں غریبوں کی بر لانے والا''، ''مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا''، ''وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا''، ''فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ''، ''یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ'' وغیرہ محض شاعرانہ ترنگ ہی میں تو نہیں کہا تھا۔ آپ ﷺ کی سیرت کے ان عملی پہلوؤں کی طرف اشارے کیے تھے جن سے ایک صالح اقدار کے حامل معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔
ترقی پسندوں کو، الحادی رجحان کے باعث، میں ہمیشہ مطعون کرتا رہا ہوں لیکن ان کی فکر میں انسانی مساوات کے عنصر اور دکھی انسانیت کے لیے پیدا ہونے والے شعری متون کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا

ہوں۔انسانی المیے کو جہاں بھی ہمدردانہ لہجے اور مؤثر پیرایۂ اظہار میں متنِ شعر بنایا جاتا ہے وہ اسلامی تعلمات سے قریب تر بیانیہ بن جاتا ہے۔

نعتیہ شاعری سے شغف رکھنے والوں کے لیے اس خیال کا استحضار بھی ضروری ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حسنِ تمام ہے اور حسن ہی کو پسند فرماتا ہے''۔''اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ''۔﴿۱۹﴾

فرمانِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے کہ ''جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے''﴿۲۰﴾۔

اتنی سخت حدیث کی موجودگی میں کون صحیح العقیدہ مسلمان ایسا ہوگا جو اپنی من مانی بات کو حضورِ اکرم ﷺ سے منسوب کرنے کی جسارت کرے؟

اب آیئے ذرا دیکھیں کہ تنقید کیا ہے؟

ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ تنقید نگاری کا اصل مقصد، ادب کی قدر شناسی Evaluation ہے، جو دو بنیادوں پر ہوتی ہے(۱) بر بنائے حسن اور (۲) بر بنائے افادہ۔﴿۲۱﴾

عربی: عربی لغات میں نَـقَـدَ ، نَقْداً و تَـنْـقَـادًا کے معانی ہیں سکّوں (دراہم) کو پرکھنا۔کھوٹے کھرے کو جانچنا۔ نَقْدًا و انتقادًا ۔ الدَّرَاهِمَ۔

فارسی: فارسی لغات میں ''انتقاد'' کا مطلب ہے: ا۔نقد لینا (۲) بھوسے سے دانے جدا کرنا، غلہ صاف کرنا۔(۳) پرکھنا (۴) تنقید کرنا۔

انگریزی: انگریزی میں تنقید یا انتقاد کے لیے CRITICISM کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

Fallon's اردو انگریزی ڈکشنری میں لکھا ہے: Criticism, n : critical examination دقیقہ شناسی۔دقیقہ سنجی۔حسن وقبح کی دریافت۔[تبصرہ۔نقد۔تنقیدی مضمون۔نکتہ چینی۔انتقاد]۔۔۔نکتہ چینی۔حرف گیری۔خردہ گیری۔کسی کتاب کے سختی کے ساتھ عیب نکالنا یا بتانا۔

☆ آئی۔اے۔رچرڈز کا خیال ہے کہ تنقید کا کام کسی مصنف کے کام کا تجزیہ، اس کی مدلل توضیح اور بالآخر اس کی جمالیاتی قدروں کے بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔﴿۲۲﴾

☆ ٹی ایس ایلیٹ کے نزدیک تنقید، فکر کا وہ شعبہ ہے جو یا تو یہ دریافت کرتا ہے کہ ''شاعری کیا ہے؟'' اس کے فوائد و وظائف کیا ہیں؟ یہ کن خواہشات کی تسکین کرتی ہے؟ شاعر، شاعری کیوں کرتا ہے؟ اور لوگ اسے کیوں پڑھتے ہیں؟......یا پھر یہ اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی شاعری یا نظم اچھی ہے یا بری ہے۔

﴿۲۳﴾

اردو: اردو لغات میں ''تنقید'' (فت ت، سک ن، ی مع) کے معانی ہیں: (i) ایسی رائے جو برے بھلے یا صحیح اور غلط کی تمیز کرا دے، پرکھ، چھان بین، کھوٹا کھرا جانچنا۔

نری شاعری کے بارے میں اللہ رب العزت نے کوئی دل خوش کن فیصلہ نہیں دیا' بل کہ فرمایا:

ترجمہ: ''اور رہے شعراء تو چلا کرتے ہیں ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ O کیا نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں O اور بلا شبہ وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں O مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک عمل اور ذکر کیا اللہ کا کثرت سے اور بدلہ لیا انہوں نے اس کے بعد کہ زیادتی کی گئی ان پر اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی کہ کس انجام سے وہ دوچار ہوتے ہیں''۔﴿۲۴﴾

سورۃ الشعراء میں موقع کی مناسبت سے اللہ کے ذکر کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔کیوں کہ شعراء اپنے کلام میں جس قدر بھی اللہ کا ذکر کریں گے، وہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنے گا۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیری حاشیے میں ''وَذَکَرُ ا اللّٰہَ کَثِیْراً'' کی تشریح میں ''فی الشعر''(۲۵) کے الفاظ ہی لکھے ہیں۔پھر دنیائے کفر کی جانب سے جو ہرزہ سرائی اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے کی جائے، اس کا بدلہ لینے کا سلیقہ بھی سکھا دیا گیا۔ایسے الفاظ کے استعمال کی ممانعت بھی کر دی گئی جن میں اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کا احتمال ہو۔مثلاً ارشاد ہوا:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط(۲۶)

......اے لوگو جو ایمان لائے ہو، راعنا مت کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْ نَا کہو، اور توجہ سے بات کو سنو!

قرآنِ کریم میں جو کچھ فرمایا گیا وہ نظری (Theoretical) ہے۔کتاب اللہ میں دیئے گئے احکامات اور منشائے رب کی عملی تفسیر، حضورِ اکرم ﷺ کے عمل میں جلوہ آراء ہے۔اس لیے شعر و شاعری اور شعراء کے ساتھ حضورِ اکرم کے رویئے کو دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں کس قسم کی شاعری پسندیدہ اور کونسی شاعری ناپسندیدہ ہے۔چند احادیث کے مقدس الفاظ پر غور کیجیے:

۱۔''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض بیان سحر ہوتا ہے''۔

۲۔اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار پُر حکمت ہوتے ہیں۔

۳۔ابن مسعودؓ سے روایت ہے، کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

۴۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن شخص کفار کے ساتھ اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے کہ تم کفار کو شعر اس طرح مارتے ہو جس طرح تیر مارا جاتا ہے۔(روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)(۲۷)

سورۂ یٰسین میں واضح طور پر فرمادیا گیا کہ ''ہم نے اس پیغمبر کو نہ شعر گوئی سکھائی ہے اور نہ ہی شاعری اس کے لائق ہے''۔(۲۸)

اس کے باوجود ایک دو مواقع پر حضورِ اکرم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے شعری بوطیقا کے معیارات پر پورے اترنے والے اشعار بھی نکلے۔جو شاید یہ نظریہ پختہ (Establish) کرنے کے لیے تھے کہ نبی کو ہر علم اور وجدانی تخلیقی صلاحیت رکھنے کے باوجود شعر گوئی سے اس لیے دور رکھا گیا تھا کہ شعری بیانیے میں قطعیت کا فقدان ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام کی زبانِ حق ترجمان سے کوئی لایعنی، غیر مفید اور قطعیت سے ماوریٰ کلمہ ادا ہونا محال تھا۔

جنگِ حنین کے موقع پر آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا:

اَنَا لنَّبِیُّ لَا کَذِبُ — اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبُ

(میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے، میں فرزندِ عبد المطلب ہوں)(۲۹)

ایک مرتبہ آپ کی انگلی سے خون بہنے لگا تو آپ ﷺ نے بے ساختہ فرمایا:

''ھَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَحٌ دَمِیْتِ

وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ'' (تو تو انگلی ہے خون میں بھری ہوئی اور جو تو نے دیکھا راہِ خدا میں دیکھا ہے)۔(۳۰)

ایسے تمام اشعار جو حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے پڑھے گئے اور آپ نے انہیں سراہا، یا ان اشعار کے متن اور اظہاری سلیقے کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار نہیں فرمایا، ان تمام اشعار کو

دیکھ کر بھی شعر گوئی کے لیے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔حضرتِ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ کے درباری شاعر تھے۔انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کی پسندیدگی کا خیال کر کے ہی شعراء کی رہنمائی کے لیے یہ فرمایا تھا۔

(۲) وان احسن بیتٍ انت قائلہ — بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

(اور بے شک سب سے اچھا شعر جو تم کہو وہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو لوگ کہیں سچ کہا)(۳۱)

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا ''ہم نے کہیں آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ شخص کبھی نہیں دیکھا'' تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا: ''میری فصاحت میں کیا چیز مانع آسکتی ہے؟ قرآن مجید میری زبان میں نازل ہوا جو لسانِ عربی مبین یا منجھی ہوئی عربی زبان میں ہے۔پھر ایک موقع پر فرمایا: '' اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ 'بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ'' (میں افصح العرب ہوں مگر (اس پر مستزاد، یہ ہے کہ) میں قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتا ہوں۔اور میری نشو و نما قبیلہ بنو سعد میں ہوئی ہے)۔(۳۲)

جاحظ نے بجا کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جس کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحتِ لسانی تھی!(۳۳)

حضورِ اکرم ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے معیارات سے واقف شعراء ہمیشہ اپنی عجز بیانی کا اظہار کرتے ہیں۔لیکن جو بسیار نویسی کے زور پر نعتیہ شاعری کرتے ہیں انھیں کم از کم یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا کلام ''افصح العرب والعجم'' کی جناب میں پیش کیا جارہا ہے۔عربی زبان جیسی فصاحت و بلاغت تو کسی زبان میں بھی پیدا نہیں ہوسکتی ہے لیکن ہر زبان کے اپنے معیارات ہی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو کچھ کچھ بات بن سکتی ہے۔

حافظ شیرازی نے باقاعدہ کوئی نعت نہیں کہی لیکن ان کے نظامِ فکر میں جو Archetype یعنی انسانی صفات کی اعلیٰ ترین تجسیم کا مثالیہ ابھرتا ہے وہ سوائے نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات کے کسی اور سے مشابہ نہیں ہوسکتا۔وہ کہتے ہیں:

زِ وَصفِ حُسنِ تو حافظ چگونہ لاف زند — کہ چوں صفاتِ الٰہی ورائے ادراکی

(حافظ تیرے حسن کی تعریف کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے کیوں کہ تو صفاتِ الٰہی کی طرح عقل اور فہم سے بالا تر ہے۔(۳۴)

مجھے پھر رشید احمد صدیقی یاد آ گئے، جو کہتے ہیں:

’’ہیئت، موضوع، مواد، سب محتاج ہیں ابلاغ کے اور ابلاغ محتاج ہے حسنِ اظہار کا، جو منحصر ہے خلوص اور سلیقے پر.........شاعری کا کام صرف متاثر ہونا یا متاثر کرنا ہی نہیں ہے، اصلاحِ نفس اور ارتقاعِ شخصیت بھی ہے۔ اپنی بھی دوسرے کی بھی۔‘‘(۳۵)

رشید احمد صدیقی کی اصلاحِ نفس اور ارتقاعِ شخصیت کی ذمہ داری، عام شاعری سے زیادہ تقدیسی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری سے لیا جا سکتا ہے یا لیا جانا چاہیے۔ تاہم فی زمانہ
بیشتر نعت گو شعرا کو اپنی اس بھاری ذمہ داری کا احساس ہی نہیں ہے۔ میری تحریروں میں زبان و بیان کی اصلاح کی طرف شعرا کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش ہوتی ہے۔

میں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر جہاں اچھی شاعری کو سراہنے کے لیے مضامین لکھے ہیں وہیں، نعتیہ ادب کی کتب میں شامل ایسے متعدد اشعار کی نشاندہی بھی کی ہے، جن میں ادبی، اسلوبیاتی، شرعی اور متنی و تاریخی تلمیحاتی اغلاط کی بھر مار ہے۔ اس ضمن میں میرے تحقیقی مقالے کے علاوہ میری کتب ’’نعت کی تخلیقی سچائیاں‘‘، ’’ہُنر نازک ہے‘‘ اور ’’نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے‘‘ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ایک مدت سے صدا بلند کرتے رہنے کے باوجود نعتیہ تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف شعرا کی طرف سے بے اعتنائی کا رویہ مجھے یاس یگانہ چنگیزی کی طرح یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے:

صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہء و دل تنگ   داورا! نمی زیبد بال و پر بہ من تنہا! (۳۶)

میں جو اتنی لمبی چوڑی باتیں کر رہا ہوں تو مجھ سے بھی یہ سوال ہو سکتا ہے کہ بلند آدرش رکھتے ہوئے کیا میں نے بھی اپنی شاعری کو شعری و شرعی معیارات کے سانچے میں ڈھال دیا ہے؟؟؟......اس سوال کا جواب میں ایک شعر سے دینے کی کوشش کرتا ہوں، غالب کہتا ہے:

گفتمش ذرّہ بہ خورشید رسد، گفت محال   گفتمش کوششِ من در طلبش، گفت رواست

(میں نے [عقل سے] پوچھا: کیا ذرّہ سورج تک پہنچ سکتا ہے؟ کہا محال ہے۔ میں نے اس سے کہا :اس کی طلب میں میرا کوشش کرنا کیسا؟......کہا، یہ روا [جائز] ہے)(۳۷)

آخر میں، میں بلا تعلّی یہ کہہ کر بات ختم کرتا ہوں:

پارۂ در خاکِ معنی تخمِ سعی افشاندہ ام   بو کہ بعد از ما شود ایں تخمِ نخلِ باردار

’(میں نے دنیائے معانی کی خاک میں کوشش کے بیج بوئے ہیں تا کہ ہمارے بعد اس کے پھل دینے

والے درخت سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں‘‘)(۳۸)

نعتیہ کانفرنس منعقدہ ’’فاران کلب‘‘ فروری23، 2021 کے لیے لکھا گیا۔

مآخذ و منابع: ﴿۱﴾(نوبیل ادبیات، ترجمہ: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۹ء، ص ۴۴۹
﴿۲﴾کلیاتِ حالی، مرتبہ: ڈاکٹر سید تقی عابدی، بُک کارنر، جہلم، 2016ء، ص 64   ﴿۳﴾کلیاتِ حالؔی، ص 75
﴿۴﴾حالی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید تقی عابدی، بُک کارنر، جہلم، ۲۰۲۰ء، ص ۹   ﴿۵﴾کلیاتِ حالی ص 206
﴿۶﴾ابنِ خلدون، مقدمہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع یازدہم: دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۱۴
﴿۷﴾پروفیسر رشید احمد صدیقی، جدید غزل، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۹ ﴿۸﴾ایضاً ص ۸۷
﴿۹﴾ایلیٹ کے مضامین، جمیل جالبی، رائٹرز بُک کلب، کراچی، دوسرا ایڈیشن: ۱۹۷۱ء، ص ۲۶۵
﴿۱۰﴾ایضاً ص ۲۶۵......﴿۱۱﴾جدید غزل، ص ۷......﴿۱۱۔الف﴾عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہ درسیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع ثانی: ۱۹۹۰، ص ۱۶۴......﴿۱۱۔ب﴾(مقالاتِ محمد حسن عسکری، تحقیق و تدوین: شیما مجید، جلد ۱، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2001ء، ص 56.57)......﴿۱۲﴾نوبیل ادبیات، ص ۴۶۲......﴿۱۳﴾نوبیل ادبیات۔ ص ۴۵۱
﴿۱۴﴾ایضاً ص ۴۵۱......﴿۱۵﴾مابعد جدیدیت، ص 15......﴿۱۶﴾ نقوش رسول نمبر، ادارۂ فروغِ اردو، لاہور، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۸، ص ۳۴۷...... ﴿۱۷﴾نوبیل ادبیات: ص ۵۴۱...... ﴿۱۸﴾تفسیری ترجمہ: نورالمبین، ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ شہیدؒ، ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ، لاہور......﴿۱۹﴾صحیح مسلم، جلد اول، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، جون ۲۰۱۱ء، حدیث نمبر ۱۸۱، ص ۱۵۰......﴿۲۰﴾صحیح بخاری، مکتبۂ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، نومبر ۱۹۹۹ء، جلد اول، ص ۱۴۴، حدیث نمبر ۱۰۶
......﴿۲۱﴾سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقیدی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۱۴......﴿۲۲﴾ایضاً......﴿۲۳﴾ایضاً............﴿۲۴﴾مولانا مودودی، تفہیم القرآن، مکتبہء تعمیرِ انسانیت، لاہور، جون ۱۹۷۹ء، جلد سوم، ص ۵۴۹......﴿۲۵﴾ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص ۳۷۶
﴿۲۶﴾البقرہ ۲۵، آیت ۱۰۴ ﴿۲۷﴾مشکوٰۃ شریف، مکتبہء رحمانیہ، لاہور، ’’بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ‘‘......بیان اور شعر کا بیان، ص ۴۱۲
﴿۲۸﴾القرآن: ۶۹:۳۶ ﴿۲۹﴾حدیث ۱۴۴۴۔ بخاری شریف، جلد ۲، ص ۳۳۷ ﴿۳۰﴾نقوش رسول نمبر، جلد ۹۔ ص ۴۲۰ ﴿۳۱﴾حقیقت اور سراب۔ ص ۷۷ ﴿۳۲﴾نقوش رسول ﷺ نمبر، جلد ۸، ص ۳۳۹   ﴿۳۳﴾نقوش رسول ﷺ نمبر، جلد ۸، ص ۳۳۸
﴿۳۴﴾ دیوانِ حافظ، شرح، پروفیسر میاں مقبول احمد، مشتاق کارنر، لاہور، ص ۱۰۶۴ ﴿۳۵﴾جدید غزل، ص ۲۴
﴿۳۶﴾کلیاتِ یگانہ، اکادمی بازیافت، کراچی، جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۰......﴿۳۷﴾نقوش غالب نمبر، ادارۂ فروغِ اردو، لاہور، فروری ۱۹۶۹ء، ص ۳۸۷......﴿۳۸﴾حالی کی نعتیہ شاعری، ص 21

ریحانہ تبسم فاضلی کا شعری وجدان!

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اس کی ہر مخلوق کر رہی ہے۔ مادی دنیا میں نظر آنے والی مخلوقات میں صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو شعوری طور پر اپنے خالق کی حمد کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی معلومہ تاریخ میں اب تک جتنی بھی شعری تخلیقات منصۂ شہود پر آئی ہیں ان میں ہر خطے اور ہر قوم کا تصورِ معبود ہی منعکس ملا ہے۔ مذہبی احساس کی تخلیقی مظہریت ہی کی بنا پر حکماء نے شاعری کو مذہب اساس (Religion based) قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ علم دیا ہے:
یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الاَرْضِ...(الجُمُعَة ۶۲...آیت ۱)...: تسبیح کر رہی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے.........اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بھی خبر دی گئی ہے: ''وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْماً o'' (اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت زیادہ اور یاد کرنے والی عورتیں، مہیا کر رکھی ہے اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیمo) (آیت نمبر ۳۵، سورۃ الاحزاب ۳۳)
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجرِ عظیم پانے کا پختہ تصور ہی اس انداز کے اشعار کہلواتا ہے:

حمد لکھتے وقت صرف اتنا تبسم سوچ لو ۔۔۔ آخرت میں کام آئے گی یہی حمد وثناء

سب سے اہم اور بڑا انعام یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں......رہی شاعری تو اس کی اساس تو ہے ہی دینی، اس لیے انسانی فطرت میں مظاہرِ کائنات سے متاثر ہو کر ان کی تعریف کرنے کا داعیہ رکھا گیا ہے کیوں کہ مظاہرِ فطرت کی تعریف دراصل خالقِ کائنات ہی کی تعریف ہے۔ یہ الگ بات کہ بھٹکے ہوئے شعراء صرف مظاہر کی تعریف میں خود کو گم کر دیتے ہیں۔ لیکن صنعت سے صانع کی جانب ذہنی، قلبی اور روحی سفر کرنے والے شعراء کی بھی کمی نہیں ہے۔

حمد کے معنی تعریف کے ہیں لیکن یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف کے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حمدیہ شاعری، دراصل، شاعر کا ذاتی احساس، کائنات کی بوقلموں نعمتوں کی تعریف، اللہ کی مخلوقات اور دیگر تخلیقات کی کثرت اور ان کی خوبی و خوبصورتی کی تعریف، اپنی حاجات کے

حوالے سے دعائیہ لہجہ اور التجائیہ مناجات کو شعری متن بنانے کا عمل۔ ظلم وزیادتی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اس ناقابلِ برداشت فضا کو تبدیل کرنے کی استدعا کرنا بھی حمدیہ متن ہی کہلاتا ہے۔

ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ، ایک حساس اور دیندار خاتون ہیں۔ ان کے شعری عمل (Poetic work) میں حمدیہ موضوعات کا تنوع بھی موجود ہے اور ان کی قلبی کیفیات کا عکس بھی ضوریز ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے شکر کرنے والی زبان، ذکر کرنے والا دل اور دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے مضبوط اعصاب دیئے ہیں۔

دین پر عمل کرنے کے لیے مضبوط اعصاب کی ضرورت ہی تو ہے جو اللہ تعالیٰ نے خسارے سے بچنے کے لیے ''تواصی بالصبر'' کی شرط بھی عائد فرمائی ہے۔ آج کل دین پر عمل کرنا پُلِ صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ خواتین کے لیے تو ایسے معاشرے میں جہاں ''عورت'' کے معانی اور مفہوم ہی کو بدل دیا گیا ہو، دین پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ عورت (چھپانے کی چیز) جس کی فطری خوبی ہی خود کو مستور رکھنے کی ہے لیکن اس خوبی کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے میں بھی عار محسوس کی جا رہی ہو اور خود کو حجاب یا عبایا میں چھپا کر گھر سے نکلنے میں بھی تنقید کا سامنا ہوتا ہو تو معمولی اعصاب کی حامل خواتین وہ معاشرتی دباؤ برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں صرف وہی خواتین دینی اقدار اپنا سکتی ہیں جن کی فطرتِ صحیحہ میں دینی احکامات کی قبولیت کا داعیہ موجود ہو۔ میں نے ''تواصی بالصبر'' کے لیے مضبوط اعصاب کا ذکر اسی لیے کیا ہے کہ دین پر چلنا کسی زمانے میں بھی آسان کام نہیں رہا ہے۔ آج کل تو یہ کام اور بھی دشوار ہو گیا ہے۔ خیر یہ تو ایک طویل جملۂ معترضہ تھا، کہ ''تواصی بالصبر'' کی وضاحت کے لیے مجھے اپنے موضوع سے ذرا ہٹنا پڑا.........بات یہ ہو رہی تھی کہ ریحانہ تبسم فاضلی کے شعری عمل (Poetic work) میں حمدیہ موضوعات کا تنوع موجود ہے۔ ان کے شعری عمل میں سب سے اہم عنصر ''شکرِ نعمت'' کا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی نعمتوں کا ادراک بھی رکھتی ہیں اور ان نعمتوں کے حوالے سے اللہ رب العزت کا شکر بھی بجا لاتی ہیں۔ مثلاً

حمد لکھوں میں تری ایسی سعادت دی ہے ۔۔۔ جان دے دوں میں رہِ حق میں وہ ہمت دی ہے

یہاں ریحانہ صاحبہ نے، جان دے دینے کی ہمت کا ذکر کیا ہے......اور واقعتاً انھوں نے انیس سالہ بیٹے کو راہِ حق میں جہاد کے لیے بھیج کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں راہِ حق میں جان دینے کی ہمت دی ہے۔ اولاد بھی والدہ کے لیے جان ہی کے درجے میں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ کہتی ہیں:

جس کو انیس برس نازونعم سے پالا   راہِ حق میں اسے جانے کی اجازت دی ہے
یہ ہے وہ حوصلہ جو تو نے ہی بخشا ہے مجھے   میں نے اسلام کی ہر قوم کو دعوت دی ہے

اللہ کی حمد وثناء کا عمل دراصل ''معرفتِ کردگار'' کا اظہاری زاویہ ہے۔ غالباً شیخ سعدی نے کہا تھا:

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیا ر   ہر ورقِ دفتریست معرفتِ کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ معرفتِ الٰہیہ کی علامت ہے۔ ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ کے لیے حمد گوئی کا عمل ان کی اپنی ذات کی معرفت کا باعث بن گیا ہے۔ وہ کہتی ہیں:

چراغِ بزمِ ثناء جب جلالیا میں نے   شعور اپنی حقیقت کا پا لیا میں نے

اللہ تعالیٰ نے عام شعراء کے لیے فرمایا ہے: وَ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَO
اور بلاشبہ وہ جو کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں (الشعراء ۲۶، آیت ۲۲۶)۔

الحمدللہ! ریحانہ تبسم فاضلی نے خود کو ان شعراء کی فہرست سے جدا ثابت کیا ہے جن کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ وہ ان شعراء کی جماعت میں شامل ہوگئی ہیں جو ایمان لا کر، اعمالِ صالحہ کرتے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، کے فریضے کی ادائیگی کے لیے زبان، قلم اور جملہ قوائے انسانی کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ الحمدللہ! ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ کو یہ توفیقات میسر ہیں کہ وہ زبان (خطابت کی صورت میں)، قلم (حق بات لکھنے کی صورت میں) اور جملہ قوائے جسمانی (دین پر عمل کرنے کی صورت میں) سے دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی شعری کائنات میں جتنے الفاظ آئے ہیں وہ ان کی قلبی کیفیات کے عکاس بھی ہیں اور دین کے مطلوبہ معیارات پر عمل کے حوالے سے آشکار ہونے والی روشنی سے مستنیر بھی۔ وہ بجا طور پر کہتی ہیں:

دل میں خوفِ خدا جگاتے ہیں   ہم یقیں کے دیئے جلاتے ہیں
تیرے ہی ذکرِ خیر سے یارب   خلوتِ دل کو ہم سجاتے ہیں
جو گزرتی ہے تیرے بندوں پر   تیرے ہی روبرو سناتے ہیں

ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ نے ''حمدیہ'' شاعری کا رشتہ سنتِ رسولِ اکرم ﷺ سے جوڑتے ہوئے شعوری طور پر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی سنتِ متواترہ ہے۔ وہ کہتی ہیں:

خود حدیثوں میں نظر آتا ہے اس کا تذکرہ   حمد سے ہوتی تھی اُن کی گفتگو کی ابتداء

خود حدیثیں ان کی حمدِ پاک سے ضوبار ہیں   خود حدیثوں میں بھی ملتا ہے جمال اللہ کا

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد تو خود اللہ تعالیٰ نے بھی لکھی ہے اور بندوں کو حمد کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے:

حمد اپنی خود لکھی ہے خالقِ کونین نے   پھر چلا ہے حمد گوئی کا جہاں میں سلسلہ

آج کی دنیا میں سپر پاور کا ذکر عام ہے، اور مسلمان معاشروں میں بھی ان دنیاوی طاغوتی قوتوں کو ''سُپر پاور'' تسلیم کرلیا گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ انسانی اقدار اور انسانوں کی جان مال عزت آبرو کو غارت کرنے کے وسائل رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ دنیاوی شیطانی قوتوں کی بڑائی تسلیم کرکے ان کے آگے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ لیکن جن کے ذہن و دل اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے معترف ہیں وہ یہی کہتے ہیں:

سُپر پاور کوئی اس کے علاوہ ہو نہیں سکتا   سُپر پاور وہی ہے نظمِ ہستی جو چلاتی ہے

سُپر پاور کا درست ادراک ہوجائے تو یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ کسی اور قوت کو تسلیم کرنے کا شائبہ بھی دل میں پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرہ موصوفہ کہتی ہیں:

خلاقِ دو عالم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے   سب کچھ ہے وہی اس سے جدا کچھ بھی نہیں ہے

حمد یہ شاعری کرتے ہوئے ہر صحیح الفکر شاعر کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ تبسم صاحبہ کو بھی یہ احساس ہے اور وہ اس کا برملا اظہار کرتی ہیں:

وجدان پہ یہ حمد ہے اللہ کا فیضان   ورنہ یہ مری فکرِ رسا کچھ بھی نہیں ہے
تبسمؔ یہ مرے معبود کا احسان ہے مجھ پر   مجھے اپنے بیاں میں زندگی محسوس ہوتی ہے

''میں حمد لکھ رہی ہوں'' میں متعدد اشعار ایسے ہیں جو براہِ راست قرآنِ کریم کی کسی آیت کا ترجمہ لگتے ہیں۔ مثلاً

نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ اس کو نیند آتی ہے   اسی کے نور سے یہ ساری دنیا جگمگاتی ہے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں آیت الکرسی کی معنوی جھلک ملتی ہے اور دوسرے مصرعے میں ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط'' (اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا......سورۃ النور ۲۴، آیت ۳۵) کے مفہوم کی روشنی ملتی ہے............اور یہ کیوں نہ ہو کہ ریحانہ تبسم فاضلی کی زندگی، قرآن و حدیث کی تحصیل، تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور ذکر و فکر ہی کی عکاس ہے۔ دینی فکر کے احیاء کے لیے ان کی عملی سعی اور اظہاری زاویوں کی ہمہ وقتی مصروفیت کو دیکھتے ہوئے مجھے شکیل احمد ضیاء کا ایک

شعر یاد آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یا کرے اس کا تذکرہ ہر شخص　　　یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

بلاشبہ دینی اقدار کو رواج دینے کی آرزو اور اس کے حوالے سے ہونے والی شب و روز کی گفتگو کا تصور کیا جائے تو درجِ بالا شعر مکمل طور پر ریحانہ تبسم فاضلی پر صادق آتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و سلامتی کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور احیائے دین کی مساعی کے نتیجے میں انھیں شیریں پھلوں کے تحفوں سے مالا مال کر دے (آمین)!............ میں اس کتاب کی اشاعت پر انھیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

....

بدھ: ۹؍اکتوبر ۲۰۱۹ء

موجِ سلسبیل ......احوالِ تب و تابِ تمنا

احوالِ تب و تابِ تمنا کہوں کیسے　　　دل رہن حرمؔ جاں ہے خریدارِ مدینہ

اس شعر کو اگر حفیظ الرحمٰن احسن کی تخلیقی دانش کا مرکزی نقطہ جان کر ان کی حمدیہ و نعتیہ تخلیقات کے دائرے میں پھیلنے والی دھنک پر نظر دوڑائی جائے تو ''موجِ سلسبیل'' پر پڑنے والے عکس بڑے روشن اور بڑے تابناک نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ شاعر کا دل ''رہنِ حرمؔ'' اور اس کی روح ''خریدارِ مدینہ'' ہے۔

یہاں ''رِہن'' اور ''خریدار'' جیسے الفاظ پر غور کرنے سے دو متضاد نکتے سامنے آتے ہیں۔ [ا] رِہن...... کسی شے کا کسی اور کے قبضے میں کسی شرط یا بلاشرط دیدینے اور اس کے بدلے میں کوئی شئے بطور قرض لے لینے کا عمل ہے۔۔ یہ اصطلاح لین دین کی ہے۔ یہاں شاعر نے ''دل'' کو حرم یعنی بیت اللہ (مجازاً دینی نظام) کے عوض رِہن نامہ کے طور پر دیدیا ہے۔ جب کہ ''خریدارِ مدینہ'' کہہ کر اپنی جان کی پونجی لگا کر مدینہ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ گویا وہ مدینے کی ہر چیز کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے یہ نکتہ برآمد ہوا کہ شاعر، حرم کے لیے بِک چکا ہے جب کہ مدینے کو اپنی جان کے بدلے اپنانا چاہتا ہے۔ یعنی مدینے پر جان نچھاور کرنا چاہتا ہے۔

باالفاظِ دیگر شاعر، حرم کا پیغام پہنچانے کے لیے دل رہن رکھ چکا ہے اور دینی اقدار کی عملی شکل میں نفاذ کے لیے جان کے بدلے مدینے کی زمین کا خریدار ہے.............. ''حرم'' کو دل بیچنے کے بعد ''مدینے'' کی خریداری کے کیا فکری محرکات ہو سکتے ہیں؟؟؟...... یہ نکتہ ہجرت کے فلسفے کو سمجھنے سے منسلک ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے حرمِ پاک چھوڑا تو دل ادھر چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں دینی نظام برپا کرنے کے لیے سب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی اور مسجد کے لیے باقاعدہ زمین خرید فرمائی...... اس طرح مسجد کی صورت میں ''نفاذِ دین'' کا ایک مستحکم ادارہ قائم فرمادیا۔ شاعر بھی دین کے نفاذ کے لیے مدینے کے نام پر اپنی جان کا نذرانہ دے کر، دنیا میں مدینے کی مرکزیت قائم کرنے کا متمنی ہے۔ اس کی تمنا کی تب و تاب کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔

یہاں ''مدینے'' کی ردیف میں بالواسطہ نعت کا بلیغ عنصر بھی موجود ہے۔ مدینے کی محبت، دراصل حبِ رسول ﷺ ہے۔ حبِّ رسول ﷺ کا جذبہ ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کی قبا بہت تنگ محسوس ہوئی تو شاعر

نے ''خریدارِ مدینہ'' کہہ کر اپنی بات پہنچانے اور اپنے جذبے کی ملفوظی ترسیل کا اہتمام کیا۔ اس تفہیمی کاوش کے بعد جب اس شعر کی قراءت کرتے ہیں تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور شعر کا کینوس بہت وسیع معلوم ہوتا ہے:

احوالِ تب و تابِ تمنا کہوں کیسے
دل رہنِ حرم، جاں ہے خریدارِ مدینہ

جدید نعتیہ شاعری میں حبِ نبوی کے اظہار کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کو سوئے حرم لے جانے کی دعوت کا توانا عنصر بھی داخل ہو گیا ہے۔ اس لیے ہر شاعر اپنے تخلیقی عمل سے چند نقوش ایسے ضرور بناتا ہے جن میں حضورِ اکرم ﷺ کی اطاعت کا جذبہ جگانے کی تب و تاب ہو۔ حفیظ الرحمٰن احسن اپنی نعت گوئی اور دیگر نعت گو شعراء کی نعت گوئی کو عمل گریز اور نبی علیہ السلام کی اطاعت سے لاتعلقی کی فضا کا تسلسل جانتے ہیں۔ اسی لیے وہ برملا کہتے ہیں:

سب مدح و ثنا ہیچ ہے بے نذرِ اطاعت
اے طالبِ خوشنودیِ سرکارِ مدینہ

اس شعری پیکر میں تبلیغی خشکی کے بجائے تخلیقی لطافت ہے، اسی لیے بات دل میں اتر جاتی ہے۔
موجِ سلسبیل کا مصنف، نعتیہ شاعری کرتا ہے۔ لیکن اس کا لہجہ، اندازِ بیاں اور فکری زاویہ، روشِ عام پر چلنے والے شعراء سے مختلف ہے۔ اس لیے واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ کسی جانب سے بھی غلبۂ دین کے لیے قدم اٹھانے کی ترغیب نہیں دی جا رہی ہے۔ قلمی خدمت بھی محض نعتیہ اشعار کی بُنت تک محدود ہے۔ نہ عمل کی دعوت دی جا رہی ہے نہ نفاذِ دین اور غلبۂ دین کی فکری ضو پھیلانے کا کام قلم سے لیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں حساس شاعر کو نعت گوئی کی رسم نباہنا دشوار لگتا ہے۔ درجِ ذیل شعر، اسی کڑھن کا غماز ہے:

غلبۂ دیں کو جہاں اٹھیں قدم اور نہ قلم
نعت گوئی کی وہاں رسم نبھاؤں کیسے

بعض اہلِ فکر و نظر ''مدینے'' یا کسی اور حوالے سے وجود میں آنے والی شعری تخلیقات کو ''نعت'' کہتے ہوئے کتراتے ہیں۔ میں ایسی شاعری کو ''بالواسطہ نعت'' کے ذیل میں رکھتا ہوں۔ بالواسطہ نعت میں پیکرِ حسنِ تمام ﷺ کا عکس ذرا دھندلا دھندلا سا لگتا ہے۔ لیکن مشاق شعراء بالواسطہ نعت میں بھی ایسے اشعار کہہ سکتے ہیں جن میں براہِ راست نبیِ کریم کا نام لیے بغیر خیال کا سِرا حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے جا ملتا ہے۔ ذرا، درجِ ذیل شعر میں ''دُرِ خوش آب مدینہ'' کی معنویت پر غور فرمائیے:

تنویر بکف ہے صدفِ دہر اسی سے
ہے زینتِ عالم دُرِ خوش آبِ مدینہ

یہاں علمِ بدیع کی روشنی میں ''صدفِ دہر'' ایک تشبیہی اشارہ ہے۔ دنیا کو سیپی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب کہ ''دُرِ خوش آب''، حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے لیے ایک بلیغ استعارہ ہے۔ پھر صدف اور دُر کے اہتمام سے ''مرعات النظیر'' کی صنعت بھی ظہور میں آ گئی ہے۔ تاہم، یاد رہے شعوری طور پر ایسی صنعتیں داخلِ سخن کرنے سے سخن کا خون ہو جاتا ہے۔ یہاں شعر کی بُنت میں برجستگی اور بے ساختگی (Spontneity) ہے، اس لیے صنعت بھی بھلی لگ رہی ہے۔
حمدیہ شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو انتخابِ الفاظ کی ضوریزی سے شاعر کی فنی بیدار مغزی اور اعلیٰ Craftmanship کا احساس ہوتا ہے۔

ہے وردِ زباں، راحتِ جاں نام کسی کا
یہ نقدِ تمنا بھی ہے انعام کسی کا

اس شعر میں بدیع الاسلوبی اور بدیع الجمالی حسن کے کئی زاویے پیدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً دوسرے مصرعے میں ایک مخفی، تلمیحی اشارہ قرآنِ کریم کی اس آیت کی طرف ہے:
وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط اور بدون مشیتِ الٰہی کے تم لوگ کچھ نہیں چاہ سکتے۔ (تمھارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے) الدھر ۷۶، آیت ۳۰
(نور المبین، ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ ملک شہید)

شاعر کی زبان پر اللہ کے نام کا ورد ہونا اور دل میں اس کے ذکر کی تمنا کا پیدا ہونا، سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ کے ذکر کی توفیق کس قدر بڑا انعام ہے جو شاعر کو ملا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ شاعر اللہ کا ذکر بھی اس ادراک، احساس اور عرفان کے ساتھ کر رہا ہے کہ اس کو یہ توفیق من جانبِ اللہ ملی ہے۔ اگر اللہ کی مشیت شاملِ حال نہ ہوتی تو شاعر کے دل میں اللہ کا ذکر کرنے کی تمنا پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب شاعر کو یہ احساس ہوا کہ مجھے ملنے والی توفیق میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا خاص اشارہ موجود ہے تو اس نے احساسِ تشکر کے ساتھ یہ کہا

ع یہ نقدِ تمنا بھی ہے انعام کسی کا

اس شعر کی معنوی پرتیں ''نقد'' اور ''انعام'' جیسے الفاظ کی تشریحاتی جھلک دکھانے سے اور زیادہ کھل سکتی ہیں۔
''نقد'' کے معنی ہیں وہ چیز جو ہاتھ کے ہاتھ دی جائے (ادھار کی ضد) روپیہ مصدر (نوع) پرکھنا۔ جانچنا۔ کسی کو کچھ نقد دینا۔ چھانٹ لینا۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھ لینا۔ (بیان اللسان)

"انعام" کے معنی ہیں نعمت دینا۔ زیادہ ہونا۔نعم کہنا۔قرار گاہ اور منزل کا مسافروں کو آرام دینا۔ (ایضاً)

شاعر نے اپنی تمنا کو دولت کی زبان میں "نقد" کہا ہے۔اس تمنا میں ہاتھوں ہاتھ ملنے کا معنوی پرتو بھی ہے اور معنوی اعتبار سے "ذکر" میں ارتکازِ توجہ کا عکس بھی۔کیوں کہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھ لینے میں ایک ہی طرف نگاہ جما کر اور توجہ کے ساتھ دیکھنے کا عمل بھی ہے۔پھر جب یہ لفظ "نقد"، "انعام" کے ساتھ ملتا ہے تو یہ بھی معنوی پیکر بنتا ہے کہ اللہ کے ذکر کا انعام بھی ہاتھوں ہاتھ ملتا ہے۔اگر انعام سے "مسافروں کو آرام ملنے" کا خیالی پیکر بنے تو مصرعِ اولیٰ کا پورا فائدہ اس ایک لفظ ہی میں عکس ریز ہونے لگتا ہے............

ع ہے ورد زباں، راحت جاں نام کسی کا

یہاں "نقد" اور "انعام" میں ضلع کا تعلق بھی ہے کیوں کہ دونوں الفاظ میں معنوی تلازمہ قائم ہے۔
شعر میں "کسی کا" کہہ کر شاعر نے تجاہلِ عارفانہ کی صنعت کا استعمال بھی کر لیا۔"کسی کا" سے مراد محبوبِ حقیقی ہے لیکن اس کے ذاتی یا صفاتی نام کے بجائے "کسی کا" کہہ کر ردیف نباہتے ہوئے تجاہلِ عارفانہ کی صنعت سے وجدان کو ضوریز کر دیا گیا ہے۔یوں یہ مطلع ایک مکمل تخلیقی نقش بن کر ابھرتا ہے۔"کسی کا" کی ردیف سے ہماری شعری روایت کا ایک مضبوط حوالہ بھی ذہن میں آتا ہے۔
غالب نے بھی اپنے دیوان کی پہلی غزل کے مطلع میں یہی اسلوب اپنایا تھا:

ع نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

اسی طرح جب حفیظ الرحمن احسن یہ کہتے ہیں:

طے منزل اقرار ہوئی پہلی نظر میں   شیدا ہے ازل سے دلِ خوش کام کسی کا

تو اس شعر میں "منزلِ اقرار" سے "عہدِ الست" کا منظر نامہ سامنے آجاتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ......اور [اے پیغمبر] یاد کرو وہ وقت جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں [یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں] خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا کہ کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا تھا ہاں، تو ہی ہمارا پروردگار ہے)(الاعراف۔۷، آیت ۱۷۲)

یہاں "پہلے اقرار" کی صورت میں، قرآنی تلمیحی اشارہ تو ہوا ہی، شعری زبان بھی انتہائی درجہ رومانی ہے، جو یقیناً غزل کا فنی جمالیاتی تقاضا ہے۔ذرا "پہلی نظر" اور "شیدا" کے معنوی تلازمات پر غور کیجیے اور حمد کے متغزلانہ شعری نقش کی ضوریزی دھیان میں لائیے!
اس حمدیہ غزل کے مقطعے تک آتے آتے شاعر نے تمام علامتیں مجازی حسنِ دل آراء کی برتی ہیں لیکن متن حمدیہ رکھا ہے:

نظروں میں شب و روز ضیا بار ہے احسنؔ   وہ حسن دل آرائے سرِ بام کسی کا

تجاہلِ عارفانہ میں جواد بیت اور حسنِ اظہار کا پہلو ہے وہ حمدیہ شاعری میں حفیظ الرحمن احسن کے کلام میں بہت سلیقے سے شعری پیکر میں ڈھلا ہے۔درجِ ذیل حمدیہ غزل ملاحظہ ہو جس میں غزل کے تلازمات کے ساتھ تجاہلِ عارفانہ کا انداز انتہائی خوبصورت لگتا ہے:

فرازِ کوہ سے مجھ کو پکارتا ہے کوئی   گھٹا کی اوٹ میں زلفیں سنوارتا ہے کوئی
کرن اچھال کے، موج صبا اٹھا کے کبھی   جمال گلشن ہستی نکھارتا ہے کوئی
کس احتیاط سے نازک کرن سویرے کی   شب سیاہ کے دل میں اتارتا ہے کوئی
خرد نگاہ تحیر سے دیکھتی ہے جسے   وہ نقش لوح جنوں پر ابھارتا ہے کوئی
نگاہ لطف کو دل تک رسائی دیتا ہے   مصاف عشق سے دل کو گزارتا ہے کوئی
بقدر ظرف تقاضائے حسن کھلتا ہے   خوشی سے نقد دل و جاں بھی ہارتا ہے کوئی
سمیٹ لیتا ہوں فرط طرب میں کانٹے بھی   کچھ اس ادا سے مجھے پھول مارتا ہے کوئی
وہ لمحہ حاصل کونین مجھ کو لگتا ہے   کہ اپنا کہہ کے مجھے جب پکارتا ہے کوئی
یہ خیر و شر میں کشاکش ہے روز اول سے   بگاڑتا ہے کوئی، اور سدھارتا ہے کوئی
یہ ہار جیت ہے اک رنگ امتحاں احسنؔ   نہ جیتتا ہے کوئی، اور نہ ہارتا ہے کوئی

موجِ سلسبیل میں حمدیہ لحن کے ساتھ ساتھ صوفیانہ اور عارفانہ سرشاری کے ساتھ رب کو پکارنے کا انداز بھی ہے۔مثلاً

سمجھنا چاہوں جو تجھ کو، سمجھ نہ پاؤں تجھے   جو دل میں جھانک کے دیکھوں تو جان جاؤں تجھے
جو نغمہ جنبش تار الست سے پھوٹا   وہ نغمہ شوق کی لے پر نہ کیوں سناؤں تجھے
کبھی تلاش کروں تجھ کو سارے عالم میں   مگر کبھی رگ جاں سے قریب پاؤں تجھے

کبھی پکاروں تجھے کرب و درد کی لے میں — کبھی سرور کے لہجے میں گنگناؤں تجھے
کبھی تو لفظ و بیاں بھی حجاب بن جائیں — کبھی لطیف اشاروں سے جان جاؤں تجھے
یہ جانتا ہوں کہ تو جانتا ہے سب احوال — ہے پھر بھی جی میں سب احوال خود سناؤں تجھے
ہے تو بصیر مگر پھر بھی کیوں یہ حسرت ہے — دل و جگر کے سبھی داغ خود دکھاؤں تجھے
ہے قرب ایسا کہ ہر لمحہ تیرا نقش ظہور — ہے بعد ایسا کہ صدیوں نہ ڈھونڈ پاؤں تجھے
غیاب ایسا کہ عاجز ہوئے سب اہل نظر — شہود ایسا کہ بام نظر پہ پاؤں تجھے

حفیظ الرحمٰن احسن کا فکری زاویہ ''میثاقِ الست'' کی سرشاری سے نمود پاتا ہے تو وہ نعتیہ شعر میں بھی اسی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں:

بسا ہوا ہے نگاہوں میں نورِ صبحِ الست — ازل سے میرا سفر وادیٔ جمال میں ہے

شاعر، مدینہ طیبہ میں بھی ''نورِ صبحِ الست'' اپنی نگاہوں میں بسائے ہوئے ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کی روشنی ہے۔ اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ط (اللہ کی ہستی آسمان و زمین کی روشنی [نور] ہے......۲۴:۳۵) اور نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس و مطہر بھی نوریں ہے۔ (قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ (بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا [محمد رسول اللہ] اور روشن کتاب......۵:۱۵، ترجمہ کنزالایمان)......علاوہ ازیں، شاعر ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہے جن کو اس نور کی پیروی کی سعادت بھی ملی ہے اور اس نور سے وابستہ رہنے کی وجہ سے انعام کے طور پر بامراد ہونے کی نوید بھی دی گئی ہے۔ شاعر کا ایمان اس پر بھی ہے کہ اللہ جسے چاہے اسے ہی نور کی راہ دکھاتا ہے۔

(فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (تو وہ جو اس [نبیٔ کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے......۷:۱۵۷) اور (یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ط (اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔۲۴:۳۵)

نورِ صبحِ ازل جو شاعر کی نگاہوں میں بسا ہوا ہے، مدینہ منورہ میں وہی ہر طرف نظر بھی آرہا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا نور ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ مدینہ منورہ میں کائنات کے خالق کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کا نور سب سے پہلے تخلیق کیا گیا تھا (اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ

نُوۡرِیۡ (یعنی پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا)، ان کی ذاتِ اقدس موجود ہے۔ اس حقیقت سے آشنائی نے یہ بتایا کہ کائنات انسان مرکزیت کا نقش ہے۔ اور دینِ اسلام تو ہے ہی رسول مرکزیت کا دین، جو خیر البشر سید عالم کے وجود کے حوالے سے زندگی کے دوائر بناتا ہے۔

رسول مرکزیت کی ازلی اور ابدی حقیقت کا ادراک اہلِ اسلام کو تو ہے ہی، اب تو زمانہ بھی انسان مرکزیت کے نغمے الاپنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ جدیدیت کی تھیوری ''انسان مرکز'' تھیوری تصور کی جاتی ہے۔ ضمیر علی بدایونی لکھتے ہیں:

''جدیدیت قائم ہے، اپنے تصورِ انسان پر............ایذرا پاؤنڈ کو کہنا پڑا کہ ادب کا کام یہ ہے کہ وہ یہ بتلائے کہ انسان کیا ہے؟ یعنی ادب ایک جمالیاتی میدان ہے جس میں ہم انسان کا مطالعہ کرتے ہیں''۔ (ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعدِ جدیدیت، اختر مطبوعات، ۱۹۹۹ء، ص ۲۷۰)

لیکن اس تھیوری میں انسان مرکزیت کے ساتھ ساتھ انسان پرستی کا عنصر داخل ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ تھیوری حقیقت سے کچھ دور جا پڑی ہے۔ اس کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب انسانی ذہن انسان مرکزیت کی حقیقت کی تفہیم کی طرف آرہا ہے۔

حفیظ الرحمٰن احسن کا ذہنی سفر میثاقِ الست ہی کے لمحے سے جمالِ الٰہی سے وابستگی کا سفر ہے جو مدینہ طیبہ میں پہنچ کر خالقِ جمال کے عکسِ تام کا نظارہ کرنے تک کی منزل طے کر رہا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں۔

یہ بزم ان کی ضیا ان کی چراغاں ان کا — ضوفشاں دہر میں ہے نیر تاباں ان کا

یا

ہے روشن جس کا سینہ سر بسر نورِ نبوت سے — وہی تو ہے دریچے روشنی کے کھولنے والا
اسی نے خاک کے ذروں کو آفتاب کیا — جو موجِ نور اٹھی آستانِ احمدؐ سے

ان اشعار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کی مرکزی ہستی ''خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی کی ہستی ہے۔ شاعرِ موجِ سلسبیل، اسی احساس کے باعث وادیٔ طیبہ میں بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

ع — ازل سے میرا سفر وادیِ جمال میں ہے

جب وادیٔ جمال کا سفر زندگی کی سانسوں کے ساتھ جاری و ساری ہو تو شاعر کی کیفیتِ حضوری اس درجہ راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ کہہ اٹھتا ہے:

منظر نظر میں جب سے ہے اس شہرِ نور کا — سب فرق مٹ گیا ہے غیاب و حضور کا

حمدیہ غزل کے مطلع (ہے وردِ زباں راحتِ جاں نام کسی کا.......... یہ نقد تمنا بھی ہے انعام کسی کا) سے ''نور'' کی جو بات چلی، نعتیہ تخلیقات کے بیشتر اشعار میں اُسی طرح کے نوریں استعارے شاعر کے ذہنی سفرنامے کا حصہ بن رہے ہیں۔مثلاً

پھیلی سی اک ردائے تجلی نظر میں ہے — اڑتا سا اک پھریرا ہے گلبانگ طور کا
فضائے تیرہ میں روشن ہوا وہ ماہِ تمام — سوادِ شام میں پھیلی وہ چاندنی کیسی
بنا ہے مطلعِ انوار ہر گلی کوچہ — میں وقفِ سیرِ کسی ارضِ مہر و ماہ میں ہوں
جمالِ طیبہ و بطحا نظر میں ہے احسنؔ — میں اب بھی مہرِ رسالت کی جلوہ گاہ میں ہوں
یہ دل ازل سے ہے محوِ تجلیاتِ حبیب — مری نگاہ نہیں جلوۂ صنم کے لیے
زبانِ شوق پہ آیا ہے جب بھی اسمِ حضورؐ — بکھر گئی مرے پہلو میں روشنی کیسی

تکمیلِ دینِ متین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ختمِ نبوت کی حقیقت کو جھٹلانے اور کاذب نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو کیسا مُسکِت جواب دیا ہے۔ملاحظہ ہو:

ہے دوں نہاد جو ناقص کہے شریعت کو — خدا کے دینِ مکمل میں اب کمی کیسی؟

دینِ اسلام کی بنیادی اصطلاحات میں ''نور''، ''روشنی'' اور روشنی کے تلازمات ہی کا ذکر ملتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنی ذات کو بھی ''نور'' فرمایا اور اپنے محبوب نبی علیہ السلام کو بھی ''نور'' فرمایا ہے۔چناں چہ نبی علیہ السلام نے بھی، دین کا پیغام ماننے اور اسے دنیا میں پھیلانے والوں کی پہلی جماعت کو نوریں استعارے کی زبان میں پکارا ہے۔فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم (میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کروگے، ہدایت یاب ہوگے)۔

سورۃ النحل کی آیت ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ''وَ بِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ'' ٥ (اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ پاتے ہیں) اسی لیے حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو ''نجوم'' فرما کر روشنی اور اس کے ذریعے سے راہِ ہدایت کے روشن رہنے کا مفہوم برقرار رکھا۔احسنؔ کے شعری نقش میں صحابہ کرام کا ذکر حدیثِ مبارکہ کے تلمیحی اشارے کی صورت میں ہوا ہے:

نجانے کتنے ستارے ہوئے ہیں دفن یہاں — تجلی پھوٹ رہی ہے بقیعِ غرقد سے

اسی طرح جب شاعر کو مرادِ رسول ﷺ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال آتا ہے تو حضورِ اکرم ﷺ کے حُسنِ انتخاب اور دعا و مدعا کا ذکر کس والہانہ انداز میں کرتے ہیں:

بہم شکلِ عمرؓ میں ہے دعا اور مدعا اس کا — وہ انسانوں کو میزانِ نظر میں تولنے والا

حفیظ الرحمن احسن ایک مذہبی اسکالر تھے، اس لیے ان کے کلام میں بننے والے فکری زاویوں کے بیشتر ابعاد، تلمیحاتی ہوتے ہیں۔ان کے کلام میں تلمیحات کی کثرت ان کے مطالعۂ قرآن و حدیث کی آئینہ دار ہے۔مثلاً

وہ آہنگِ حقیقت دینے والا حرف و معنی کو — وہ بس وحیِ الٰہی کی زباں سے بولنے والا

اس شعر کی معنوی روشنی میں قرآنِ کریم کا یہ اعلان شامل ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ٥ اور وہ [محمد ﷺ] کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔(سورۃ النجم ۵۳، آیت ۳)

درجِ ذیل شعر میں ''اُمِّ معبد'' کا ذکر ہے۔یہ وہ خاتون ہیں جو مسافروں کی خبر گیری اور ضیافت کرنے میں مشہور تھیں۔ہجرت کے وقت حضور ﷺ نے ان کی لاغر، کمزور اور دودھ نہ دینے والی بکری کا دودھ، دوہ کر اُمِ معبد، ابنِ اریقط، حضرت ابوبکرؓ کو پلایا، پھر خود آپ ﷺ نے نوشِ جاں فرمایا۔یہ معجزہ دیکھ کر اُمِّ معبد نے اپنے شوہر کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ کا حُلیہ مبارک اس طرح بیان کیا تھا:

''پاکیزہ رو......کشادہ چہرہ......صاحبِ جمال......حُسنِ مجسم......آنکھیں سیاہ......روشن اور فراخ......بال گھنے......سیاہ گھنگھریالے ......آواز میں تمکنت......لمبی گردن......روشن مردمک، باریک و پیوستہ ابرو، خاموش و باوقار، گفتگو دل پذیر اور دل نشین، دلگداز......دور سے دیکھو تو ہمہ رعنائی و دلکشی، قریب سے نہایت دیدہ زیب......مکمل حُسن......شیریں مقال......شگفتہ بیان......واضح کلام، کمی بیشی سے معرّیٰ......باتیں گویا موتی کی لڑیاں پروئی ہوئی......میانہ قد، نہ پست نہ طویل......شاداب نہال......تازہ شاخ......پاک گہر، پاک باز......عالی مرتبت......رفیق ایسے کہ ہر لحہ پروانہ صفت جاں نثار، ساتھی اس کی گفتگو کے وقت ہمہ تن گوش و سراپا سکوت ہو جاتے ہیں۔اس کے ہر حکم کی تعمیل میں ہر شخص سبقت لے جانا چاہتا ہے......مخدوم......مطاع......نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو......ایک کامل و اکمل انسان'' (توفیق الحکیم، ترجمہ و تشکیلِ جدید: عطیہؓ خلیل عرب، مکتبۂ

جدید، لاہور، بارِ سوم: ۱۹۷۵ء ص ۱۵۵)

اُمِّ معبد کا یہ بیان شاعرانہ حسن سے لبریز ہے۔ شاعری، عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس لیے ان کی گفتگو میں فصاحتِ بیاں اور شعری اسلوب نمایاں ہوتا ہے۔ اُمِّ معبد کے اس دلنشین بیان ہی کی بنا پر حفیظ الرحمٰن احسن نے کہا:

جمال خال و خدِ روئے حضرت اقدس   کیا ہے کس نے بیاں بڑھ کے ام معبد سے

اُمِّ معبد کا اسلوبِ ذکرِ رسول ﷺ عرب و عجم کے شعراء کے لیے مثال ہے اس لیے وہ کہیں نہ کہیں اس کے حوالے سے اپنا شعری نقش ضرور بناتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد کا شعر یاد آیا، وہ کہتے ہیں:

سنی اُمِّ معبد سے تعریف تیری   بہت تجھ سے ملنے کو جی چاہتا ہے

حفیظ الرحمٰن احسنؔ کے شعروں میں صوتی تکرار سے مصرعوں کو سجانے کا عمل بھی شعوری ہونے کے باوجود اپنی برجستگی کی وجہ سے بہت دلکش لگتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

گونجا ہوا ہے ان کا ترانہ مکاں مکاں   دہرا رہی ہے ان کا فسانہ اذاں اذاں
ہے جلوہ گاہ طور کا عالم وہاں وہاں   پہنچا ہے ان کا نور نبوت جہاں جہاں
لکھی ہوئی ہے ان کی حکایت ورق ورق   پھیلا ہوا ہے ان کا فسانہ یہاں وہاں
آئے جب آپ، پھیلے اجالے افق افق   ہر منظر جمال تھا پہلے دھواں دھواں
پھیلا ہے ان کا حسن صداقت جہت جہت   چمکا ہے ان کا نور ہدایت کراں کراں
سرشار جام نعت نبیؐ ہے نفس نفس   ہے محو مدح ذات رسالتؐ رواں رواں
اللہ رے اشتیاق کا عالم نظر نظر   ان کی تجلیات کی بارش کراں کراں
احسنؔ تہی نہیں ہو ثناخوان مصطفیؐ   کرتی ہے ان کا ذکر مبارک، زباں زباں!

معنویت کا پھیلاؤ، حسنِ بیاں اور اسلوب کی دلکشی کے ساتھ صوتی نغمگی سے پیدا ہونے والی symphony نے اس شاعری میں عام قاری کے لیے بھی دلچسپی کا سامان پیدا کر دیا ہے اور سخن فہم تو یہ کہہ ہی سکتے ہیں

ع......   ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

حفیظ الرحمٰن احسن کی حمد و نعت میں وفورِ جذبات، سلیقہء اظہار اور احساسات کی لہروں نے نہ صرف تقدیسی متن کو سنوارا ہے بل کہ شعری حسن میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ ان کا ہر شعر

ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظُر

ایک وسیع معنیاتی دائرہ بناتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ذرا خود احتسابی، ندامت اور زندگی کے تائگانی پر تاسف کا اظہاری نقش دیکھیے:

پلٹ کر دیکھتا ہوں جب گزرگاہ حیات اپنی   سیہ دھبہ نظر آتی ہے ساری کائنات اپنی

عصری حسیت نے شاعر کو مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے حوالے سے کتنا سچا بیانیہ (narrative) شعری پیکر میں ڈھالنے کی طرف راغب کیا ہے۔ درجِ ذیل شعر ملاحظہ ہو:

چراغ علم ہاتھوں میں، قدم راہ جہالت پر
نہ کیوں ہوں خندہ زن اہل نظر، پھر میری حالت پر

میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے چند اشعار بغیر تبصرے کے بھی نقل کر دوں:

جواب تشنہ لبی موج سلسبیل بنے   عطا ہو ساغر تسنیم، جام کوثر دے
شب الست میں دیکھی تھی ان کی ایک جھلک   دل و نگاہ میں اب تک وہی سمائے ہیں

کھڑا ہوں منفعل آئینۂ احساس کے آگے
الجھتے جا رہے ہیں دم بدم جذبات کے دھاگے

جمال اسوہ خیرالبشرؐ زیبِ نظر بھی ہے   مگر یہ دل تقاضائے نظر سے بے خبر بھی ہے

ہوائے نفس کے ہاتھوں میں ہے، میری عناں، یارب
کہاں جانا تھا مجھ کو، اور پہنچا ہوں کہاں یارب

عجب خوابوں کے پیچھے دشت شب میں بھاگتا ہوں میں
سحر خیزی کے لطف و کیف سے ناآشنا ہوں میں

پس زندان کرب و یاس ہوں، مجھ کو رہائی دے   ظلام ظلم و غفلت میں کہیں رستہ سجھائی دے
عطا کر مجھ کو ذوق بندگی، شوق اطاعت دے   متاع اتباع اسوہ ذات رسالتؐ دے
جو میرے حق میں بہتر ہے، وہی مجھ کو عطا کر دے   مرے داتا، مرا دامن متاع خیر سے بھر دے!

اے سرزمین لطف و محبت! اداس ہوں   ہے احتیاج سایہ رحمت، اداس ہوں
صحن حرم سے دور ہوں، ہو کس طرح نصیب   نظارۂ جمال کی عشرت، اداس ہوں
مجھ خستہ جاں کو ساتھ لیے جاؤ، دم تو لو   اے عازمینِ قریۂ رحمت! اداس ہوں
سوز دروں سے دل ہے عجب اضطراب میں   کب سے یہی ہے رنگ طبیعت! اداس ہوں

بارِ دل حزیں ہیں جدائی کی ساعتیں — ہو مجھ کو حاضری کی اجازت، اداس ہوں
مجھ کو بھی کاش اذنِ حضوری ہو مرحمت — مجھ پر بھی اک نگاہِ عنایت! اداس ہوں
سمٹا ہے کب سے ایک تصور نگاہ میں — پھیلا ہے کب سے سایۂ حسرت، اداس ہوں
مل جائے کاش مجھ کو بھی زادِ رہِ جہاد — اے رہروان راہ عزیمت! اداس ہوں
ناقہ سوار کون، تصور میں، ہیں رواں — پیش نظر ہے جادۂ ہجرت، اداس ہوں
اس کاروان خیر کو احسنؔ سلام شوق! — ملتی ہے جس کے ذکر میں راحت، اداس ہوں
راہ طیبہؐ کی تجلی سے نظر ہے روشن — روح تابندہ ہے اور دل کا نگر ہے روشن
ان کے قدموں سے جو بکھری تھی سرِ اوجِ فلک — کہکشاں کیا ہے، وہی گردِ سفر ہے روشن
کوئی تابندہ قدمؐ گزرا تھا صدیوں پہلے — آج تک شوق کی اک راہ گزر ہے روشن
نور افشاں ہے زمانے میں عزیمت کس کی — کس کی تدبیر سے تقدیرِ بشر ہے روشن
اسوۂ صاحبؐ معراج کی تابانی سے — منزلِ زیست عیاں، سمتِ سفر ہے روشن
سینۂ اہل خرد، فیض سے انؐ کے تاباں — لطف سے انؐ کے، دلِ اہل نظر ہے روشن
علم خشیت کا امیں، اور ہنر موجبِ خیر — فیض سے کس کے رہِ علم و ہنر ہے روشن؟
دیدۂ شام کو اس زلف معنبر سے فروغ — اس رخِ پاک سے سیمائے سحر ہے روشن
یادِ ایامِ حضوری کا عجب ہے عالم — سوزِ فرقت سے ہر اک داغِ جگر ہے روشن
ہوگیا ظلمتِ عصیاں کا مداوا احسنؔ — یوں ندامت سے مرا دیدۂ تر ہے روشن
فضا مدینے کی جب سے مرے خیال میں ہے — دلِ فگار و حزیں کیفِ لازوال میں ہے
اک ایک ذرہ یہاں کا ہے آئنہ تمثال — وہ بے مثال اسی شہرِ بے مثال میں ہے
یہ انعکاس تجلی کے سلسلے کیا ہیں — اک آئنہ مرے آئنہء خیال میں ہے
مقامِ صاحبِ خُلقِ عظیم کیا کہیے — ہر ایک اوج یہاں درجہء کمال میں ہے
جبینِ دہر پہ کندہ ہے ساعتِ معراج — زمانہ رہگزرِ سیلِ ماہ و سال میں ہے
سوادِ شہرِ رسالت کو ڈھونڈتی ہے نگاہ — دل ایک عمر سے کیفیّتِ سوال میں ہے
دلوں میں عشقِ نبی ہو، لبوں پہ حرفِ اذاں — یہی سبق تو نہاں اسوۂ بلالؓ میں ہے
جو مدح خواں ہے رسولِ کریم کا احسن — وہ سایہء کرمِ ربِّ ذوالجلال میں ہے

طلعت زیبا وجہ سکینت، چہرۂ انور نور کی آیت
ظلمت کفر میں شمع ہدایت، روشن روشن راہِ طریقت
عالم عالم نور کا عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

عہدِ حاضر کی روحانی بے چینی اور دنیا میں پھیلنے والے فکری ارتعاشات کا مُداوا صرف حضورِ اکرم ﷺ کے دامنِ رحمت سے وابستگی میں ہے۔ حفیظ الرحمٰن احسن نے اس خوبصورتی سے ایک رجائی شعری نقش بنایا کہ دل چاہتا ہے گفتگو کا اختتام اسی شعری پیکر پر ہو:

وہ دن قریب ہیں جب ہر نگاہ کا مقصود — جمالِ اسوۂ خیرالانامؐ ٹھہرے گا

ضروری نوٹ: میرے کرم فرما محترم پروفیسر نور ورجان نے پشاور سے، مجھے حکم دیا تھا کہ میں ''موجِ سلبیل'' کا مقدمہ لکھوں۔ یہ تحریر اسی حکم کی تعمیل کا عکس ہے۔ لیکن تاحال اس کتاب کی اشاعت کی نوبت نہیں آسکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے حفیظ الرحمٰن احسن کے کچھ زیادہ اشعار نقل کردیئے ہیں۔ (ع۔ا)

ریاض مجید کا ریاضِ نعت!

دنیا کے واقعاتی، احساساتی، جذباتی اور معاشرتی منظرنامے اور ماحول سے، اکثر شعراء ،غیر مطمئن ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے نقشے میں اپنے آدرش کے مطابق شعری متون (Texts) سے رنگ بھرنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے اور فکری کجی کے شکار شعراء کا تو وہی حال ہوتا ہے جو قرآنِ کریم نے واضح کر دیا ہے:

''اور شعراء کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں (۲۲۴) کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ [شعراء] ہر وادی میں سرگرداں پھر رہے ہیں [بھٹکتے پھرتے ہیں؟] (۲۲۵) اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں (۲۲۶)......☆الشعراء ۲۶...... پارہ ۱۹☆

لیکن صالح فکر رکھنے والے فطرتِ صحیحہ کے حامل شعراء ہمیشہ انسانی فلاح اور بہبود کے خیال کو عام کرنے اور نظامِ حیات کو صالح اقدار سے ہم کنار کرنے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ مسلمان شعراء کے علاوہ بھی ایسے شعراء کی دنیا میں کمی نہیں ہے جو اس آدرش کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔لیکن مسلمان شعراء کے پیشِ نظر ہمیشہ ''حکومت الٰہیہ'' کا وہ نقشہ رہتا ہے جو حضور اکرم ﷺ نے تاریخِ انسانی کے عہدِ زرّیں میں قائم کر کے دنیا کو دکھائی تھی۔جس حکومت کے تحت وہ معاشرہ وجود میں آیا تھا جو افلاطون کی یوٹوپیاں (Utopia) یعنی خیالی اعلیٰ اقدار کے مظہر (Tangible/Visible) معاشرے سے بھی بہت زیادہ اعلیٰ وارفع معاشرہ تھا ۔نعت گو شعراء اسی فکری میلان کی بدولت اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں کہ............

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(نبیء کریم علیہ السلام کی ذات، آپ کی صفات اور آپ کے لائے ہوئے نظام تک رسائی حاصل کرلو!اصل دین صرف اُن ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ورنہ دنیا میں تو صرف کفر ہی کفر ہے)(اقبال)

اقبال ہی نے ہمیں یہ پیغام دے کر شعورِ ملی عطا کیا ہے کہ:

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
ما ز حکمِ نسبت او ملتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم

(رسالت ہی کی وجہ سے بحیثیت امت دنیا کے نقشے پر ہم نمودار ہوئے اور رسالت ہی کے طفیل ہمیں دین اور دستورِ حیات میسر آیا۔ہم اسی رسالت کی نسبت سے ایک ملت بن کر عالمِ انسانیت کے لیے باعثِ رحمت ہیں)(رموزِ بیخود......اقبال)

نعت گو شعراء بالعموم اور ریاض مجید صاحب بالخصوص اپنی نعتوں میں یہی پیغا دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے اجتماعی لاشعور میں حضورِ اکرم ﷺ کا تصور ایک Archetype ہے۔از روئے قرآن حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہماری پوری زندگی کے لیے نمونہ ہے۔عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

''اِنَّ خُلُقَ نَبِیّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰن......وہ تمام اخلاق و اوصافِ حمیدہ جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں آپ ﷺ میں بدرجہء اتم موجود تھے''۔

محمد حسن عسکری کہتے ہیں:

''فنی اظہار کامیاب اس وقت ہوتا ہے جب شاعر بذاتِ خود Archetype کو بیان کی قید میں لانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اس سے اپنا ایک شخصی اور ذاتی رشتہ قائم کرے اور اس رشتے کو اظہار کا موقع دے''۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر شعراء،نعتیہ اشعار میں حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے اپنا ایک شخصی اور ذاتی رشتہ قائم کرنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔جن شعراء کو قرآنِ کریم اور احادیث و سیَر کی آگاہی میسر ہے وہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کا بیان کرنے میں کامیاب رہتے ہیں جیسے......احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کے اشعار میں بڑی خوبصورتی سے Archetype بیان کیا ہے۔

نقطہء سرِّ وحدت پہ یکتا درود — مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود — حق تعالیٰ کی مِنّت پہ لاکھوں سلام

ریاض مجید صاحب کے کلام میں ہمیں نبیء کریم علیہ السلام کی ذات وصفات سے گہرا تعلق جھلکتا نظر آتا ہے۔چناں چہ وہ ذات کے بیان میں بڑی احتیاط سے کہتے ہیں:

ہر ایک سطر ہے قرآں کی رُونمائے نبیؐ — ورق ورق اُنہیں اُمّ الکتاب میں دیکھوں

حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے محبت ہونے کے باوجود ریاض مجید صاحب نے براہِ راست آپ ﷺ کی ذات کے حوالے سے بہت کم شعری متن تخلیق کیا ہے۔انھوں نے جدید نعت نگاری کا وہ اسلوب اپنایا ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بنی نوعِ انسان کے لیے سیرتِ پاک سے استفادہ کرنا ضروری ہے اس لیے ریاض مجید کا مسلک یہ ہے:

طرزِ اظہار، خواہ کیسا ہو؟ رُو بہ سیرت رہے فضائے نعت

کلیاتِ ریاض مجید میں ہمیں شعری بنت کے سیکڑوں زاویئے اور اظہار کے رنگارنگ اسالیب ملتے ہیں۔نمایاں موضوعات اور اسالیب کی بھی اگر فہرست بنائی جائے تو بڑی طویل ہوگی۔ بہرحال چند موضوعات کا ذکر ضروری ہے:

(۱) کیفیتِ حضوری......(۲) دوبارہ حاضری کے امکانات پر مسرت کا اظہار......(۳) غلامی کی سند حاصل ہونے کا امکان......(۴) نعت کہنے کی سرشاری......(۵) نعت کہنے کی مشکلات...... (۶) عہدِ حاضر میں طاغوتی قوتوں کے شر سے بچنے کے لیے استمداد......۷) جدید نعت کی متنی ترجیح کا اظہار......(۸) مسلمان ہونے کا ازلی انعام......(۹) حاضری کے خیال کا تخلیقی تاثر......(۱۰) طیبہ کی حاضری کے آداب......(۱۱) حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت نہ کرنے کی حسرت......(۱۲) مدینے پہنچنے کی تڑپ......(۱۳) مدینے پہنچنے سے قبل ثمرِ اشتیاق کے پک جانے کا خیال......(۱۴) شریعت کی متابعت کی ترغیب......(۱۵) حاضری کی تمنا کا رجائی پہلو...... (۱۶) قرآنِ کریم کی سطر سطر کا رونمائے نبی ہونا......(۱۷) غزل کا نعت سرشت ہوجانا......(۱۸) درودوں کی کثرت......(۱۹) زیارت کی آرزو......(۲۰) عصری حسیت کا تخلیقی نوحہ......(۲۱) سفرِ مدینہ کا طبیعتوں پر اثر......(۲۲) کیفیات وارداتِ قلبی کا تخلیقی اظہار......(۲۳) مدینے سے واپسی کا منظر......(۲۴) اشتیاقِ حاضری......(۲۵) تہجد کی برکات......(۲۶) روبہ طیبہ ہونے کی ترغیب ......(۲۷) حبِ نبی ﷺ میں اویسی نسبت......(۲۸) فراقِ طیبہ کی کیفیات کا اظہار......(۲۹) حضورِ اکرم ﷺ کے دربار میں سلام عرض کرنے کی کیفیت اور حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے سلام کا جواب آنے اور سلام گزار پر آپ ﷺ کی نگاہِ التفات پڑنے کا یقین......(۳۰) حضورِ اکرم ﷺ کی پیروی ہی درست ہے......(۳۱) روحوں کی تشنگی صرف مدینے پہنچ کر ہی دور ہوسکتی ہے...... (۳۲)

درورد خوانی کی ترغیب......(۳۳) اشکوں کی زبانی التجائیں......(۳۴) مشکل قوافی میں نعتیہ متون......(۳۵) استغراق کی آرزو......(۳۶) مدینے سے واپسی کا منظر......(۳۷) غزل کی تازہ کاری اور متنِ نعت کی نیرنگی......(۳۸) نعت کی تخلیق کا انعکاس ......(۳۹) ذکر نبی ﷺ کرنا لازمی ہے......(۴۰) مشکل قوافی کا استعمال......(۴۱) اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم کا ذکر......

......تخریج:۔سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: افضل خاکسار/اجمل سرو۔

میں نے اس فہرست میں محض چند تخلیقی رجحانات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ کلامِ ریاض مجید میں حقیقتاً ہر جا، جہانِ دیگر کی نمود ہے۔ان تمام موضوعات اور اسلوبی ندرت کے شعری نمونے بھی میں نے جمع کیے ہیں۔لیکن یہاں سب کے سب اشعار پیش کرنا ممکن نہیں۔ ویسے بھی کلیات میں تمام موضوعاتی رنگ ڈھنگ کے اشعار موجود ہی ہیں۔ البتہ دل چاہتا ہے کہ ریاض مجید صاحب کی ترکیب سازی کی ایک جھلک دکھادی جائے۔ تاکہ ان کے تخلیقی وجدان کا تجدد پسند رجحان سمجھنے میں کچھ سہولت ہو۔ترکیب سازی ہر شاعر کے ہاں ہوتی ہے لیکن جس اہتمام سے موصوف کے کلام میں ملتی ہے اس کی مثال کم کم دیکھنے میں آتی ہے۔ترکیب سازی میں شاعر دو یا دو سے زیادہ مختلف الجہت والمعنٰی، الفاظ کو ایک لڑی میں پرو کر معنویت کا ایک نیا جہان تخلیق کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اویسی نسبتیں، ہالۂ انوار، حلقۂ ابرار، اَسرار کی فرماں روائی، اقلیمِ حیرت ،صدائے پائے امکانات، شاخِ نعت، پسِ الفاظ و ماحولِ معانی، جبریلِ لفظ، شبِ الفاظ، نعت آمادہ، ''حیّ علی النّعت'' ،حرمِ شاعری، جنت مثال، عرش نظیر، ہجوم شعلہ، سیلِ شرر، قرضِ ہنر، خیراتِ معانی، اسالیبِ نعت کی شاخیں، نعت آشنا، منظرِ جاں، ''حضور واضطراب'' ''غیاب وجستجو''(یہاں اقبال یاد آگئے)، ہوائے مغفرت آثار، احترام آبادِ طیبہ، حسن افزونیٔ جنت، ثمرِ اشتیاق، اویس حال، لشکریانِ شکستہ صف، حدِ امکان، نُورِ مقید، تجلی کے ذخائر، سکینت کے جزائر، میمِ مشدّد، اقلیمِ حیرت، جذبِ مقیّد، تہجد کے سکینت خیز لمحے، شفاعت آشنا، محیط روح، غروبِ جاں، ساعتِ بیدار، لمحۂ پرّاں، محیطِ دل ودیدہ، نعت مست، سرمایۂ گداز، دُرود مست، حضور بخش، اویسی فراق، نعت آمادہ، مدحت اسلوب، تجلّی گیر مستی، حضوری بخش وجد، کیفِ لاشعوری، مغفرت رنگ، سکینت اثر، اَسرار نما، شوقِ ادب آثار.................. ......وغیرہ وغیرہ

میں نے کلیات سے، تراکیب کی تلازماتی شان دیکھنے کے لیے، سمندر میں سے چند

موتی چن کر یہاں پیش کیے ہیں۔ورنہ بقول اقبال:

ع ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ

میں ریاض مجید صاحب کے کلام میں ان کے وجدان کی زرخیزی، لسانیاتی شگفتگی، اظہاری وفور، شوقِ فراواں اور جذبِ دروں کی شدت محسوس کر رہا ہوں......اور کیوں نہ ہو انھوں نے اپنی فنی صلاحیتوں اور فکری رفعتوں کے حصول کے لیے جو کوہ پیمائی کی ہے اس کے باعث انھیں کہکشاؤں تک رسائی حاصل ہوگئی ہے۔تراکیب کی یہ کہکشاں دیکھ کر مجھے ٹی ایس ایلیٹ کے یہ الفاظ یاد آ گئے:

''شاعر کا دماغ لاتعداد احساسات، تراکیب و بندش اور امیجز کو گرفت میں لانے اور جمع رکھنے کے لیے ایک ظرف کے مانند ہے کہ جہاں وہ اس وقت تک موجود رہتے ہیں جب تک وہ سارے ذرّات، جو ایک نیا آمیزہ بنانے کے لیے متحد ہوسکتے ہیں۔ایک ساتھ جمع ہو کر ایک نیا مرکب نہ بن جائیں''

بلاشبہ ہنر پروری اور فن پژوہی ریاض مجید صاحب کے آئینِ نعت نگاری کا جزوِ لاینفک ہے۔وہ خود کہتے ہیں:

ہے نعتِ نبیؐ آج زمانے کی ضرورت اس ذوق کو ہے آگے بڑھانے کی ضرورت

اقدار جو اعلیٰ ہیں ہُنر کی ، اُنہیں اِس میں ہے خاص قرینے سے کھپانے کی ضرورت

نعتیہ شاعری کے لیے ریاض مجید کا آدرش بھی بلند ہے۔اس لیے شعری ہنر کی بلندیوں کو چھونے کی، ان کی کوشش بیشتر کامیاب رہتی ہے۔

ریاض مجید صاحب کے کلام میں ان کی کیفیتِ استغراق، تہجد کے ہنگام دل پر وارد ہونے والی واردات، مراقبات میں کائناتِ خیال میں نمودار ہونے والے مناظر اور ہمہ وقت طبیعت پر چھا جانے والی سرشاری نے ان کے کلام کو سرِّ جاں اور رازِ دل کا کشاف بنا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں معنیاتی بوقلمونی، فکری ضوریزی، اظہاری کشش اور ادب نگاری کے اسالیب جمع ہو گئے ہیں۔

کلیات میں بیشتر نعتیہ کلام ''غزل طور'' لکھا گیا ہے۔غزل کے معنیاتی زاویوں میں محبوب سے براہِ راست باتیں کرنے کا عمل اور شکاریوں میں گھر جانے کے وقت ہرن کی بے چارگی کی آواز کا درد شامل ہوتا ہے۔یعنی غزل خالص ''موضوعی''، ''داخلی'' (Subjective) صنفِ سخن ہے۔نعت کے لیے اس سے زیادہ موزوں شاید کوئی اور ہیئتی صنف نہیں ہے۔ریاض مجید نے نعتیہ شعری روایت میں

شامل تقریباً سب ہی ہیئتی اصناف میں اپنی تخلیقی صلاحیت کا جوہر دکھایا ہے۔لیکن نعتیہ غزلوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔کلیات میں مجھے ایک قصیدہ بھی ملا ہے۔اس قصیدے کی خواندگی سے ریاض مجید کی قدرتِ کلام کا احساس ہوتا ہے۔فن آگاہی اور اصنافِ سخن کے تخلیقی تقاضوں کی جانکاری سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعر پر فنی رموز اور اظہاری لطافتوں کے ایک سے زیادہ دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں کلیات سے کچھ کلام کا نمونہ بھی پیش کر دوں......ملاحظہ ہو:

کیفیتِ حضوری:

اویسی نسبتیں دُوری میں بھی سرشار رکھتی ہیں
کہیں پر بھی رہیں، سرکارؐ کی خدمت میں رہتے ہیں

جذبِ فن:

ہوگیا ہے جس دن سے ، لحنِ ذات نعت آہنگ
جذبِ فن کو لگتی ہے بات بات نعت آہنگ!

ریاض مجید نے ذکرِ نبی ﷺ کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے:

بہ صد خلوص و ہزار احترام کرنا ہے ہمیں تو ذکرِ نبیؐ صبح و شام کرنا ہے

امتِ مسلمہ کے مختلف طبقات، فروعات میں الجھنے کے باعث، اختلافات کا شکار ہیں۔نعتیہ شاعری وہ واحد صنف ہے جس میں آ کر بیشتر مختلف الفقہ، مختلف المسالک، مختلف المذاہب شعراء ایک ہی ذات ﷺ کی محبت عام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ریاض مجید کا تو نعرہ ہی ''حیَّ علی النعت'' ہے اس لیے وہ بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں:

ہم اہلِ نعت فروعات میں الجھتے نہیں ہمیں تو تیریؐ محبت کو عام کرنا ہے

اُتارنی ہے درُودی مٹھاس سانسوں میں خوشا یہ ذکر کہ جس کو مدام کرنا ہے

حضورِ اکرم ﷺ کے دربارِ اقدس میں حاضری کا لمحہ اس خوبی سے شعری پیکر میں ڈھلا ہے کہ ایک پورا منظر عکس بند ہو گیا ہے:

ہونٹ پر الفاظ ' جالی پر نظر ٹھہری ہوئی
دل کی دھڑکن تک ہے اُس دربار پر، ٹھہری ہوئی

ریاض مجید نے شاعرانہ ''وجدان'' کو ''حرا'' سے تشبیہ دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ...........آتے

ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں.....لیکن ساتھ ہی نعت گوئی کے لیے ''غمِ ندامت واشکِ الم'' کی شرط بھی لگادی:

غمِ ندامت و اشکِ الم سے ہوتی ہے — حرائے نعت کی تزئین ،غم سے ہوتی ہے

غمِ ندامت واشکِ الم.....کی شرط کے ساتھ جب وہ فکرِ نعت کرتے ہیں تو ان پر آمد کو وفور رہتا ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں:

سُنی نہ دیکھی کہیں جو کِسی مثال میں نعت — وہ پھِر رہی ہے ابھی تک مرے خیال میں نعت
ستارے مثلِ حروفِ ثنا چمکتے ہیں — سجا کے لائی ہے شب کہکشاں کے تھال میں نعت

نعت کہتے ہوئے الفاظ کے کھوکھلے پن کا احساس ہوتا ہے تو انھیں نبی ءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اصحاب یاد آجاتے ہیں جو حضورﷺ کے اوصاف کی علم برداری کا فریضہ انجام دے کر عملی نعت تصنیف کرتے تھے:

اِک ایک آپؐ کے اوصاف کا علم بردار
مَیں دیکھتا ہوں سب اصحابؓ کی مثال میں نعت
خوشا کہیں ہے ابوبکرؓ اور کہیں ہیں عمرؓ
کہیں جمال میں جھلکی، کہیں جلال میں نعت
کہیں بہ صورتِ عثماںؓ، کہیں بشکلِ علیؓ
کہیں حیا پہ، کہیں فقر کے کمال میں نعت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ذکر نکلا ہے تو ایک شعر اور ملاحظہ فرمالیجیے:

ہوں وہ صدیقؓ و عمرؓ یا ہوں وہ عثمانؓ و علیؓ — ہے صفِ اصحابؓ ساری آئینہ دَر آئینہ

''کمال میں نعت'' میں قافیہ ہے ''کمال'' اور، ردیف ہے ''میں نعت''.....اس زمین میں ریاض مجید صاحب نے ''ھسپتال'' کا قافیہ باندھ کر ایک طرف تو قافیہ پیمائی کی ندرت ظاہر دکھائی ہے، دوسری طرف اس قافیے کو تخلیقی لمحے کی عین ضرورت اور ''حسبِ حال'' بنانے کے لیے اپنے ذاتی لمحہءاذیت کو آمدِ نعت کی سرشاری سے مبدل کر دیا ہے۔

ریاضؔ، بہرِ شفائے علی* کمسن _ آج — دُعا کے بعد لکھی ہے یہ ہسپتال میں نعت

اس مقطعے کے ضمن میں ریاض مجید لکھتے ہیں:

☆''اپنے بیٹے محمد علی مجید کے بچپن میں ایک آپریشن کی رات ہسپتال میں لکھی گئی''......اس شعر کی آمد اور نعتیہ اشعار کی بنت میں شاعر کی زندگی کا ایک تجربہ شامل ہوگیا۔اس لیے نعت نہ صرف شاعر کے اندیشوں کا مداوا بن کر حیطۂ تخلیق میں آئی بلکہ شعری متن کا زندگی کے زندہ لمحوں سے براہِ راست رشتہ جڑ گیا۔

دوبارہ حاضری کے امکانات پر مسرت کا اظہار:

کرم اُس ابرِ گوہر بار کا پھر ہونے والا ہے — یہ عاصی پھر، سرِ دربار حاضر ہونے والا ہے
کرم کا سوچ کر آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں — ہُوا کیا اور کیا کیا میری خاطر ہونے والا ہے؟
جہاں اَسرار کی فرماں روائی ہے ہر اک شے پر — دل اُس اقلیمِ حیرت کا مسافر ہونے والا ہے
ہمکتی ہے صدائے پائے امکانات شہ رگ میں — تصور، شہرِ مستقبل کا زائر ہونے والا ہے

نعت کہنے کی مشکلات:

رسائی میں نہیں تخلیقِ نعت کا لمحہ — یہ سدرہ وہ ہے کہ جبریلِ لفظ تھک جائے

شعراء میں استغراق کی کیفیت کا اشعار میں جھلکنا تو عام بات ہے ،لیکن مراقبات کا مشاہداتی ذکر کہیں کہیں ملتا ہے۔ریاض مجید کے ہاں ان کی عملی زندگی کا مراقباتی مشاہدہ، فنی خوبی اور شدتِ احساس کے ساتھ شعری بنت میں آیا ہے۔ملاحظہ ہو:

مراقب ہو کے جب صلِّ علیٰ کا ورد کرتا ہوں حد امکان تک اسمِ محمدؐ پھیل جاتا ہے
سراپا روشنی میں ڈوب جاتا ہے ہر اک جانب فضا میں یوں جمالِ نورِ احمدؐ پھیل جاتا ہے!
وجود اپنا ہواؤں میں، فضاؤں میں، خلاؤں میں، مجھے یوں چاروں جانب پھیلتا محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے دائرہ در دائرہ ہر سو کوئی نقطہ خود اپنی ذات کے مرکز سے بے حد پھیل جاتا ہے
طراوت، حسن، زرخیزی سبھی الفاظ اُس اک نسبتِ نورانیت سے معتبر محسوس ہوتے ہیں
وہ کیسا سائباں ہے؟ جس کی رحمت بار چھاؤں کی اماں میں رفتہ وامروز وآئندہ کی نسلیں ہیں؟
خیال آتا ہے جب محشر کی گرمی کا دل و جاں پر گھٹا بن کر شفاعت کا وہ برگد پھیل جاتا ہے
سمٹ جاتا ہے دنیا کا ہر اک منظر رسولِ پاکؐ کے اسمِ گرامی کے تجلّی بار حرفوں میں
زمیں کی وسعتوں اور آسماں کی بے کراں پہنائیوں میں ہر طرف میمِ مشدّد پھیل جاتا ہے
فضا کو ڈھانپ لیتی ہے کسی نادیدہ پُراسرار جنت کی خوشی، حرفوں کے نافے یوں مہکتے ہیں

لبوں پر یا محمدؐ جس گھڑی آتا ہے اس لمحے درود پاک کا جذبِ مقیّد پھیل جاتا ہے
قریب اپنے کوئی نورانیت بہتی ہوئی محسوس ہوتی ہے تہجد کے سکینت خیز لمحوں میں
شفاعت آشنا ماحول دل کو گھیر لیتا ہے محیط روح تک احسانِ ایزد پھیل جاتا ہے

اس پوری نعت پر ایک احساساتی ہالۂ نور ضوریز ہے۔ میں نے یہاں چند اشعار پیش کیے ہیں۔ پوری نعت کے اشعار زیادہ ہیں۔ اہلِ تصوف عمومی طور پر اور نقشبندی سلسلے کے اکابر واصاغر بالخصوص ''مراقبات'' میں محو رہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مراقبات، مشاہدات اور الہامات کا ذکر ''فیوض الحرمین'' میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ ریاض مجید کی اس نعت میں الہامی کیفیت، مراقباتی مشاہدہ اور قلبی واردات کے ارتعاشات آئینہ در آئینہ ہر شعر میں منعکس ہیں۔ اس نعت کی بنت میں فنی دربست تو ہے ہی، روحانی ترفع کی منازل طے کرنے کی طرف بھی اشارہ مل رہا ہے.......... شاعر کی روحانی بہجت کی سچائی کا حال تو یہ ہے کہ اس کے تو مراقبے میں بھی ''گنبدِ خضرا'' ہی ہمکتا ہے:

مراقبے میں ہمکتا ہے گنبدِ خَضرا　　مثالِ خُلد مہکتا ہے گنبدِ خَضر

خالص فنی حوالے سے چند نکات پیش کر دینے کو اور دل چاہتا ہے۔

عروضی میدان میں فتوحات حاصل کرنے والے شعراء کے ہاں، شعری بنت میں کاریگری کا تو مشاہدہ کیا جاتا ہے لیکن بیشتر شعراء کے ہاں شعریت کا خون ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ جو لوگ موزوں طبع بھی ہوں اور جنھیں وجدان کی روشنی بھی میسر ہو، وہ عروضی بیدار مغزی کے ساتھ ساتھ شعریت کے تقاضے بھی پوری کرتے ہیں۔ ریاض مجید صاحب کے ہاں زود گوئی، قادر الکلامی اور فنی دروبست کا لحاظ رکھنے کی روش بھی ملتی ہے لیکن وہ شاعری کے بنیادی وصف ''شعریت'' (Poetical pre-requisites) کے رموز سے آگاہی کا بھی ثبوت دیتے ہیں۔ عروضی جانکاری کے لیے تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ ان کے کلام کی تخریج بھی عروضی پیمانوں کی روشنی میں کی گئی ہے اور ان کی پوری کتاب کا لوازمہ عروضی اوزان و بحور کی روشنی میں تقطیع کے عمل سے گزار کے پیش کیا گیا ہے......

تخریج:۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: افضل خاکسار /اجمل سروش............ کا مکمل لوازمہ (Matter) کلیات کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ یہاں صرف چند نعتوں کی عروضی تخریج کے نمونے پیش کیے جاتی ہیں:

ہو گیا ہے جس دن سے لحنِ ذات نعت آہنگ　　چشمِ فن کو لگتی ہے بات بات نعت آہنگ

بحر کا وزن: ''فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلان''

بحر کا نام: (بحرِ ہزج مثمن اشتر مسبغ)

کتنے اچھے بخت ہمارے ہم ان سے منسوب ہوئے
ان کی امّت سے ہیں جو دنیا بھر کے محبوب ہوئے

بحر کا وزن: ''فعلن فعِلن فعلن فعِلن فعلن فعلن فعِلن فعلن''

بحر کا نام: (بحرِ متدارک مقطوع ومخبون مضاعف)

مرحبا! وِلا سرشت جذب کا نزول ہے　　دل درود مست محوِ مدحتِ رسولؐ ہے

بحر کا وزن: ''فاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن''

بحر کا نام: (بحر ہزج مثمن مقبوض اشتر الصدر والابتدا)

مرے خواب زندگی بھر رہے بے زبان مولیٰ　　نہ ملا لغات ان کا کوئی ترجمان مولیٰ

بحر کا وزن: ''فعِلات فاعلاتن فعِلات فاعلاتن''

بحر کا نام: (بحرِ رمل مثمن مشکول)

نشانِ اقلیمِ روشنی کا نظر میں رکھنا　　ریاضؔ سوئے مدینہ خود کو سفر میں رکھنا

بحر کا وزن: ''فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن''

بحر کا نام: (بحرِ متقارب مسدس مقبوض اثلم مضاعف ''بارہ رکنی'')

نوٹ: اس کلام کی تقطیع ''بحرِ جمیل مسدس''، جسے ''بحر بلا اسمی'' بھی کہتے ہیں (مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن) میں بھی کی جا سکتی ہے۔

وہ مرتضیٰ منتخب محمدؐ، وہ مصطفیٰ مجتبیٰ محمدؐ　　رسولِ رحمت لقب محمدؐ پیمبرِ حق نما محمدؐ

بحر کا وزن: ''فعول فعْلن فعول فعْلن فعول فعْلن فعول فعْلن'' اور ''مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن'' دونوں درست ہیں۔

بحر کا نام: اول الذکر وزن کی بحر (بحرِ متقارب مثمن مقبوض اثلم مضاعف) مؤخر الذکر وزن کی بحر (بحرِ جمیل مثمن سالم)

ثنا و مدحتِ سرکارؐ سے مشرف کر　　زبانِ گنگ کو اظہار سے مشرف کر

بحر کا وزن: ''مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن''

بحر کا نام: (بحرِ مجتث مثمن مخبون محذوف مسکن)

غفلت رہی ہمیشہ انا گیر یارسولؐ ہر کارِ خیر میں ہوئی تاخیر یارسولؐ

بحر کا وزن: ''مفعول فاع لات مفاعیل فاع لان''

بحر کا نام: (بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور)

کَرَمِ بے حسابِ رب دیکھیں پھر مدینے کے روز وشب دیکھیں

بحر کا وزن: **پہلے مصرع کا وزن:** ''فِعِلاتن مفاعلن فعُلن''

دوسرے مصرع کا وزن: ''فاعلاتن مفاعلن فعُلن''

نوٹ: پہلے مصرع کا لفظ ''کَرَمِ بے'' ''فِعِلاتن'' کے وزن پر ''کَرَ مے بے'' آرہا ہے جو کہ جائز ہے۔ مرزا غالبؔ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

دِلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

پہلے مصرع میں لفظ ''دلِ ناداں'' ''فِعِلاتن'' کے وزن پر ''دلِ نادا'' آرہا ہے۔ تاہم مذکورہ بالا اوزان ایک ہی بحر کے ہیں جس کا نام درج ذیل ہے:

بحر کا نام: (بحرِ خفیف مسدس مخبون محذوف مسکن)''

ہو گیا ہے جس دن سے لحنِ ذات نعت آہنگ.......... سے.....کَرَمِ بے حسابِ رب دیکھیں.....تک جتنے بھی نمونے دیئے گئے ہیں وہ سب افضل خاکسار/اجمل سروشؔ، کے تخریجی عمل سے مقتبس ہیں۔ میں عروضی حوالے سے کوئی رائے دینے کے قابل نہیں ہوں۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ عروضی جانکاری کے باوجود اچھی شاعری کے نقوش قائم کرنا ریاض مجید صاحب کا اختصاص ہے۔

اب ذرا ''غزل طور'' لکھی گئی نعتوں کے چند اشعار اور ملاحظہ فرمالیجیے تا کہ کلیات میں شامل کلام کی ''شعری قدر'' (Poetic worth) کا کچھ اندازہ ہو سکے:

نجات بخش تری پیروی زمانے کو حیات چل کے تری راہ پر درست ہوئی

خیال وخواب میں اُن کی طرف جھکاؤ رہے وہ مِل ہی جائیں گے، نیّت اگر درست ہوئی

اپنی اپنی تشنہ روحوں کے تہی کاسے لئے ہیں جہاں بھر سے رواں سائل مدینے کی طرف

بدن کہیں بھی ہو روحِ ریاضؔ کو یارب! سدا کے واسطے دربارِ شاہؐ میں رکھنا

اُن کی جانب نیت ونسبت سفر کی رکھ ریاضؔ رُو بہ طیبہ ہو گئے جو، صاحبِ منزل ہوئے!

دِل و مزاج کے پیدائشی اویسیؓ ہیں ہم اہلِ جذب یہ نسبت ازل سے رکھتے ہیں

بہ فیضِ حُبِّ نبیؐ فخر اپنے فن پر ہے لبوں پہ آپؐ کی مدحت ازل سے رکھتے ہیں

سلام پڑھتے ہوئے ہم نہ دیکھ پائیں مگر جواب دیتے ہوئے وہ تو ہم کو دیکھتے ہیں

رہ صبح و شام اُن کی ولا میں دُرود مست ہر سانس ، وردِ صلِّ علیٰ کے سپرد کر

کر شاہِ دیں کی نذر ہر اک جذبۂ حسیں دل کی متاع ، اُن کی وِلا کے سپرد کر

یادِ حرم میں وقتِ تہجد ریاضؔ رو پھر اپنے اشک ، بادِ صبا کے سپرد کر

گنہ آلود چہرے اشک سے دھلوائے جاتے ہیں
مواجہ پر، پھر اس کے بعد زائر لائے جاتے ہیں

کِیا جاتا ہے صیقل ، جاں کو احساسِ ندامت سے
یہاں لانے سے پہلے چشم و دل چمکائے جاتے ہیں

ہے لطفِ خاص اُن کی رحمتَ للّعالمینی کا
مدینے میں ہم ایسے رُو سیہ بھی پائے جاتے ہیں

حرم میں ہے ریاضؔ ، اللہ اکبر! کیا مقدّر ہے!
کرم کا سوچ کر آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

غزل کی عمارت، قافیے پر کھڑی ہوتی ہے۔ قافیہ آسان ہو تو مضمون کی بنت میں مفہوم اور نفسِ مضمون سمونے کی سہولت میسر آجاتی ہے۔ قافیہ مشکل ہو تو بات بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ لیکن دشوار قوافی کے ساتھ اگر کوئی سلامت روی سے شعریت سے لبریز شعر کہہ سکے تو بقول شاعر یہی کہا جاسکتا ہے:

ع.....بات اس کی ہے جو بنالے جائے

ریاض مجید صاحب کے ہاں مشکل قوافی کے نمونے دیکھ کر ان کی قادرالکلامی، زبان پر قدرت اور فصاحت شناسی کے جوہر کھلنے لگتے ہیں:

کرے جو کیف محبت میں طاق، ایسا ہو حضور بخش ، اویسی فراق ایسا ہو!

تری ولا کے چراغوں سے ہو یہ دل روشن ‏ ‏ ‏ ‏ شہا ! یہ دل تری مسجد کے طاق ایسا ہو
صدا ہو صلِّ علیٰ کی ہر ایک دھڑکن میں ‏ ‏ ‏ ‏ دل و درود میں کچھ انطباق ایسا ہو!
جو ترجماں ہو شریعت نما طریقت کا ‏ ‏ ‏ ‏ ثنا گری کا سیاق و سباق ایسا ہو
لبوں تک آتے ہی دربارِ شاہؐ میں پہنچے ‏ ‏ ‏ ‏ ہر ایک لفظ ثنا کا ، براق ایسا ہو
ہوں حشر میں ترے سائے میں نعت خواں تیرے ‏ ‏ ‏ ‏ ملک بھی رشک کریں ، طمطراق ایسا ہو!
دلِ ریاضؔ میں کوثر دھلے خیال اتریں ‏ ‏ ‏ ‏ مراقبات میں بالاتفّاق ایسا ہو!

یا

ہجرِ طیبہ میں زندگی ہے اُچاٹ ‏ ‏ ‏ ‏ ڈھول اُڑاتے ہیں ماہ و سال کے گھاٹ
ظن و تخمیں سے باہر آپؐ کی شان ‏ ‏ ‏ ‏ بے نتیجہ ہیں لفظ ولحن کے باٹ
سر ہر دو جہاں ضیاء آثار ‏ ‏ ‏ ‏ آپؐ کی رحمتِ مدام کی لاٹ
طیبہ میں آیا ہے مجحوب ، ریاضؔ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر پہلو سے کم تر' ناخوب ، ریاضؔ
رہتا ہے نعتوں کے ماحول میں غرق ‏ ‏ ‏ ‏ حب مست و بے حال و مجذوب ریاضؔ
تیری رحمت سے ہے سرشار ، ہر آن ‏ ‏ ‏ ‏ نعت آمادہ ، مدحت اسلوب ریاضؔ
اُس شہنشاہِؐ معظّم کی حضُوری میں رہے ‏ ‏ ‏ ‏ روح ہر پل ایک استغراقِ نُوری میں رہے
یوں نبھائی جائے اے دل سنتِ حضرت اویسؓ ‏ ‏ ‏ ‏ روح سرشاری میں ، پیکر ناصبوری میں رہے

مشکل قوافی کا بہترین شاعرانہ استعمال دیکھنے کے لیے ایک اور نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

دل کی دعا ہے یہ تری چوکھٹ کی خشت ہو ‏ ‏ ‏ ‏ اور اِس حوالے رشکِ ہزاراں بہشت ہو
آنسو فراق طیبہ میں بہتے رہیں مدام ‏ ‏ ‏ ‏ ویراں کسی بھی' رُت میں نہ جذبوں کی کشت ہو
کیا نیک ہے سبیل ولائے رسولؐ کی ‏ ‏ ‏ ‏ جو اہل درد ہو ، وہی اہلِ بہشت ہو
رونا ہی ہے تو یاد میں شہر نبیؐ کے رو ‏ ‏ ‏ ‏ اے چشم اشکبار! مدینہ سرشت ہو
میرے بیانیوں میں حوالہ ہو نعت کا ‏ ‏ ‏ ‏ عنوانِ زیست میرا ثنا سرنوشت' ہو
اس نعت داں کی صحبتِ صالح ملے ریاضؔ ‏ ‏ ‏ ‏ طیبہ شناس ہو جو مدینہ سرشت ہو

قصیدے میں ردیف کی طوالت اور قافیے کی تنگ دامانی کے باوصف اچھے اشعار نکالے

ہیں:

کیا عرض ہو ممدوحِؐ خدا سے بہ رہِ راست ‏ ‏ ‏ ‏ ہے جس کی فضیلت ہمہ خلقت سے زیادہ!
تو شافعؐ محشر ہے شہنشاہِ معظّم ‏ ‏ ‏ ‏ بے شک ہے محبت تجھے امّت سے زیادہ
رحمت جو تری عام ہے' اے رحمتِؐ عالم ‏ ‏ ‏ ‏ رحمت ہے یہ ہر وسعت و کثرت سے زیادہ
اطراف میں جو کچھ بھی ہے موجود و میّسر ‏ ‏ ‏ ‏ کب ہے تری نعلین کی قیمت سے زیادہ
اِس رشتہ و پیوند سے مغرُور جہاں میں ‏ ‏ ‏ ‏ مطلوب نہیں کچھ تری نسبت سے زیادہ
امّت جو ترےؐ سایۂ رحمت میں پلی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ کیا ہو طلب اُس کی تریؐ شفقت سے زیادہ

قصیدے کے یہ اشعار بڑے سہل قوافی میں، بڑے رواں دواں ہیں۔اس قصیدے میں بعض قوافی بہت ادق بھی ہیں جنھیں دیکھ کر عبدالعزیز خالد کا اسلوب یاد آ گیا۔مثلاً

ربّا! کرمؑ اس امّتِ ماندہ پہ کرم کر! ‏ ‏ ‏ ‏ اِدبار بڑھا جاتا ہے روز اس کا زیادہ
گرداب میں سنگین مسائل کے پھنسی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ حوصلہ انداختہؑ یہ عزم فتادہ
شرطبعؑ بد اندیش حریفوں کے مقابل ‏ ‏ ‏ ‏ ہے برسرِ پیکار یۂ بے تیغ و عزادہ

قصیدے میں ''عزادہ'' کے علاوہ بھی مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شاعر موصوف نے خود ہی ان الفاظ کی معنوی گرہ کشائی بھی کر دی ہے۔ملاحظہ ہو:

''(۱) ہزارہ:Millennium (۲) مبادا: آغاز، ابتدا، منبع (۳) عزادہ: جنگی آلہ از قسم منجنیق (۴) آدہ: پرندوں کے بیٹھنے کی چھتری، لکڑی یا دھات کی بیٹھک، پرندوں کا اڈا (۵) وسادہ: بالین، سراہنے (۶) لادہ: بے عقل (۷) بلادہ: نابکار، بدکار (۸) فلادہ: عبث، بے فائدہ، بے ہودہ (۹) کبادہ: بدنام، رسوا، بے آبرو''۔

کلامِ ریاض میں غزل کی تازہ کاری اور نعتیہ متن کی نیرنگی کے نمونے دیکھنے کے لیے درجِ ذیل اشعار لائقِ توجہ ہیں:

آنکھ تکتی ہے ہر اک راہ پہ اَنوار عجب! ‏ ‏ ‏ ‏ قریۂ خیر ہے وہ شہرِ خوش آثار عجب!
رنگ بھر دیتی ہے الفاظ میں نسبت اُنؐ کی ‏ ‏ ‏ ‏ مہک اٹھتے ہیں وَرق پر گل و گلزار عجب!
خلوت آرا ہیں کئی طیّب و طاہر ارواح ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھ کے سامنے ہے قریۂ دیدار عجب
دل ہُوا جب سے مشاہد ترا، اُس کی حالت ‏ ‏ ‏ ‏ دمِ احساس عجب ہے ، دمِ اظہار عجب!

دے اپنی یادِ عافیت آثار سے قرار　　اس قلبِ مضطرب میں، سکینت اُتار دے
دھندلا نہ جائیں آپ کی سیرت کے خدوخال　　دل آئینے سے زنگِ کسالت اُتار دے
احساسِ منتشر کو ہو آسودگی نصیب　　جانِ حزیں سے کوہِ عزیمت اُتار دے
لحنِ ریاضؔ میں تری نسبت کا نُور ہو　　اُس کے ہنر میں رنگِ ارادت اُتار دے

نعت کی تخلیق کا ہمہ وقت خیال اور تخلیقی وجدان کا طبیعت پر مسلسل اثر رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر شب وروز مدحتِ آقا ﷺ ہی کی فکر میں رہتا ہے:

سُنی نہ دیکھی کہیں جو کِسی مثال میں نعت　　وہ پھِر رہی ہے ابھی سے مرے خیال میں نعت
ستارے مثلِ حروفِ ثنا چمکتے ہیں　　سجا کے لائی ہے شب کہکشاں کے تھال میں نعت

ریاض مجید جب ثنائے رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے فکر کرتے ہیں تو آمد کا لمحہ ان کے لیے انتہائی نشاط کا لمحہ ہوتا ہے۔ اس انبساتی کیفیت کا اظہار کس خوبی سے شعری قالب میں ڈھلا ہے، ملاحظہ ہو:

چھپائے سے نہیں چھپتی نشاطِ دیدہ و دل　　ثنا سے پھوٹتی ہے انبساطِ دیدہ و دل
نواحِ جاں میں اجالا ہے یادِ طیبہ سے　　سجی ہے نورِ نبیؐ سے بساطِ دیدہ و دل

کلیاتِ ریاض کی سرسری خواندگی کے وقت مجھے بار بار یہ احساس ہوا کہ یہ کلام جزئیات کی باریک بینی اور احساساتی ہالے کی شعری بنت کی فنی عمدگی (Artistic perfection) کے باضابطہ مطالعے کا متقاضی ہے۔ جو کلیات کے مقدمے کے لیے لکھی جانے والی تحریر میں ممکن نہیں۔ ٹی ایس ایلیٹ ایک بار پھر یاد آ گیا:

''جذبات اور اس کے متعلق حصوں کی عظمت اور گیرائی کی اس قدر اہمیت نہیں ہے جتنی فن کارانہ عمل کی اس شدت اور اس دباؤ کی ہے جس سے یہ گھل مل کر ایک ہو جانے کا عمل وجود میں آتا ہے''۔

اس بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے کلیاتِ ریاض مجید بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ تب ہی یہ عقدہ کھل سکتا ہے کہ تقدیسی مضامین، شدتِ احساس کے ساتھ شعری بنت میں ڈھالنے کے لیے شاعر کا کتنا خون صرف ہوا ہوگا۔ میں کلیاتِ ریاض مجید کی اشاعت پر انھیں مبارک باد دیتا ہوں۔

....

۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق: ۲۴؍ نومبر ۲۰۱۹ء

انجم نیازی کی نعتیہ شعری کائنات!

غارِ حرا جبلِ نور کی چوٹی پر ہے۔ یہاں قرآن کی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کا نزول ہوا تھا۔ ان آیات میں پڑھنے کا حکم ہے۔ فرمایا گیا کہ انسان جو کچھ نہیں جانتا تھا اللہ نے اسے قلم کے ذریعے سکھایا۔ اس طرح پڑھنے کا عمل ''علم میں اضافے'' کا باعث ٹھہرا اور ''قلم''، علم سیکھنے اور علم پھیلانے کا آلہ قرار پایا۔ علم سیکھنا اور پھیلانا، دونوں کام قلم کی مدد ہی سے انجام پاتے ہیں۔

علم غیر مرئی روشنی ہے اور اس کا پھیلنا یا پھیلانا 'خوشبو' بکھیرنے کا عمل ہے۔ انجم نیازی نے اپنے مجموعۂ نعت کا نام ''حرا کی خوشبو' رکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی مدح و ثناء کے عمل کو حرا کی خوشبو پھیلانے ہی کا عمل سمجھتے ہیں اور بجا طور پر اپنی سوچوں میں خوشبو بسی رہنے کی تمنا کرتے ہیں:

میری سوچوں میں بسے خوشبو نبیؐ کے نام کی　　میری سوچوں میں یہی اک روشنی زندہ رہے

''حرا کی خوشبو' دراصل تعلیماتِ نبوی پھیلانے کی طرف ایک علامتی اشارہ بھی ہے......

انجم نیازی کے شعری منہاج سے اس اشارے کی وضاحت اس طرح ہو رہی ہے کہ انھوں نے صرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ ہی کا نہیں بل کہ جابجا، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں) کا ذکر بھی کیا ہے۔ کیوں کہ ''حرا کی خوشبو' پھیلانے میں سب سے نمایاں، فداکارانا، مخلصانہ اور اہم کردار نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کا اعلان فرمایا تو دین کی خوشبو پھیلانے کے لیے نبی علیہ السلام کے بعد ان کے مخلص ساتھیوں ہی کا چناؤ کیا۔ چناں چہ ان مقدس ہستیوں ہی کے ذریعے نبیء کریم کے پردہ فرمانے کے بعد نظامِ حیات علیٰ منہاج نبوت چلایا گیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی خوشبو پھیلانے کا ایسا انتظام کیا گیا کہ قیامت تک کے لیے نہ صرف قرآن کی حفاظت ہوگئی بل کہ حضورِ اکرم ﷺ کی احادیث میں آپ ﷺ کے اقوال، اعمال اور آپ کی خاموش اجازت (تقریر) کا احوال بھی محفوظ کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صداقت آشنا شاعر نبی علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر بھی لازمی کرتا ہے۔ انجم نیاز نے اس ذکر کی کثرت کے باعث ایک اختصاصی مقام حاصل کر لیا ہے۔ وہ بجا طور پر کہتے ہیں:

لوگ اکثر شاعرِ اصحابؓ کہتے ہیں مجھے ان کی خاطر، روز و شب بے تاب کہتے ہیں مجھے
بے عمل ہوں مغفرت کا اک سہارا ہے ضرور آپ کا ہر اک صحابی جاں سے پیارا ہے ضرور
میں نے مختص کر لی اپنی چشمِ تر ان کے لیے مضطرب رہتا ہوں میں شام وسحر ان کے لیے
میرے خواہش ہے کہ ان کی خوبیاں لکھتا رہوں شوق سے میں آسماں کو آسماں لکھتا رہوں
ان کے صدقے آپ مجھ پر مہربانی کیجیے میرے حالِ زار پر آقا توجہ دیـــــجیـــــے

مزید کہتے ہیں:

ترے اصحاب سے مجھ کو محبت کیوں نہ ہو آقا کسے اونچے، گھنے، ٹھنڈے شجر اچھے نہیں لگتے
کم نہ ہوگا مرتبہ اُس کے ستاروں کا کبھی آپ ہی انجم وہ اُن کا مرتبہ طے کر گیا

آخری شعر میں حدیثِ پاک **"اصحابی کالنجوم بایھم اقدیتم اھتدیتم"** (میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت یاب ہوگے) کی طرف واضح تلمیحی اشارہ ہے۔

انجم نیازی کے شعری نگار خانے میں حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے بہت زیادہ لافانی نقوش ملتے ہیں۔ درجِ بالا اشعار ان میں سے چند ہیں جو ان کے محبِّ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہونے کی گواہی دینے کے لیے کافی ہیں۔

انجم نیازی کی مدح نگاری میں کتاب کے نام ''حرا کی خوشبو'' کا یہ اثر ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو نبیءِ کریم کی فیض رسانی کے احوال سے مملو کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

زمیں کے باسیوں میں عرش سے اتری ہوئی انجم
کُھلے دل سے وہ جنت کی فضائیں بانٹ دیتا ہے

اس شعر میں حضورِ اکرم ﷺ کی آمد کے بعد معاشرے میں جو ''سلامتی'' کا دور دورہ ہوا اس کا پورا نقشہ عکس بند ہوگیا ہے۔ ذرا جاہلیت کے زمانوں کو تصور میں لایئے اور پھر نبیءِ محتشم ﷺ کی تعلیمات کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔ یہاں انجم نیازی نے شعری زبان میں انسانی معاشرے کو ''ظـلـمـت'' سے '' نـور'' کی جانب بڑھتے ہوئے دکھایا ہے۔ اسی لیے زمین کے باسیوں میں حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے عرش سے اتری ہوئی جنت تقسیم کرنے کا حوالہ دے کر خوبصورت image بنائی ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ انسانی دنیا میں جب آپ ﷺ کی رحمت کا بادل برسا تو تاریک ایام کا لمحہ لمحہ جگمگانے لگا اور عرصہءِ حیات میں بہاروں کا چلن عام ہوگیا۔ یہ تاثر شعری image میں اس طرح ڈھل کر سامنے آتا ہے:

جبینیں ڈُھل گئیں لمحوں کی صدیاں جگمگا اُٹھیں
وہ بے آواز بادل کی طرح جی بھر کے برسا ہے

ذرا درجِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ کس خوبصورتی سے نبیءِ کریم علیہ السلام کی آمد کے ثمرات کا نقشہ کھینچا گیا ہے!

کبھی نہ آتی کہیں سے خوشبو ،کہیں نہ کوئی گلاب کھلتا
ازل سے اب تک جہاں جہاں بھی زمیں پہ جو کچھ ہوا نہ ہوتا
نہ صبحیں آ کر سلام کرتیں نہ راتیں ہم سے کلام کرتیں
اگر جبینِ فلک پہ اسمِ رسولِ رحمت لکھا نہ ہوتا

اسی کی رہبری سے کام چلتا ہے زمانے کا
وگرنہ ہر جگہ ہر قافلہ گُم ہوکے رہ جائے
لوگ بستے تھے مگر پھر بھی تھی اجڑی اجڑی
تو نے جب اس کو بسایا تو بسی ہے دنیا
سینکڑوں صدیوں کی گمراہی سے چھٹکارا ملا
کتنا با برکت ہے اس دنیا میں آنا آپؐ کا
آپؐ کے آنے سے بدلا ہے مزاجِ کائنات
سب زمانوں سے مقدس ہے زمانہ آپؐ کا
ہماری دنیا میں کیا رکھا تھا جو شاہِ بطحا ملا نہ ہوتا
وہاں پہ لوح وقلم نہ ہوتے یہاں پہ غارِ حرا نہ ہوتا

انجم نیازی کو نعت کہنے کے ساتھ ساتھ نعتیہ متون (Texts) کی متانت اور نزاکت کا بھی دھیان رہتا ہے۔ اس لیے وہ جا بجا ایسے اشعار بھی کہتے رہتے ہیں جن میں ان کا تنقیدی شعور جھلکتا ہے:

نعت کہنے کا سلیقہ بے ادب لہجہ نہ ہو   تنگ ہو جائے زمیں تجھ پر کہیں ایسا نہ ہو

لفظ وہ بے کار ہیں جن میں نہ ہو پھولوں کی باس
شعر وہ کس کام کا جو شہد سے میٹھا نہ ہو

بھیجنا چاہو تو بھیجو شوق سے لاکھوں دُرود
شرط ہے آواز کا شعلہ مگر اُونچا نہ ہو

میں اکثر سوچتا ہوں خود کو لا کر سامنے اُس کے
یہ کشتی کتنی چھوٹی ہے سمندر کتنا گہرا ہے

نظر بے نور ہو تو نعت کہنا ہے بہت مشکل   زباں ناپاک ہو تو گوہر افشانی نہیں ملتی

انجم نیازی نے حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کے حوالے سے تمام معصوم انبیاء کرام پر آپ ﷺ کی فوقیت کا صداقت آفریں اظہار کیا ہے۔ کیوں کہ وہ راست فکر کے شاعر ہیں اور ان کی نظر میں معصومیت کا اعزاز صرف انبیاء کرام ہی کو ملا تھا اس لیے نبی ءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے قبل آنے والے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کے بعد ختم الرسل ﷺ ہی اعزازِ معصومیت سے سرفراز کیے جانے والے رسول ہیں۔ شعر دیکھیے:

دنیا میں اور بھی ہیں مگر آپ آپ ہیں   معصوم تو کئی ہیں مگر آپ آپ ہیں

اس شعر کو انجم نیازی کی فکرِ راست کا آئینہ جانتے ہوئے ''معصومیت'' کا اشارہ صرف انبیائے ماسبق کی طرف ہی سمجھا جانا چاہیے۔

انجم نیازی نے عظمتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اپنے شعری نگار خانے میں مختلف لونی عکس بکھیرے ہیں مثلاً

ہر اک پیکر سے بڑھ کر ہے مقدس آپ کا پیکر
ہر اک کردار کم تر آپ کے کردار کے آگے

آدمی کیا پتھروں پر بھی اثر انداز ہے   آپ کی آواز میں اللہ کی آواز ہے
آپ کا نقشِ کفِ پا دیکھنا کارِ ثواب   آپ کے قدموں کی مٹی چومنا اعزاز ہے
وہی مخلوق میں لاریب یکتا اور لاثانی   اُسی کی ذات رب کے بعد زیرِ آسماں اچھی

امتِ مسلمہ کے زوال اور دین سے دوری کے باعث حساس شعراء نے اکثر استغاثائی

متون سے لبریز شاعری کی ہے۔ انجم نیازی نے بڑی درد بھری نوا میں آقا ﷺ کو پکارا ہے:

تو مرے ماتھے پہ قیمت لکھ دے اپنے ہاتھ سے
میں کہیں سستا نہ بک جاؤں سرِ بازار پھر
اے مرے آقا مجھے اک بار دے پھر حوصلہ
گرتے جاتے ہیں مری ہمت کے سب مینار پھر
چھوٹ جائے پھر نہ انجم سے کہیں دامن ترا
تیز ہوتی جارہی ہے وقت کی رفتا پھر

انجم نیازی بڑی خوبصورتی سے اپنی جاں سپاری کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں:

روشنی کا لمحہ لمحہ روشنی پر واردوں   آپ ہی کی دین ہے یہ آپ ہی پر واردوں

بُری نظروں سے انساں جب کوئی دیکھے تری جانب
سرِ میدان انجم بن کے تیغ بے نیام آئے

عشقِ رسالت مآب ﷺ کا معیار یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی سے انسان کا وجود جگمگا جائے۔ انجم کہتے ہیں:

اتنا ہو دل میں عشق رسالت مآب کا   سارا وجود صلِّ علیٰ بولنے لگے
اس کی رحمت کا اگر ہر شخص پر سایہ نہ ہو   پھر کہاں کی کہکشائیں پھر کہاں کی روشنی

مومن کی دوستی کا معیار یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے لوگوں سے دوستی رکھے اور دشمنانِ رسالت و دین سے دشمنی رکھے۔ اس خیال کی اظہاری شان دیکھیے:

آپ کی شانِ رسالت کے نہیں جو معترف   میری ایسے دشمنوں سے دشمنی زندہ رہے

مدینہ منورہ کی پہلی حاضری کے حوالے سے انجم نیازی نے بڑی بہجت آمیز شاعری کی ہے:

جو عہد کیا تھا آقاؐ سے وہ عہد نبھانے والا ہوں
اک شہر جو سارا خوشبو ہے اس شہر میں جانے والا ہوں
ہر داغ پُرانا دھونا ہے، اس نور میں شامل ہونا ہے
اس میلے بدن کو لے جا کر کرنوں میں نہانے والا ہوں
میں زندہ رہوں یا مر جاؤں، روضے کی زیارت کر جاؤں

جو بوجھ اٹھانا مشکل ہے، وہ بوجھ اٹھانے والا ہوں
مدینے کے گلی کوچوں میں لے جائیں گے یہ آخر
مرے بہتے ہوئے آنسو مری یہ چشمِ تر مجھ کو
محمدؐ کی غلامی کرکے خود کو سرخرو کرلوں
ٹھہرے دل میں پہلے اپنے اشکوں سے وضو کرلوں
نبی کا عشق ہے اس میں بہت محتاط رہنا ہے
میں خود کو آشنائے لذتِ لا ترفعوا کرلوں

انجم نیازی کی شاعری اقبال کی شاعری کی طرح پیغام رسانی کا اعلامیہ ہے۔اس لیے وہ دعا کرتے ہیں:

مسلماں جو اس دور میں سوگئے ہیں　　　مری شاعری سے تو ان کو جگا دے

اگر سلسلہء نبوت نہ ہوتا تو انسان اس دنیا میں اپنی شناخت سے بھی محروم رہتا۔انسان کے ذہن میں اپنے اور کائنات کے بارے میں اور ارض وسما میں پھیلی ہوئی مخلوقات کی تخلیق کا سہرا کس ہستی کے سر ہے یہ جاننے کے لیے صرف اور صرف علمِ وحی کی رہنمائی کام آسکتی ہے۔اس لیے انسان کے دل و دماغ کو پریشان کرنے والے ہر سوال کا جواب حضورِ اکرمﷺ کے درِ اقدس سے تعلق پیدا کرنے کے بعد ہی مل سکتا ہے۔انجم نیازی اس حقیقت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

ترے در پر نہ دوں جب تک میں دستک　　　سوالوں کی گرہ کھلتی نہیں ہے

نبی علیہ السلام نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے فرمادیا تھا کہ میرے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے کاذب بھی پیدا ہوں گے۔متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے مسلم عوام کی اپنے پیروں اور روحانی پیشواؤں کی اندھی تقلید کے رجحان کو دیکھ کر ہی یہاں ایک کاذب نبی پیدا کردیا تھا۔اس ضمن میں انڈیا آف لائبریری کی ایک رپورٹ کا اقتباس پیش کرنے سے بات واضح ہوجائے گی۔ملاحظہ ہو::

"Majority of the Population of the country blindly follow their "Peers" their spiritual leaders. If at this stage, we succeed in finding out some who would be ready to declare himself a Zilli Nabi (apostolic prophet) then the large number of people shall rally around him. But

for this purpose, it is very difficult to persuade someone from the Muslim masses. If this problem is solved the prophet hood of such a person can flourish under the patronage of the Government. We have already overpowered the native governments mainly pursuing a policy of seeking help from the traitors. That was a different stage, for at that time, the traitors were from the military point of view. But now when we have sway over every nook of the country and there is peace and order everywhere we ought to undertake measures which might create internal unrest among the country." (Extract from the printed report. India Office Library, London).

''ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے پیروں اور روحانی رہنماؤں کی اندھی تقلید کرتی ہے۔اگر اس موقع پر ہمیں کوئی ایسا شخص مل جائے، جو ظلی نبوت (حواری نبی) کا اعلان کردے۔ایسی صورت میں وہ اپنے گرد پیروکاروں کو اکٹھا کرسکتا ہے۔لیکن اس مقصد کے لیے اس کو عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا،اس شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا کر برطانوی حکومت کے لیے مفید کام لیا جاسکتا ہے۔ہم نے مقامی حکومتوں کو پہلے ہی ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں کہ غداروں سے معاونت حاصل کی جائے۔اُس وقت مسلح غداری ہوئی تھی اور صورت حال اور تھی۔اب جب کہ ہم نے ملک کے طول و عرض پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے اور ملک میں ہر جگہ امن وامان ہے،ہمیں ایسے قدامات اٹھانے کی ضرورت ہے جو ملک میں اندرونی شورش پیدا کریں'' (ڈاکٹر ریاض مجید، کلیات:نعتیہ دیباچے،نعت اکادمی،فیصل آباد،جولائی ۲۰۲۰ء،ص۱۸۸)

برطانوی حکومت کی عیارانہ چال نے پاکستان بننے کے بعد بھی کاذب نبی کے پیروکاروں کی ریشہ دوانیاں کو تقویت دی۔چناں چہ تا حال اس فتنے سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا ہے۔معاصر نعت گوئی میں ختم نبوت کے حوالے سے متن کی بُنت کا رجحان اسی لیے زور پکڑ گیا ہے۔انجم نیازی بھی اس قلمی جہاد میں حصہ لینے کی غرض سے ختم نبوت کے اشعار کہتے ہیں:

کوئی نبی نہ ہوگا ہمارے نبی کے بعد　　　کیا کام جگنوؤں کا بھلا روشنی کے بعد
اب نہ آئے گا کوئی لے کر نبوت کا چراغ　　　وہ ہمیشہ کے لیے یہ مسئلہ طے کرگیا

انجم نیازی کی نعتیہ شاعری میں خیالات کی کہکشاں،تلمیحات کے انجم اور تشبیہات کی روشنی سے کتابِ دل کے تمام آفاق روشن ہیں۔موضوعات کے تنوع اور اسالیب کی دھنک نے اس شعری

صحیفے کو مزید نکھار بخشا ہے۔

اس مجموعے میں ایک بلا عنوان مثنوی ہے جس کی ابتدا، اس شعر سے ہو رہی ہے:

آپ کی نعتیں میں لکھ لکھ کر سناؤں آپ کو   کس طرح راضی کروں کیسے مناؤں آپ کو

اور......ایک قصیدہ ''کوئی سورج ترے جیسا نہیں ہے''......دونوں تخلیقات معرکہ آرا ہیں۔ مجموعی طور سے تو نعتیہ غزلوں کا پلہ بھاری ہے، جن میں لہجے کی دلکشی اور جذبے کی حرارت نے جان ڈال دی ہے۔ تاہم ان تخلیقات کی شمولیت نے شاعر کی قادرالکلامی کے نقوش کو مزید گہرا اور جاذبِ نظر کر دیا ہے۔

میں انجم نیازی کی ایک خوبصورت تمنا کے اظہاریے پر اپنی بات مکمل کرتا ہوں:

اتنا ہو دل میں عشق رسالت مآب کا   سارا وجود صلِّ علیٰ بولنے لگے

حمد و نعت و منقبت لکھتا رہوں تا زندگی
میں حسیں پھولوں کی اس مہکار میں ڈوبا رہوں

....

۲۳ر جمادی الاول ۱۴۴۲ھ: مطابق: ۸ر جنوری ۲۰۲۱ء

ریاض حسین چودھری کا ارژنگِ فن!

تقدیسی ادب میں خیال کی شعری تشکیل بہت آسان سمجھی جاتی ہے، کیوں کہ عموماً بیانیہ لہجہ اختیار کیا جاتا ہے اور شاعر نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بجائے منظوم خیالات کی مالا سجا دیتا ہے۔ یوں، عموماً اس نظمانے (Versification) کے عمل سے تقدیسی شاعری کا دامن بھر دیا جاتا ہے۔ لیکن حساس شعراء، تقدیسی افکار کی بنت میں بھی شعریات (Poetics) کے معیارات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے شعری متن کو حساسیت، فن آگاہی، جذبے کی شدت اور زبان و بیان کے خوبصورت پیرائے سے مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی تقدیسی شاعری صرف مافیہ (Content) کی وجہ سے پرکشش نہیں ہوتی، بل کہ اظہار کی نفاست اور حسنِ بیاں کی وجہ سے بھی لائقِ توجہ ہو جاتی ہے۔ ریاض حسین چودھری نے زندگی بھر تقدیسی شاعری کی۔ تقدیسی اصناف، حمد و نعت ان کی شعری دانش اور فکر و فن کا ہمیشہ ہی جزوِ لاینفک رہیں۔ انھوں نے اپنے ستھرے شعری مذاق اور عشقِ نبوی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے پُر اخلاص اظہاریئے کا سہارا لیتے ہوئے عمر بھر حمدیہ و نعتیہ متون کے گلاب کھلائے۔ وہ مقلد شاعر نہیں تھے۔ انھوں نے مجتہد شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں اظہارات کی دھنک پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ انھوں نے حمدیہ و نعتیہ غزلوں میں عصری حسیت کے ساتھ لہجے کی تازگی کے نقوش بنائے ہیں۔ آزاد نظم میں شدتِ احساس کے رنگ بکھیرے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نئی صنف ایجاد کر کے اپنی تخلیقی جبلت (Creative instict) کے جوہر دکھائے ہیں۔ اکائی میں ان کی نظمیں ویسے تو نظمِ معریٰ کی ہیئت میں لکھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان نظموں کا ہر مصرع کسی ایک ''عنوان'' کے تابع کسی خیال کا شعری متن بنا ہے۔ اس طرح وہ نظمیں مروجہ اصناف میں نئے تخلیقی پیکر کی صورت میں جزوِ فن بنی ہیں۔ ریاض حسین چودھری نے حمد میں زیادہ تر استغاثے کا آہنگ اپنایا ہے اور اس میں شہر آشوب کی کیفیات سمودی ہیں۔ نعت میں اپنی کامل سپردگی کا عکس نمایاں کیا ہے۔ اپنی اور اپنی اولاد کے حوالے سے غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ کے میثاق کی بار بار تجدید کی ہے۔ امتِ مسلمہ کی کھوئی ہوئی شوکت کی بازیابی کے لیے حضور ﷺ سے دعاؤں کی التجا کی ہے۔ حمد میں براہِ راست دعا و مناجات سے لبریز جذبات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کی

بارگاہ میں رسولِ کریم علیہ السلام کے واسطے سے التماس گزرانی ہے۔ان کے شعری ارژنگ میں ایک خیال کے ہزار ہا پہلوؤں کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔

ریاض حسین چودھری کے فن میں لفظوں کی ترکیب سازی کا ہنر بہت نمایاں ہے۔وہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو یکجا کر کے اظہار میں تنوع کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت اور وسیع معنوی دائرہ بھی بنا دیتے ہیں۔مثلاً

جوارِ گنبدِ خضرا،سرِ لوحِ گماں،حصارِ خوف،فراتِ عشق،بتانِ عصرِ نو،غبارِ مصلحت،زرِ فقر و غنا،اعزازِ نسبت،جرمِ ضعیفی،اسلوبِ غلامی،شعاعِ عفو،عروسِ غزل،رعنائی خیال،شمیمِ سحر،شاخِ قلم،کشتِ عمل،حصارِ سرمدی،ناقۂ حرفِ ثنا،آیتِ عشقِ نبی......جیسے لسانیاتی مرکبات اس بات کا ثبوت ہیں کہ شاعر کو لفظیاتی مرکب سازی کا بھر پور شعور حاصل ہے اور وہ اُفقِ فن پر معنیاتی دھنک رنگ پھیلانے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔

حمدیہ نظموں اور غزل طور لکھی ابیات پر انھوں نے جو عنوانات قائم کیے ہیں وہی متن کی معنوی گرہ کشائی کر رہے ہیں۔مثلاً

☆ یاخدا! میرا قلم رقصِ مسلسل میں رہے

☆ شعورِ بندگی سے یاخدا مجھ کو مشرف کر

☆ نعتِ ختم المرسلیں لکھتا رہوں

☆ میرے ہاتھوں پہ گھر کی بشارت بھی تحریر کر

☆ یاخدا، زخمی قلم، زخمی زباں سجدے میں ہے

☆ ردائے شامِ تذبذب بکھر بکھر جائے

آزاد اور معریٰ نظموں میں بھی شاعر کے جذبے کی حرارت کے باعث خیال کی معنیاتی ترسیل اور احساسات کی پُرکشش تجسیم دیدنی ہوگئی ہے۔مثلاً

جب ہوا کے لب پہ بھی مہکیں تر و تازہ گلاب

جب صبا صحنِ چمن میں وجد کے عالم میں ہو،

ہر طرف خوشبو جلائے جب چراغِ آرزو

ہر کلی کے ہاتھ میں بھی موتیوں کے ہار ہوں

جب لبِ تشنہ پہ بوندیں آسمانوں سے گریں

جب دھنک کے رنگ اتریں مرغزاروں میں ہزار

جب گریں شبنم کی بوندیں پھول کے رخسار پر — جب محبت ہر دریچے میں جلے بن کر چراغ

ہر طرف گاتی پھرے میرے سخن کی روشنی — شہرِ طیبہ کی ہواؤں سے کروں میں گفتگو

(یاخدا! میرا قلم رقصِ مسلسل میں رہے)

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، ریاض حسین چودھری نے ایک نئی صنف بھی ایجاد کی ہے۔اس میں یک لفظی عنوانوں کے تحت، حمدیہ و نعتیہ مصرعے رکھے ہیں جو اپنی معنوی جہت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ شدتِ تمنا کے عکاس بھی ہیں......مثلاً

یاخدا!

دے تو شعورِ بندگی کی روشنی..............یاخدا!

محرومیوں کی راکھ ہے سر پر سوار..............یاخدا!

میرے لہو میں ہیں ہوس کی بجلیاں..........یاخدا!

دامن میں دے آسودگی کے پھول بھی......سلام

رحمتِ عالم، سلام میرِ اممؐ..................سلام

مخبرِ صادق، امین، نورِ ازل..............سلام

ندرتِ افکار کا جلال و جمال...........سلام

محسنِ اعظم، سلام دل کے مکیں..............نعت کیا ہے؟

دلکشی ہی دلکشی انوار کی..................نعت کیا ہے؟

حجلۂ جاں میں ادب کی کہکشاں..............نعت کیا ہے؟

ہادیٔ اعظمؐ کی توصیف و ثنا..................سید المرسلیںؐ!

آپؐ سردار نبیوں، رسولوں کے ہیں..............سید المرسلیںؐ!

آسماں آپؐ کے ہیں، زمیں آپؐ کی..............سید المرسلیںؐ!

آپ مقصودِ تخلیقِ کون و مکاں.................آ قاؐ!
فضائے نعت کا ہر سانس کو گداز...........آ قاؐ!
رہیں درود کی ٹھنڈک میں میرے لب................آ قاؐ!
ملیں مواجہہِ اقدس کی ساعتیں

ریاضِ حمد و نعت میں غزل طور لکھی گئی نعتوں میں فکری تنوع اور عصری حسیت کے حوالے سے کہیں برملا اور برہنہ اظہاریہ ہے اور کہیں امیجری میں ملبوس متنی پیکر ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خوف کے گرداب سے کشتی مری آئی نکل
جیب و داماں میں پڑے ہیں آج بھی کچھ ڈر جدا
آج بھی ہر طرف جبرِ شب کا دھواں، آج بھی ہیں اُڑی امن کی دھجیاں
ہر صدا ہے مری آج بھی بے اثر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر
اپنے اپنے مفادات کی قید میں، دل کے رشتوں کا کوئی بھرم کیا رکھے
زندگی بن گئی رغبتوں کا سفر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر
خود ستائی کے ہیں کاغذی پیرہن، میرے خارش زدہ جسم کی خاک پر
سامنے زندگی کا کٹھن ہے سفر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر
یہاں ہوائیں بھی رو رہی ہیں، دکھوں کی فصلیں اُگی ہوئی ہیں
ہدف قضا کا بنا ہوا ہوں، حضورؐ، میرا خیال رکھئے
مرے ہیں چاروں طرف مسائل، ہے روح اندر سے میری گھائل
مَیں ٹھوکروں میں پلا ہوا ہوں، حضورؐ میرا خیال رکھئے

کوئی چہرہ نہیں فاروقِ اعظمؓ کی طرح روشن   کئی چہرے ہیں آقاؐ سامنے جھوٹی قیادت کے
شام بستی کی منڈیروں سے اٹھاتی ہے چراغ   قافلے والے بھلا بیٹھیں نہ اپنا راستہ

ریاض حسین چودھری نے اظہارِ فن کے لیے اپنا ایک الگ اور منفرد اسلوب دریافت کیا ہے اور وہ خاصی حد تک اپنے تخلیقی ارژنگ میں اپنی انفرادیت کے جوہر دکھانے میں کامیاب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں **تعلی** آمیز اشعار بھی، اظہارِ حقیقت کے آئینہ دار لگتے ہیں:

دھنک اسلوبِ مدحت کی ودیعت کی گئی مجھ کو   سخن بانٹے حروفِ نو غزل کی اپسراؤں میں

کرتا رہا غزل سے جو مَیں نعت تک سفر   ملکِ سخن میں سوچ کی ہجرت یہی تو ہے
اسلوبِ ثنا سب سے جدا پایا ہے میں نے   اربابِ سخن نے مرا لہجہ نہیں دیکھا

شاعر کو اپنے وطن کی اسلامی اقدار سے مسلسل دوری کا غم ہے اور وہ برملا پاکستان کے حوالے سے استغاثائی تاثر سے لبریز شعری پیکر بناتا ہے:

آج بھی لایا ہوں پاکستان کے آنسو حضورؐ   آج بھی حاضر پسِ دیوار ہے آقاؐ، غلام
ریاضِ نعت تسلسل ہے اشک باری کا   قلم کا رقصِ مسلسل ہے بے خودی کی دلیل
ریاضؔ، آباد پاکستان کو میرا خدا رکھے   ہر اک مخلوقِ خالق پر دعائے مرسلیںؐ برسے

ماحول کی ناسازی اور دینی اقدار کی پائمالی کے احساس نے شاعر کے کربِ دروں کو کس انداز سے متنی جہت دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہو زندہ حقائق کی سرِ عام نمائش   ہر ہاتھ میں مسلا ہوا اخبار ہوں آقاؐ

دینی اقدار کے فقدان نے شاعر کے دل کو ملول تو کر دیا ہے لیکن اس نے رجائی جذبے کو مرنے نہیں دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

تم شبِ جرمِ ضعیفی کے اندھیروں سے کہو   پھر یدِ بیضا بنے گی، آستیں کی روشنی

محترم عبدالعزیز دباغ نے ریاض حسین چودھری سے اپنے دلی تعلق اور نسبتِ ہم نشینی کو نباہتے ہوئے ان کی تین کتب [۱] تاجِ مدینہ۔[۲] گلدستۂ مدحت۔[۳] اکائی......کو یک جلدی کتاب ''ریاضِ حمد و نعت'' میں جمع کر کے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبیء رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ عنایت کے طفیل وہ اپنے ارادے کو واقعہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ نعت ریسرچ سینٹر کے زیرِ اہتمام کتاب کی اشاعت بھی اس ادارے کے لیے باعث افتخار ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شاعر کے کلام کو مقبولیت کی خوشبو عطا فرمائے اور اشاعت کے مراحل میں شامل لوگوں کو، دنیا میں نفحاتِ کلامِ حمد و نعت پھیلاتے رہنے کی توفیقات سے نوازتا رہے (آمین)!

....

منگل: ۵؍ جمادی الآخر ۱۴۴۲ھ، مطابق: ۱۹؍ جنوری ۲۰۲۱ء

صبیح رحمانی کی نعت کا ادبی سفر!

دنیائے نعت میں ایسے شعراء کی بہت کمی ہے جو شعری جمالیات کا بھرپور شعور رکھتے ہوں اور نعت جیسی صنفِ سخن کے متنی شرعی و تقدیسی تقاضے بھی خاصی حد تک پورے کرتے ہوں۔ فی زمانہ نعت کی تخلیقی سرگرمیاں عروج پر ہیں، لیکن ایک مدت سے تقدیسی ادب کے سنجیدہ طبقے کو اس بات کا قلق اور شدید احساس تھا کہ نعت کو ادبی صنفِ سخن کے طور پر سکّہ بند ناقدین نے قبول نہیں کیا ہے۔

صبیح رحمانی نعت کی دنیا کا وہ واحد شاعر ہے جس نے نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور ادبی سطح پر قبول کی جانے والے شعری نمونے بھی پیش کیے۔ سب سے اہم بات یہ کہ شعری قراءت کے حوالے سے جو سنجیدہ اور Sober نغمگی کے عملی پہلو برآمد ہو سکتے تھے، ان پر بھی صبیح رحمانی نے عبور حاصل کیا اور نعت کا عوام و خواص تک لحن کے ذریعے ابلاغ کیا۔ میں نے پاکستان کے بیشتر شہروں اور گاؤوں میں دیکھا ہے کہ نعتیہ محافل اور جمعۃ المبارک کے دن مساجد میں جہاں دیگر نعت گو شعراء کی نعتیں پڑھی جاتی ہیں وہیں صبیح رحمانی کی نعتیں بھی پڑھی جاتی ہیں اور ان کی نعتوں کی شرحِ خواندگی سب پر فوقیت رکھتی ہے۔

صبیح کی نعتوں میں جذبات اور احساسات کی تجسیم اتنی خوبصورت ہوتی ہے کہ جو بھی ان کے اشعار پڑھتا ہے ان کے شعری منظر نامے کے محاکاتی پہلوؤں کو Visualize کر کے حیران رہ جاتا ہے۔ مثلاً

صبیح انؐ کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی　　کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ

دراصل، تجریدی متن (Abstract Text) کا سامع پر وہ اثر نہیں ہوتا جو تجسیم (Concrete) کے عمل اور موزوں تشبیہات کی بنیاد پر ابلاغی قرینے سے ہوتا ہے۔ ایذرا پاؤنڈ نے شعراء کو نصیحت کی تھی "Go in fear of abstraction" (تجرید سے ڈرنا چاہیے)۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ اسی لیے کہ شعری تفہیم کے عمل میں پانچوں حواس کی شعوری شرکت سے تخلیقی کارناموں کی ابلاغی قوت بڑھ جاتی ہے۔ صبیح رحمانی کے کلام کی قراءت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے شعریات (Poetics) کے ادراک سے فن کے ایسے نمونے پیش کیے ہیں جو تقدیسی جذبات کی تسکین کے ساتھ ساتھ فنی بصیرت اور اظہار کی مناسب اور موزوں تیکنیک کے ذریعے قاری کے پانچوں حواس کو

بیدار کر دیتے ہیں۔ اس طرح شعر کی قراءت سے جذبے، احساس اور جمالیاتی شعور کی بیداری سے مسرت بھی دو چند ہو جاتی ہے۔

شاعری یا آرٹ کی دنیا میں کمیت (Quantity) کے بجائے کیفیت (Quality) کی قدر ہوتی ہے۔ صبیح کا کلام کمیت کے اعتبار سے بہت زیادہ نہ سہی، کیفیت کے اعتبار سے بڑا وقیع ہے۔ ان اشعار میں استعمال ہونے والی زبان کی سادگی کے باعث، شعری ابلاغ میں سریع الفہمی کا عنصر داخل ہو گیا ہے۔ اس کتاب میں ھیئتی لحاظ سے شعری اصناف کے ایسے نمونے بھی ہیں جو خالص ادبی اصنافِ سخن کے لیے زیادہ برتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت جیسی تقدیسی صنف میں ان ھیئتی اصناف کے تخلیقی نمونوں کے باعث، شعر کے اس قاری کے لیے بھی کشش کا عنصر پیدا ہو گیا ہے جو اشعار کی قراءت سے جذباتی تسکین اور مسرت کا متلاشی ہے۔ ایک دوہا کو دیکھیے:

صرف مدینے میں۔۔۔۔۔ اور کہاں پر اُگتے ہیں۔۔۔۔۔ سورج سینے میں

....

یادِ پیغمبر۔۔۔۔۔ روز چراغاں کرتی ہے۔۔۔۔۔ میری پلکوں پر

کتاب میں شامل آزاد نظموں کی فضا بھی دھنک رنگ ہے۔

صبیح رحمانی افقِ نعت پر چمکنے والا وہ واحد ستارہ ہے جس کی روشنی سے نعت کا ادبی منظر نامہ۔۔۔۔۔ بصورتِ ''نعت رنگ'' کسبِ نور کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کی شعری تخلیقی قوت کے اظہار سے عوام و خواص کے دل کی دنیائیں ضیا بار ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔ اور اس کے صوتی حُسن کے پھیلاؤ نے نعتیہ محافل کے ماحول کو بقعۂ نور بنا دیا ہے۔ اس کلیات میں، صبیح رحمانی کی ابتدائی شعری کاوشوں سے تا حال تخلیقی وفور ضوریز ہونے کے ساتھ ساتھ، تخلیقی سفر میں ارتقائی منازل طے کیے جانے کا پس منظر اور پیش منظر بھی منعکس ہے۔ اللہ اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر شہزاد احمد کو خوش رکھے۔۔۔۔۔ میں اس اہم کام کی تکمیل پر انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں!

۲۲ ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ۔۔۔۔۔ مطابق: ۳۰ ر مارچ ۲۰۱۹ء

....

”یا رحمة للعالمیں“ کی شعری تاب وتب!

نعتیہ شاعری کا اُفُق تو حضورِ اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے ایک ہزار سال قبل ہی روشن ہو گیا تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب، تُبَّع حِمْیَرِی نے آپ ﷺ کی شان میں چند اشعار کہہ کر اہلِ یثرب کو دیئے تھے۔لیکن بعد میں حضورِ اکرم ﷺ کے حُسنِ سیرت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روشنی میں عہد جاہلیت میں بھی شاعروں نے آپ ﷺ کی تحسین میں اشعار کہے۔مثلاً جب تنصیبِ حجرِ اسود کے وقت،کشت وخون کی نوبت آئی اور مکہ مکرمہ کے قبائلی سرداروں نے فیصلہ کیا کہ صبح جو کوئی بھی بیت اللہ میں داخل ہوگا، وہی اس مسئلے فیصلہ کرے گا۔ پھر حضورِ اکرم ﷺ نے جس دانش مندی، بردباری اور خوش اسلوبی سے وہ مسئلہ منٹوں میں حل فرما دیا تو اسی عہد کے شاعر **هبيره بن وهب المخزومی** نے آپ ﷺ کی تحسین میں چند اشعار کہے۔اس نے واقعے کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ جب اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جو شخص کل سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہی عدل کرے گا۔وہ کہتا ہے......”پس اچانک یہ امین جس کا نامِ نامی محمد (ﷺ) ہے وہ آتا ہوا نظر آیا،اس کو دیکھ کر ہم نے کہا ہم راضی ہو گئے اس امین کے ساتھ، اس محمد (ﷺ) کے ساتھ“۔”وہ اپنے شمائلِ کریمہ کے طفیل کل بھی اور آج کے دن بھی تمام قریش سے بہترین ہیں۔اور آئندہ کل بھی اللہ تعالیٰ اس پر جو مہربانیاں کرنے والا ہے اس کے بارے میں ہم اندازہ نہیں لگا سکتے“ (پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی ﷺ، جلد دوم، ص ۱۵۴)۔

عرب سے عجم اور عجم میں ہندو پاک کے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں نعت کہنے کا رواج عام ہوا۔اس رواج سے انسلاک رکھنے والے شعراء میں عامی اور عالم سب ہی قسم کے لوگ شامل تھے۔عام شعراء کی نعتیہ شاعری میں تو عموماً جذباتیت کا غلبہ رہا۔ بیان کی استنادی شان کی طرف زیادہ توجہ دیکھنے میں نہیں آئی۔لیکن علماء کی شاعری میں تلمیحاتی دروبست نے شعر کے علمی وقار کو بڑھانے میں بڑی مدد دی۔علماء اور بعض ذی علم شعراء کی شاعری میں بعض کی شاعری تو تعریب وتفریس کی بہتات کے باعث،صرف اہلِ علم کے لیے تحفہ ثابت ہوئی۔مثلاً مومن خاں مومن کا قصیدہ:

چمن میں نغمہء بلبل ہے یوں طرب مانوس　　　کہ جیسے صبح شبِ ہجر، نالہائے خروس

اس قسم کے کلام کو لغات کی مدد کے بغیر پڑھا ہی نہیں جا سکتا ہے۔لیکن بعض علماء نے سہل

زبان استعمال کر کے عوام میں بھی مقبولیت حاصل کر لی۔ایسی شاعری کی بہترین مثال اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی تھی۔

حضرت قمر بستوی نے بھی اپنے علمی وقار کو برقرار رکھتے ہوئے شعری متن کو حدودِ شریعت و واقعیت کے اندر رکھا ہے اور زبان و بیان کے لحاظ سے سہل پسندی کو راہ دی ہے۔اس لیے ان کی شاعری میں عام پڑھے لکھے طبقات کی دلچسپی کا سامان موجود ہے۔میں نے حضرت قمر بستوی کی کتاب ”**یا رحمة للعالمیں**“ کا مسودہ دیکھا تو سب سے پہلے شاعر کے تعارف کی طرف متوجہ ہوا۔انھوں نے اپنے تعارف میں عجز وانکسار کے ساتھ بڑے بھرپور انداز سے اپنا مسلک اور منہج واضح کر دیا ہے۔اس تعارف سے جہاں ان کا مسلک معلوم ہوتا ہے وہیں ان کی فکری اِصابت اور اسلاف سے انسلاک کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔انھوں نے اپنے تعارف میں بڑی رواں دواں بحر،بحرِ متدارک (فاعلن ،فاعلن ،فاعلن ،فاعلن)استعمال کی ہے۔وہ کہتے ہیں:

ہے تعارف مرا یہ بہت مختصر　　　اک گنہگار،کمزور، خاطی بشر
عبدِ مذنب ہوں میں ربِّ غفار کا　　　ہوں مسلماں یہ اعزاز ہے میرے سر
مسلکِ بو حنیفہ کا تابع ہوں میں　　　فقہ حنفی ہی ہے میرا فکر و نظر
ماتُریدی ہوں علم العقیدہ میں، میں　　　حضرتِ ماتریدی مرے راہبر
اہل سنت کے مسلک کا پابند ہوں　　　طبع اُفتاد میری فقط حق نگر (ص۹۹)

اس تعارف سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف حنفی فقہی مسلک میں معروف متکلم حضرت ابو منصور محمد بن محمد بن محمود، الماتُریدی کی پیروی میں عقائد کی اصلاح کا عزم رکھتے ہیں۔کیوں کہ سُنّی علم الکلام کے ضمن میں ماتریدی کا مقام بہت بلند ہے۔علم الکلام سے طبعی مناسبت کا ذکر ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ حضرتِ قمر بستوی،فقہی میدان کے منفرد شہسوار ہیں۔حضرت،جن علمی اسناد کے حامل ہیں وہ بھی آپ کی فاضلانہ حیثیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔جن دانش گاہوں میں آپ نے تعلیم حاصل کی ہے وہ بھی دنیائے علم میں نہ صرف معروف ہیں بلکہ اپنے علمی تفوق کی آپ مثال ہیں۔یہ بات بھی لائق رشک ہے کہ اردو اور علمِ دین کی خوشبو سے عاری ماحول میں آپ دینی علوم کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں اور امریکہ جیسے ملک میں،اپنی امامت، خطابت اور قلمی خدمت کے ذریعے اسلامی عقائد کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔

علمی مصروفیات اپنی جگہ، آپ نے طبع موزوں بھی پائی ہے جس کا اظہار حمد ونعت کی تخلیقات کی صورت میں ہوتا رہا ہے۔ پیشِ نظر مسودہ بھی نعتیہ تخلیقات کا گل دستہ ہے۔ قمر بستوی نے جس مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ان کے شعری عمل (Poetic Work) میں بھی جا بجا نظر آتا ہے۔ مثلاً

تعظیم ہو رسول کی حُبِّ خدا کے بعد　　مسلک ہے اپنا اہلِ سنن کا شعار ہے (ص ٦٢)

بعدِ رب ہیں وہی بڑے سب سے　　یہ عقیدہ ضرور لکھ دینا (ص ٤٦)

قمر بستوی کی نعتیہ شاعری میں تلمیحاتی نظام بڑا محکم، بڑا مستند اور بڑا اچا تلا ہے۔ میں نے اس طرف چند اشارے کرنے کے ارادے سے ان کے کلام کا سرسری مطالعہ کیا ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ" (پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) ایک حدیثِ میں ارشاد فرمایا "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمْ"...... (پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے)......ایک اور حدیث میں ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ o" (سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ عقل ہے)۔ صاحبِ سرِّ دلبراں لکھتے ہیں:

"حضور سرورِ کائنات ﷺ عقل کی صورت ہیں اور خدا کا قلم ہیں اور دعوت الی اللہ کی حقیقت اور شریعت کے وضع کرنے میں آپ عقولِ جزویہ ہیں اور تینوں احادیث سے آپ ہی کی ذات مراد ہے"۔

ایسی ہی احادیث کے متون کی روشنی میں اقبال نے کہا تھا:

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب　　گُنبدِ آ بگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

مجھے قمر بستوی کے ہاں بھی اسی متن کی ہم رشتگی (Inter-textuality) کے شواہد ملے۔ انھوں نے "لوح و قلم کتاب" کی نسبت حصر کے ساتھ نبیءِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

لوح و قلم کتاب کوئی اور تو نہیں　　بے مثل انتخاب کوئی اور تو نہیں (ص ۵)

امام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن محمد عبداللہ الحاکم نیشاپوری نے ایک حدیث نقل کی ہے:

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں، تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد کو کیسے

پہچانا؟ حالاں کہ ان کو تو میں نے ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! تو نے جب مجھے اپنے ہاتھ سے تخلیق فرمایا ور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پائے پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا دیکھا تو میں جان گیا کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہوا ہے وہ تمام مخلوقات میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا ہے۔ واقعی وہ مجھے تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تو مجھ سے اس کا واسطہ دے کر دعا مانگ۔ میں نے تجھے معاف کر دیا ہے اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ (المستدرک، جلد سوم: ، حدیث: ۴۲۲۸، شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۷۸٦) اس حدیث کی روشنی میں قمر بستوی نے درجِ ذیل شعر کا پہلا مصرع موزوں کیا، اور دوسرے مصرعے میں معروف حدیث ""اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ" کا مفہوم آ گیا۔ بغیر علمِ حدیث کی واقفیت کے ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی شعری تخلیق میں، ایسی معنوی خوبی پیدا ہو سکے۔ شعر ملاحظہ ہو:

وہ گر نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا زمیں نہ ہوتی زماں نہ ہوتا

ہے کون پہلی خدا کی خِلقت حضور ہیں دوسرا نہیں ہے (۱۲)

مسلمان جب روضہءِ رسول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں تو ان کے جذبات، ان کے قلوب کی کیفیات اور ان کا احساس بالکل انوکھا ہوتا ہے۔ شاعر، ان کیفیات کا آئینہءِ شعر میں عکس اتارتا ہے تو کچھ اس قسم کے اشعار وارد ہوتے ہیں، جن میں انفرادی کیفیات ہوتے ہوئے بھی اجتماعی احساس کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

روح مضطر تھی، بیقرار جگر　　اور دلِ ناصبور تھا ہم تھے

شاعری میں اپنی کیفیات کے بیان میں اگر احکاماتِ الٰہیہ بھی پیشِ نظر رہیں اور آقا حضور علیہ السلام کے مقام و مرتبے کا شعور بھی رہے تو آیاتِ قرآنی بھی متنِ شعر کے حسن میں اضافے اور معنوی جمال میں توسیع کا سبب بن جاتی ہیں۔ جیسے درجِ ذیل شعری متن سے ظاہر ہے:

حکم "لا ترفعوا" تھا پیشِ نظر　　اور مؤدَّب شعور تھا ہم تھے (ص ۴۳)

درجِ ذیل شعر میں ایک اہم نکتہ تخلیقی برجستگی کے ساتھ نظم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعے توحید کی دعوت دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نبی کو اپنا جلوہ نہیں دکھایا۔ حضرت موسیٰ کو پہلے تو صاف منع فرما دیا "لن ترانِی" "تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتے۔ پھر ان کے اصرار پر رب

تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔اس طرح دیدارِ رب کا تصور سب ہی انبیاءعلیہم السلام کے لیے محال رہا۔لیکن ختمِ نبوت کا تقاضا تھا کہ نبی ءآخرالزماں ﷺ کو اپنا دیدار کروادیا جائے۔ چناں چہ معراج کے موقع پر حضورﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کرواہی دیا۔ اس لیے کہ انبیائے ماسبق نے ،وحی کی بنیاد پر توحید کے حوالے سے ’’اللہ‘‘ کا جو تعارف پیش کیا تھا اس کی تکمیل، عین الیقین کے ساتھ،اللہ کے آخری نبی علیہ السلام کے ذریعے ہوجائے!

درجِ ذیل شعر کا متن حضور نبی ءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسی اعزاز کی طرف اشارہ ہے۔

خدا کی ذاتِ جلالت کو آپ نے دیکھا
تو اس نگاہِ کرامت سے پھر چھپا کیا ہے(۳۵)

اس شعر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے بین المتنی (Inter-Textual) رشتہ بھی قائم ہے:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

ان مثالوں کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ قمر بستوی کی شاعری میں متنی (Textual) اصابت اوران کے مسلک کی نظریاتی اساس بڑی محکم ہے۔نعتیہ شعری روایت کے تسلسل میں اسی وصف کے فقدان کا تاثر ملتا ہے۔جہاں تک اسلوب کا تعلق ہے،تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ قمر بستوی تلمیحاتی اشاروں سے کام تو لیتے ہیں لیکن کلام کو چیستاں نہیں بننے دیتے۔وہ اپنے بیان کو فلسفیانہ پیچیدگی سے محفوظ رکھتے ہوئے،سہل انداز میں اپنی بات اپنے لہجے میں کہہ دیتے ہیں۔بعض جگہ ان کا لہجہ اور الفاظ کا استعمال ان کے وطن یا Native place کے عمومی استعمال سے منسلک ہوجاتا ہے۔یعنی وہ الفاظ کی تذکیروتانیث کے معاملے میں، لغت اور عام ادبی اصولوں کے بجائے، اپنی جائے پیدائش کے مقامی اصول کے پابند نظر آتے ہیں۔مثلاً

اُفُق اُفُق سُرمئی اجالا انھیں کا ہے ہر جگہ حوالہ
نسیم مہکے شمیم مہکے گلوں کی ساری نکھار ان سے (۲۴)

اس شعر میں لفظ ’’نکھار‘‘ کو مؤنث باندھا گیا ہے۔حالاں کہ اہلِ زبان کے ہاں اور عمومی ادب میں یہ لفظ ’’مذکر‘‘ استعمال ہوتا ہے۔یعنی گلوں کا سارا نکھار کہا جاسکتا ہے۔نوراللغات میں اس نکتے کی وضاحت کے لیے ایک شعر بھی دیا گیا ہے:

برستا ہے جب مینہ تو کہتے ہیں میکش — نکھار آج ہے دُختِ رز پر بلا کا (مسرور)

تذکیروتانیث کے ایسے معاملات اس مجموعہءنعت میں بہت ہیں۔لیکن زبان کسی خاص علاقے، خطے اور ملک و منطقے کے معیارات کی پابند نہیں ہوتی ہے اس لیے قمر بستوی صاحب کو ان کے مقامی لہجے کی رعایت دی جاسکتی ہے۔

حافظ شیرازی نے عشق کے حوالے سے کہا تھا:

خرد ہر چند نقدِ کائناتست — چہ سنجد پیشِ عشقِ کیمیا کار

(عقل،اگرچہ کائنات کی دولت ہے لیکن کیمیا ساز عشق کے مقابلے میں اس کی قدر [وزن] کیا ہے ؟)۔اقبال کے ہاں عقل اور عشق کے تقابلی شعری متون بے شمار ملتے ہیں۔مثلاً

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

قمر بستوی نے عقل سے موازنہ کیے بغیر عشق کو اپنا قافلہ سالار بنالیا ہے،اس لیے انھیں راہِ وفا میں بھٹکنے کا اندیشہ نہیں۔وہ کہتے ہیں:

سالارِ قافلہ ہے مرا عشقِ تیز گام — ہرگز وفا کی راہ میں بھٹکا نہیں ہوں میں (۱۴)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی ذات کے بارے میں ارشاد فرمایا ’’لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ‘‘ (اس جیسا کوئی نہیں) (الشوریٰ ۴۲۔آیت ۱۱)۔تو نبی علیہ السلام کی ذات بھی،اس یکتا رب نے یکتا ہی بنائی ہے۔چناں چہ حضورﷺ کا بھی ارشاد ہے:"ایکم مثلی؟" (کون ہے تم میں سے میری طرح) اور ’’لست مثلکم‘‘ (میں تمھاری طرح،تم جیسا نہں ہوں)۔قمر بستوی نے ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو شعری پیکر دیا ہے:

شباہت سے مبرا ذاتِ اقدس میرے آقا کی
کہ رب نے آپ سے جملہ شباہت کو مٹایا ہے
وہ ہیں بے مثل کوئی ان کے جیسا ہو نہیں سکتا
خدائے پاک نے ہر طرح سے یکتا بنایا ہے (۱۳)

ان اشعار میں بھی متنی رشتے دیکھے جاسکتے ہیں۔مثلاً

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہی بولے سِدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے،ترے پایہ کا نہ پایا...... تجھے یک نے یک بنایا

صبیح رحمانی کا مشہور مطلع ہے:

کوئی مثل مصطفٰے کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا — کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

قمر بستوی کے کلام کی معنیاتی و اسلوبیاتی خوبیاں ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے چند اشعار اور منتخب کیے ہیں جو بغیر تبصرہ، یہاں نقل کر رہا ہوں۔

مرکزِ دین و ایمان شہرِ نبی — عاشقوں کی ہے پہچان شہرِ نبی
تجھ سے شاداب دنیا کی رعنائیاں — گلشنِ دہر کی جان، شہرِ نبی (ص ۹۵)

جس سمت دیکھتا ہوں انھیں کا دیا رہے — اب شاہ راہِ زیست مری نور بار ہے (ص ۶۲)

علم و حکمت کے چشمے ابلنے لگے — فکر و دانش کی وہ آگہی آپ ہیں (ص ۵۱)

قلم کو یہ شرف حاصل ہوا ہے نعت گوئی سے — وگرنہ عمر بھر قمر الحسن تو نے لکھا کیا ہے (ص ۳۷)

ان کی تعریف و توصیف شیوہ مرا، عمر بھر بس یہی کام کرتا رہا
ان کی چشمِ کرامت کا فیضان ہے کہ مجھے بھیک میں شاعری مل گئی

میرے آقا کی شانِ نبوت ہے یہ دیکھو سنگ و شجر بھی گواہوں میں ہیں (ص ۳۰)

عدل اس نے دیا، فضل اس نے کیا، رازِ کون و مکاں اس سے ظاہر ہوا
جس سے دنیا میں خوش انقلاب آگیا ایک امی کی دانائیاں ہی تو ہیں (ص ۱۸)

یہ صبح و شام، شمس و قمر، کہکشاں کا حسن — ہیں الفتِ رسول کے ساماں اُفُق اُفُق
خود رب نے ہی بلند کیا ذکر آپ کا — نعتِ نبیِ پاک کے شایاں اُفُق اُفُق
ان کے لبِ کرم کے تبسم کا ہے اثر — جو ہوگیا ہے برق بداماں اُفُق اُفُق (۱۷)

میں قمر بستوی صاحب کو ان کے نئے مجموعۂ نعت کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

....

۸ /ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق: ۳۰ /جون ۲۰۲۰ء

''ثنا کی نکہتیں''

غالب نے اردو میں باقاعدہ نعت نہیں کہی۔ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ اس نے Randomly جس شعر میں نعتیہ متن کی تشکیل کی وہ بھی ادبی اسلوب اور فکری بلندی کا شاہکار بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اردو میں صرف چند نعتیہ اشعار، تقدیسی شعری افق کے ستارے بن گئے، اور بعد میں آنے والے شعراء نے اس کے دیوان کی تقلید میں نعتیں کہنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ اس کے عہد کے فوراً بعد سے جاری و ساری ہے۔ پہلے غالب کی کسی کسی غزل کے مصرع پر نعتیں کہی گئیں جیسے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کی نعت ہے......

ع پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰی کہ یوں

بعد کے شعراء میں پورے دیوان کی زمینوں کو اپنانے کا رواج ہوگیا۔ میں نے اکثر و بیشتر نعتیہ کلام کے وہ مجموعے دیکھے ہیں جو فیضانِ غالبؔ کے ذیل میں، مدحتی ادب کا حصہ بنے، لیکن کم مجموعوں میں غالب کے Poetic Diction اور تقدیسی ادب کی اسلوبی شان نظر آتی ہے۔ تاہم ''ثنا کی نکہتیں'' میں، زبان و بیان کی صفائی اور فکری ترفع کے نقوش نمایاں ہیں۔ اس مجموعے میں سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی کی غالب کے لہجے سے مطابقت کی کاوش اور تقدیسی متن کی بنت میں احتیاط پسندی کا عنصر صاف نظر آتا ہے۔ بلاشبہ جب وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے الفاظ کے جوہر کی آگہی پا کر حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت کا بیڑہ اٹھایا ہے، تو ان کے کلام کی روشنی میں، ان کا یہ اظہار یہ، تعلی نہیں بلکہ حقیقتِ حال کا سچا نقش قایم کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

رکھ دیئے میں نے درِ آقا پہ مدحت کے لیے — آگہی پر جب مری، الفاظ کا جوہر کھلا

غالب نے لفظوں سے گنجینۂ معنی کا طلسم تیار کیا تھا تو نورؔ نے بھی یہ کمال دکھایا ہے۔ ذرا ایجازِ کلام کا یہ اعجاز ملاحظہ ہو:

سرورِ دو عالم کی یاد شمعِ تنہائی — سرورِ دوعالم کا ذکر سائباں اپنا

اس شعر میں استعمال ہونے والے الفاظ ''یاد''، ''شمع''، ''ذکر'' اور ''سائباں'' کے حوالے سے جتنا سوچیے، معنی کے آفاق پھیلتے ہوئے ہی نظر آئیں گے...... میں حضرتِ نورؔ کو پیرویٔ غالب میں نعتیہ متن پیش کرنے کی کامیاب کوشش پر مبارکباد دیتا ہوں۔

''القاء'' کی القائی تقدیسی جہت!

آفتاب مضطر کا مزاج، اردو کی شعری وادبی روایت سے پیوستہ ہے۔عروض سے دلچسپی اس بات کا اشارہ یہ ہے کہ وہ پوری فن آگاہی کے ساتھ روایت سے وابستہ رہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔چناں چہ ان کی شاعری میں روایت اور جدت کے ملے جلے آثار ہیں۔

نعتیہ شاعری میں ''کیسے کہا گیا'' کا سوال ''کیا کہا گیا'' سے مشروط ہوتا ہے۔یعنی عام شاعری میں ''کیسے کہا گیا'' پر زور ہوتا ہے یعنی بات چاہے کیسی ہی لچر کیوں نہ ہو اگر اسلوب (Style) شاعرانہ ہے تو ہر سطح پر سراہی جاتی ہے۔لیکن نعت میں اسلوب سے پہلے ''متن'' (Text)، ''مافیہ'' (Content) یا ''مضمون'' دیکھا جاتا ہے۔اگر روایت، درایت اور اسلامی اقدار سے مملو متن ہو تو اسلوب کی دلکشی قابلِ تحسین، ورنہ نعتیہ شاعری میں، خالی اسلوب کی دلکشی کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔
مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آفتاب مضطر نے جہاں اسلوب کی کلاسیکی سطح پر نگہداشت کا دھیان رکھا ہے وہیں ''متن'' کی روایت پیوستگی کا بھی اہتمام کیا ہے۔

''القاء'' کی ابتداء جس حمدیہ نظم سے ہوئی ہے وہ ایک حمد ہی اس کتاب میں شامل تمام حمدوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کی بحر بڑی مترنم ہے۔ علامہ اقبال نے مسجدِ قرطبہ والی نظم [ع......سلسلہء روز و شب، نقش گرِ حادثات] میں جو بحر استعمال کی تھی وہی بحر اور جو قوافی اس نظم کے پہلے بند میں برتے تھے ویسے ہی قوافی اس حمد میں آفتاب مضطر نے رکھے ہیں۔چند اشعار دیکھیے:

'کن' سے ہویدا کیا تُو نے ہر اِک ذی حیات
تیری ہی قدرت میں ہے سب کی حیات و ممات
اِک تری آواز ہے نطق و زباں کا فروغ
ایک ترے لفظ میں لوح و قلم کا ثبات
تیری ہی قدرت سے ہیں نور فشاں رات دن
مہر کے ہونے سے دن، چاند ستاروں سے رات
پاتے ہیں نشو و نما تیرے کرم کے طفیل

خار و گل و برگ و بار، نخل و جماد و نبات
ششدر و حیران ہیں نکتہ ور و فلسفی
کب سے ترا ہے وجود، کتنی تری ہیں صفات
دیکھتے ہیں جا بہ جا خوب تجھے اہلِ دل
ہو رہی ہے روز و شب عقل کے پتلوں کو مات
تیرا پتا تیرا گھر، ڈھونڈنے نکلیں اگر
عقل پٹکتی ہے سر، فہم کو ہوتی ہے مات

یہ چند اشعار، اس بات کے غماز ہیں کہ شاعر کو ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی عظمتوں اور رفعتوں کا ادراک ہے اور وہ اپنے جذبات و احساسا کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد بھرپور فنی خلوص اور شعری اسلوب میں کررہا ہے۔یہاں شعری مافیہ بھی خوب ہے اور شعری بنت بھی حُسن آفریں ہے۔

''القاء'' کے نعتیہ شعری متون میں ویسے تو قرآن واحادیث اور روایت کے بہت سارے مضامین کا عکس ملتا ہے۔لیکن میں نے صرف چند مضامین کی شعری بنت پر اپنی توجہ مرکوز رکھ کر بات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً

پئے ختمِ نبوت تھا جو آخر مرحلہ باقی   محمدؐ کے لیے رکھی گئی آخر میں جا، باقی

اِس شعر میں آفتاب مضطر نے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاءؑ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے تھے، مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں [یعنی میرے آنے پر نبوت کی عمارت مکمل ہوچکی ہے، اب کوئی جگہ باقی نہیں ہے جسے پُر کرنے کے لیے کوئی آئے] (بخاری شریف، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

آفتاب مضطر کا ایمان بڑا پختہ ہے وہ موقع بہ موقع اپنے شعری متن میں ختمِ نبوت کا حوالہ نظم کرتے رہتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے عہد میں مسلم دنیا کو سب سے بڑا نقصان کاذب نبیوں کے پیروکاروں کے شیطانی رویوں کی شکل میں ہو رہا ہے۔اسی لیے دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے

آشنا، ہر صاحبِ ایمان اپنے اپنے طور پر اس فتنے سے نمٹنے کے لیے کوشاں ہے۔

مجھے اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک دن میں، سلیم احمد مرحوم سے ملنے گیا۔ ان کے گھر میں اکثر علمی مباحث ہوتے رہتے تھے۔ میں ان مباحث میں کبھی شامل نہیں ہوا تھا لیکن ان مجالس کا احوال اخبارات میں دیکھ لیا کرتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضری سے کچھ روز قبل ان کے گھر کی محافل اجڑ چکی تھیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آج کل آپ کے ہاں علمی نشستیں نہیں ہو رہی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟؟؟ انھوں نے وہی جواب دیا جس کی مجھے توقع تھی۔ کہنے لگے......

''ایک صاحب ہیں عبیداللہ علیم، انھوں نے میرے گھر پر ہونے والی علمی نشست میں ایک مقالہ پڑھا جس میں ذریعہء علم کے طور پر ''وحی'' کے تسلسل کے اشارے تھے۔ چناں چہ ان کے مضمون پر گرما گرم بحث ہوئی اور کچھ تلخیاں بڑھ گئیں۔ ایسی صورت میں علمی مجالس کا انعقاد ممکن نہیں رہا''

..........میں اس معاملے کی روداد پہلے بھی کہیں پڑھ چکا تھا لیکن خود سلیم احمد صاحب سے یہ بات سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ عبیداللہ علیم نے ضرور ''ختمِ نبوت'' کے محکم عقیدے کے خلاف اپنے جھوٹے نبی کی نبوت کا تسلسل ظاہر کرنے کی کوشش کی ہوگی......بعد میں مجھے قمر بھائی (قمر جمیل) نے بھی بتایا کہ عبیداللہ علیم کے مضمون پر اس قدر لے دے ہوئی کہ ''سجاد میر نے سلیم احمد سے یہ تک کہہ دیا کہ اس مضمون کو آپ کی محفل میں سنانے کی اجازت دینے پر میں حضورِ اکرم ﷺ کی جناب میں آپ (سلیم احمد) کی شکایت کروں گا''۔

یہ واقعہ مجھے اس لیے یاد آیا کہ آفتاب مضطر نے ایک شعر میں عبیداللہ علیم کو براہِ راست مخاطب کر کے کہا ہے:

علیم ہو کے بھی منکر ہو جو محمدؐ کا — تو اس کے علم سے ٹپکیں جہالتیں کیسی

آفتاب مضطر نے یہ نعت عبیداللہ علیم ہی کے ایک مصرع پر کہی تھی......یعنی

ع ''جو بُجھ گئے تو ہَوا سے شکایتیں کیسی''

اس مصرع پر آفتاب مضطر نے جو گرہ لگائی ہے وہ کمال ہے۔ اس پیش مصرع میں عبیداللہ علیم کے مسلک اور ختمِ نبوت سے اس کے بُغض کی روداد رقم ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آفتاب مضطر نے مصرع کیا لگایا ہے تاریخ ادب میں عبیداللہ علیم کے مسلک کی تردید کا تاثر اور اپنے احساسات کا اتنا گہرا عکس اتارا ہے کہ مصرع پڑھتے ہوئے یا سنتے ہوئے کوئی بھی صاحبِ ذوق اور حاملِ ایمان، داد

دیئے بغیر نہیں رہ سکتا..........راقم الحروف کے غریب خانے پر کبھی کبھی نعتیہ نشستیں ہوتی ہیں۔ اس میں میرے ایک بزرگ کرم فرما سلمان خان لکھنوی بھی تشریف لاتے تھے۔ وہ شاعر تو نہیں تھے لیکن لکھنوی ہونے کی وجہ سے صاحبِ ذوق تھے۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک مشاعرے میں جب آفتاب مضطر نے یہ شعر پڑھا:

ہوائے ختمِ نبوت کے سامنے گئے کیوں — 'جو بُجھ گئے تو ہَوا سے شکایتیں کیسی'

تو داد کے شور نے چھتیں اڑا دیں۔ سلمان خان صاحب مرحوم پر تو جیسے وجد طاری ہو گیا۔ بار بار یہ مصرع پڑھ کر پورا شعر مکرر، سہ کرر پڑھنے کی فرمائش ہوتی رہی اور آفتاب مضطر یہ شعر پڑھتے رہے۔ پھر اس کے بعد جب جب غریب خانے پر نعتیہ نشست ہوئی آفتاب مضطر سے سلمان خان صاحب کی فرمائش پر یہ نعت ضرور سنی گئی۔

ختمِ نبوت کا مضمون، آفتاب مضطر کو بہت عزیز ہے۔ اس لیے وہ اسے ہر پیرائے میں شعری متن کا جزو بناتے ہیں۔ دیکھیے ہائیکو میں کس انداز سے یہ مضمون باندھا ہے:

اُس پہ وحی اتمام..........ختم نبوت ہے وہ ذات..........جس کا محمدؐ نہ ہو

جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا آفتاب مضطر کا مزاج کلاسیکی ہے۔ وہ ادب کے کلاسیکی معیارات کو سامنے رکھتے ہیں اور عروضی دروبست کے لیے خاصی محنت کرتے ہیں۔ کلاسیکی مزاج کا عکس ان کے ایسے اشعار میں زیادہ جھلکتا ہے جو کسی طرحی مصرع پر گرہ لگانے کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے ذوقؔ کے ایک مصرع پر ایسا مصرع لگایا ہے کہ اگر یہ مصرع خود ذوقؔ کے سامنے پڑھا جاتا تو شاید وہ بھی کہہ دیتے کہ شاعر نے مجھ سے یہ مصرع چھین لیا ہے۔ ذوقؔ کا مصرع تھا

ع ''چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی''

نعت کے مزاج کو سامنے رکھ کر اب آفتاب مضطر کا پیش مصرع دیکھیے:

کہہ کہہ کے نعت، جانِ غزل سے چھڑاؤں گا — ''چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی''

یہاں غزل کی عشوہ طرازی اور شعراء کا اس کی طرف میلان بھی ظاہر ہو گیا اور شاعر نے غزل گوئی سے جان چھڑانے کا عندیہ بھی دیدیا۔ سب سے اہم بات یہ کہ غزل کے اس مصرعے کی کھپت کی گنجائش، نعت جیسی تقدیسی صنفِ سخن میں بھی نکل آئی۔

اسی طرح مضطر نے بہادر شاہ ظفر کے مصرعے پر بھی گرہ لگا کر اسے نعتیہ آہنگ دیدیا ہے:

دلِ مضطر جو تڑپ آج ہے طیبہ کے لیے ''بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی''

ہر قسم کی شاعری میں شکایتِ زمانہ کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ ایسی شاعری میں شعراء کی اپنے عہد کے نظامِ زندگی اور معاشرتی طور طریقوں کی طرف سے عدم اطمینان، معاشرے کی ناہمواری، ظلم و بربریت کے مناظر دیکھ کر اپنی طرف سے کوئی مُداوا نہ کر سکنے کی کڑھن اور معاشرے کو اپنے آدرش کے مطابق ڈھالنے کا جذبہ، شاعر کی تخلیقی دانش کا حصہ بنتا ہے۔ ایسا گہرا جذبہ اور احساس جب شعری پیکر میں ڈھلتا ہے تو شہر آشوب کا متن ظہور میں آتا ہے۔

نعت کہنے والا ہر سچا مسلمان، زندگی گزارنے کے ان معیارات کو سامنے رکھتا ہے جو رسول اکرم ﷺ نے معاشرتی اقدار کی شکل میں انسانوں کے افکار و اعمال و کردار کا جزو بنا دیئے تھے۔ ہر عہد میں پچھلے عہد کے مقابلے میں انسانی کردار و اعمال اور ایمانیات کی سطح پر کمزوریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی اپنے عہد کو خیر القرون فرمایا تھا اور اپنے عہد کے بعد صرف دو قرنوں کا ذکر فرما کر بات مکمل کر دی تھی...... نیز اپنے اور اپنے بعد کے دو قرنوں کے لوگوں کو سب سے اچھے لوگ قرار دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''خَیرُ اُمَّتِی قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم...... خَیرُ النَّاسِ قَرنِی، ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم. ''میری امت میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں [یعنی تابعین] پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں [اتباعِ تابعین]...... ''میرے زمانے کے لوگ سب سے اچھے ہیں پھر جو ان کے بعد پھر جو ان کے بعد'' (بخاری جلد دوم، حدیث ۸۵۰، نیز ۸۵۱، پارہ نمبر ۱۴، کتاب المناقب، بخاری جلد دوم، صفحہ نمبر ۴۲۲)۔

ان احادیث کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے غیب کا علم جاننے والے رسولِ کریم ﷺ کو بعد کے ادوار میں زوال اور انحطاط پیدا ہونے کا مکمل ادراک تھا۔ چناں چہ وہی ہوا، بعد کے تمام ادوار میں ایمانی کمزوری، اعمال کی کھوٹ اور کرداری ناہمواریاں نمایاں ہوتی گئیں اور اسلامی معاشرہ اس نہج پر پہنچ گیا کہ آج پوری دنیا میں تُھڑی تُھڑی ہو رہی ہے۔ اس صورتِ حال کا عکس، عصری حسیت کی شکل میں، شعراء و ادباء کی تحریروں پر پڑتا ہے۔ آفتاب مضطر نے بھی اپنے ذہنی و قلبی اضطراب کا احوال قلم بند کر کے ایک سچے مسلمان اور حقیقی ہوا خواہِ ملت ہونے کا ثبوت دیا

ہے۔ نعتیہ شاعری میں شہر آشوب، زیادہ تر استغاثے کی شکل میں شعری عمل کا حصہ بنتا ہے۔ آفتاب مضطر نے بھی ''نعتیہ شہر آشوبی استغاثہ'' لکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بڑے طوفان کا ہے ڈر، کرم فرمایئے آقا — توجّہ کیجیے ہم پر، کرم فرمایئے آقاؐ
ہماری گھات میں اِک عمر سے اغیار ہیں کیا کیا — مخالف ہے بڑا لشکر، کرم فرمایئے آقاؐ
عجب افتاد ہے ہم پر، ہمارے دیس میں اکثر — اُجڑ جاتے ہیں گھر کے گھر، کرم فرمایئے آقاؐ
زباں پر قفلِ دہشت ہے، عجب وحشت ہی وحشت ہے — ستم کا کیا لکھوں دفتر۔ کرم فرمایئے آقاؐ
بنا ہے شہر وہ مقتل کہ جینا ہو گیا دوبھر — کرم فرمایئے سرورؐ، کرم فرمایئے آقاؐ

اس شہر آشوب میں آفتاب مضطر نے مسلمانوں کے خلاف بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن میں انسانیت کی تذلیل اور گھروں کے اجڑنے کا احوال بڑے کرب کے ساتھ رقم کر دیا ہے۔

آفتاب مضطر کے اس استغاثہ نما شہر آشوب کا متن، غالبؔ کے اس قطعے سے ملا کر پڑھیے جو انھوں نے دلّی کے حالات کی عدم موافقت کے حوالے سے، نواب علاء الدین احمد خاں علائی کو ایک خط میں لکھ کر بھیجا تھا۔

دونوں زمانوں کے شہر آشوب پڑھ کر کمزوروں کی ناکامی و نامرادی اور طاقتوروں کی طرف سے ظلم و بربریت کے تسلسل کا شدید احساس ہونے لگتا ہے۔ غالب نے کہا تھا:

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب، انساں کا
چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہرِ دہلی کا ذرّہ ذرّہء خاک — تشنہء خوں ہے، ہر مسلماں کا

(نوائے سروش، ص ۹۸۰)

ان اشعار میں غالب نے 1857ء کی خونیں داستان رقم کی ہے...... آفتاب مضطر، پاکستان کے شہر کراچی میں بیٹھ کر ویسا ہی درد اور کرب محسوس کر رہے ہیں جیسا غالب نے محسوس کیا تھا۔ مسلمانانِ عالم کی بدبختی دیکھیے کہ انیسویں صدی سے اکیسویں صدی تک ایک ہی موسم ٹھہرا ہوا ہے۔ جو درد انیسویں صدی عیسوی میں محسوس کیا جا رہا تھا اور جو کرب شعری متون میں اس وقت ڈھل رہا تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار چھن گیا تھا اور دورِ غلامی میں انگریزوں کا ظلم روز بہ روز

بڑھتا جا رہا تھا...........انگریز سے آزادی حاصل کر لینے کے بعد بھی غریب عوام کا وہی حال ہے اور بین الاقوامی طور پر طاغوتی قوتوں کا تسلط اس پر مستزاد ہے۔ الامان الحفیظ!!!

آفتاب مضطر اپنے کسی شعر میں Impressionistic vision بنا کر تأثراتی اور محاکاتی انداز میں شعری نقش پیش کرتے ہوئے یہ پیغام بھی دیدیتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کے سامنے بڑے بڑے فصحاء آپ کے دربار میں اب بھی زبان کھولنے کی جسارت کرنے سے معذور ہیں:

جو حرفِ شعلہ بیانی میں طاق تھے کیا کیا — وہ کیسے گنگ کھڑے ہیں حضورؐ کے در پر

یہ حضورِ انور ﷺ کے روضہء اقدس پر حاضری کا منظر ہے جسے دیکھنے والے تو ہزاروں ہوتے ہیں لیکن شعر کے پردے پر احساس کے رنگ برنگ طیلساں بنانا کسی کسی شاعر کے نصیب میں ہوتا ہے۔

آفتاب مضطر کے کلام میں نعتیہ غزلیں وافر تعداد میں ہیں۔ بلاشبہ ان کی طبیعت غزل کے لیے بہت موزوں ہے۔ اس لیے ان کے تغزل آمیز نعتیہ متن کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلیے:

کشش طیبہ نگر کی اللہ اللہ — کھنچا جائے زمانے کا زمانہ
غزال دل مرا رَم خوردگی میں — بڑھے طیبہ کی جانب والہانہ
ابھی چھوٹی ہے کونپل حاضری کی — ابھی سے دل کا موسم ہے سہانا

یہ سادہ سے اشعار غزل کے مزاج کے بھرپور عکاس ہیں۔

مدینہ منورہ میں چلنے پھرنے اور جنتِ ارضی دیکھنے کا حیرت زا تجربہ آفتاب مضطر کو ایک خیالِ مسلسل کے ساتھ شعری قرینہ عطا کر گیا چناں چہ بڑی روانی سے انھوں نے اپنے اس تجربے کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہاں سے رخصت ہونے اور وطن واپس آنے کے بعد کی قلبی کیفیات بھی اس طور رقم کر دی ہیں کہ قاری کے دل میں اتر جائیں۔

آ کے طیبہ میں یوں لگا جیسے — مجھ میں دریا اُتر گیا جیسے
ایسے دُنیا اُتر گئی دل سے — جینا طیبہ میں آ گیا جیسے
ایسا لگتا ہے، شہرِ عرشِ بریں — شہرِ طیبہ میں آ بسا جیسے
یوں لگا طیبہ سے دمِ رُخصت — گویا رہ کر، نہیں رہا جیسے
یوں چلا طیبوی زمین پہ مَیں — آسماں پر چلا پھرا جیسے

آج بھی ڈھونڈتا ہوں مضطر دل — وہیں، طیبہ میں رہ گیا جیسے

میں نے اکثر لکھا ہے کہ فارسی گو شعراء کی تقلید میں اردو کے بڑے بڑے شعراء نے لفظ ''کبریا'' کو اللہ تعالیٰ کے نام کے طور پر استعمال کیا ہے جو عربی قاعدے سے غلط بھی ہے اور معنوی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے۔ ایک مدت بعد مجھے آفتاب مضطر کے ہاں اس لفظ کا صحیح استعمال نظر آیا تو بڑی مسرت ہوئی۔ اس لفظ کا صحیح استعمال اردو دنیا میں غالباً سب سے نمایاں طور پر میر تقی میرؔ نے کیا تھا اور میری محدود معلومات کی حد تک شاید اب یہ سعادت مضطر کے حصے میں آئی ہے۔ میرؔ کہتے ہیں:

میرؔ ناچیز مشتِ خاک اللہ! — ان نے یہ کبریا کہاں پائی

اب مضطر کا شعر ملاحظہ ہو:

حضورؐ ہیں ایسی شان والے خطاب سردارِ انبیاء ہے
وہی شفیع الامم ہیں بے شک اُنھیں کو حاصل یہ کبریا ہے

کبریا کے معنی ہیں، شان و شوکت، عظمت، جاہ و جلال، قدرت، فضیلت، بزرگی، بڑائی۔ یہ اسمِ صفت ہے، اسم نہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ دو مقامات پر آیا ہے.....سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

۱۔ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط ......

اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔ (سورۂ یونس۱۰: آیت ۷۸)......

۲۔ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ص ......

اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔ (سورۂ الجاثیہ۴۵: آیت ۳۷)

قرآن کریم کی درجِ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو نہیں۔ اللہ کے لیے ''اکبر'' بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ بولا اور لکھا جاتا ہے۔

یہی کیفیت لفظ ''مُوَاجَهَه'' کی ہے۔ یہ لفظ بھی زیادہ تر ''مُوَاجَه'' لکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن اصل لفظ ''مُوَاجَهَه'' ہی ہے۔ ''مُوَاجَهَه'' کے عام معنی تو، روبرو ہونا، آمنے سامنے ہونا، مقابل میں، وغیرہ ہیں......لیکن مدینہ شریف میں آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضے کی جالی، جہاں کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے روبرو ہو جاتے ہیں......وہ مقام ''مُوَاجَهَه'' کہلاتا ہے۔ اردو شعراء نے اس لفظ کو مواجہہ اور مواجہ، دونوں طرح باندھا ہے۔

نعت گو شعراء نے اپنی سہولت کے لیے زیادہ تر ''مواجہ'' باندھا ہے جس پر اہلِ علم، بالخصوص عربی اسکالرز نے اعتراضات کیے ہیں۔ آفتاب مضطر نے یہ لفظ دونوں طرح استعمال کر کے اپنی لغت شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ میر تقی میر نے ''مواجہہ'' باندھا تھا:

آرسی اس کے سامنے دھر لو — کب ہے ویسی ''مُوَاجَهَه'' کرلو

اب آفتاب مضطر کے اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ نطق، گویائی کا قرینہ بھلا چکا تھا مواجہہ پر
مگر نظر سے کلام بن کر ٹپک رہا تھا مواجہہ پر
نہ پوچھیے کیا بتایا جائے کہ حال کیا تھا مواجہہ پر
رواں رواں بول اُٹھا تھا لیکن، سکوت زا تھا مواجہہ پر
میں سر بہ سر آنکھ بن گیا تھا اور آنکھ پر تھا وہ کیف طاری
کہ آنکھ میں دل دھڑک رہا تھا، میں چپ کھڑا تھا مواجہہ پر
مواجہہ کے وہ سیدھی جانب جو دو ستارے چمک رہے تھے
مَیں انؓ ستاروں کی ضَو میں پورا نہا گیا تھا مواجہہ پر

یا

خوشا نصیبی کہ آج مَیں بھی کھڑا ہُوا ہُوں مواجہہ پر
نظر یہاں کام آ رہی ہے، زبان کا دم اٹک رہا ہے

''مواجہہ'' کے استعمال سے ظاہر ہوا کہ آفتاب مضطر، الفاظ کے اصل، درست اور کلاسیکی تلفظ کو شعری زبان دینے کے قائل ہیں۔ جبکہ آجکل زیادہ تر شعراء، زبان کی نزاکتوں اور بیان کی صباحتوں کا اتنا خیال نہیں رکھتے۔ لفظ کے درست استعمال کی بات اپنی جگہ، مذکورہ اشعار میں جو کیفیت سمودی گئی ہے اور جس منظر کی عکس بندی کردی گئی ہے وہ بھی شاعر کی ہنر مندی (Craftsmanship) کی آئینہ دار ہے۔

نعتیہ شاعری کا ایک مقصد تو حضورِ اکرم ﷺ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا اور آپ ﷺ کی محبت کی جوت اپنے دل میں پیدا کر کے دوسروں کے دل میں بھی اجالا کرنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی طرف توجہ مبذول کروا کے عمل کی راہیں متعین کرنے

کی طرف دھیان دلانا بھی مقاصدِ نعت میں شامل ہے۔ آفتاب مضطر نے درجِ ذیل شعر میں ''کتاب'' کی حقانیت اور ''حسنِ عمل'' کی سند کے لیے صرف ایک ذات، ذاتِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کی ذات سے ہٹ کر تو دنیا میں صرف بولہب رہ جاتا ہے:

کلام رب کا وہی ہے بے شک، وہی ہے حسنِ عمل، عمل تک
حضورؐ نے جو بتا دیا ہے، حضورؐ نے جو عمل کیا ہے

اسلام نے سب سے اہم نکتہ یہ سمجھایا ہے کہ ''حق'' کی خاطر جان دینا ''زندگی'' ہے اور ''حق'' سے دور رہ کر دنیاوی زندگی بسر کرنا موت بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ موت اور زندگی کا یہ اسلامی نظریہ پیش کرنے اور اس نظریئے کے مطابق عملی زندگی بسر کر کے دکھانے والی ذات صرف اور صرف نبیءِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس لیے مضطر نے یہ نکتہ اخذ کیا کہ موت و حیات کا شعور ہمیں نبی ﷺ کی نسبت کے طفیل حاصل ہوا ہے:

اُنؐ کی نسبت نے دے دیا یہ شعور — کسے کہتے ہیں موت، کیا ہے حیات

اس نسبت کا یقینی فائدہ اس وقت معلوم ہوتا ہے جب انسان آپ ﷺ کی ذاتِ پاک کی خاطر زندگی بسر کرتا اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر چلتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے، درجِ ذیل اشعار میں مرگ و حیات کے فلسفے کا عکس اتار لیا گیا ہے:

حقیقتہً ہے حیات ان کی، حیات سمجھو، ممات ان کی
وہی جیے، انؐ کے جو ہوئے ہیں، وہ جی اٹھے، انؐ پہ جو مرے ہیں
کہ نام آقاؐ پہ مر مٹیں جو، نہ راہِ حق سے کبھی ہٹیں جو
عیارِ حبِ نبیؐ پہ بے شک، وہ عشق والے کھرے کھرے ہیں

حبِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تقاضا ہے کہ مسلمان کا دل مدینے میں اٹکا رہے۔ اگر وہ وہاں پہنچ سکے تو اس کے مناظر دل کی آنکھ میں محفوظ کر کے واپس آئے اور زندگی بھر لمحہ بہ لمحہ ان مناظر کی تصوراتی دید میں محو رہے............ اور اگر جا نہ سکے تو وہاں جانے کی تمنا اسے چین نہ لینے دے۔ کیفیات کی یہ دھنک اس دل میں سما جاتی ہے جس کے دل میں حضورِ اکرم ﷺ کی محبت اپنا گھر کر لیتی ہے۔ آفتاب مضطر کی شاعری میں ہجر و وصال کی تمام کیفیات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ

شعری متن میں ڈھلی ہیں۔ہجر کی تڑپ کے لیے ایک نظم ''ایک زائر دوست سے گفتگو کے بعد'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خوشا! اے زائر و ظاہر میں کیا کیا دیکھ آئے تم
وہ کعبہ دیکھ آئے وہ مدینہ دیکھ آئے تم
جو گلیاں ہم نے دیکھیں خواب یا چشمِ تصور میں
کھلی آنکھوں سے وہ گلیاں وہ رستہ دیکھ آئے تم
فدا ہم ایسی آنکھوں پر تصدّق ان نظاروں پر
کہ جن آنکھوں سے جنت کا نظارا دیکھ آئے تم
وہاں کے ایک اِک ذرّے کو آتی ہے مسیحائی
سنا کرتے تھے جو کارِ مسیحا دیکھ آئے تم
خدا لگتی کہو، کیا ہو گئی سیری نگاہوں کو
اگرچہ دیکھنے کو یوں تو کیا کیا دیکھ آئے تم
وہاں دل آنکھ بن کر، آنکھ دل بن کر دھڑکتی ہے
تو یعنی آنکھ میں دل کو دھڑکتا دیکھ آئے تم
دُعا ہے، دیکھ آؤں اور لکھوں آ کر حقیقت میں
حقیقت میں عرب کا وہ جو نقشا دیکھ آئے تم
لکھوں وہ ساری تفصیلات جو دل پر گذر جائیں
لکھوں اس کی حقیقت جو فسانا دیکھ آئے تم

نعت اگر جذبہء واحساس کی شاعری ہے تو واقعتاً آفتاب مضطر نے اپنے جذبے اور احساس کی تجسیم کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے۔اس نظم میں داستانِ ہجر و رشک بڑی خوبصورتی سے بیان ہوئی ہے۔اپنی محرومی کے احساس کا تاثر......ہجر......اور دوست کی خوش بختی پر رشک۔''خدا لگتی کہو'' کے استعمال سے محاورہ بندی کا اسلوب بھی روایت پیوستگی کی دلیل بن کر سامنے آجاتا ہے۔

شعری متون کے ہزار ہا زاویے اور بنت کے لامتناہی انداز ہیں۔آفتاب مضطر کی شاعری میں غمِ دوراں کا اظہار،عصری شعور کا ملفوظی عکس اور عشقِ نبوی ﷺ کے تخلیقی شعری نقوش بہت ہیں۔

لیکن ہر ہر زاویے کی نشاندہی کرنا اور تمام متون کے لونی عکس (Shades) پیش کر کے ان کی فنی خوبیاں گنوانا ممکن نہیں ہے تاہم چند نکات کی نشاندہی مزید کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔مثلاً......

فی زمانہ نعتیہ شاعری کی طرف رجوعِ عام کا یہ عالم ہے کہ ہر وہ شخص جو ذرا سا موزوں طبع ہے،نعت کہنے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے اور اگر اس کا لحن بھی اچھا ہے تو اس کی لکھی ہوئی نعت محض لحن سے پڑھنے کے باعث عوام میں مشہور بھی ہو جاتی ہے۔ظاہر ہے عوامی سطح پر جس شاعری کو قبولیت حاصل ہوتی اس کا ہر اعتبار سے معیاری ہونا ضروری نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ادبی دنیا میں نعتیہ شاعری کی تحسینی فضا بننے میں بڑی تاخیر ہوئی۔بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحان کا تسلسل،نعت رنگ کے اجراء(اپریل 1995ء) کے بعد سے دیکھنے میں آیا ہے،جبکہ نعتیہ شاعری، اردو کی ابتدائی شعری تخلیقات کا بھی حصہ رہی ہے۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے ملا داؤد کی مثنوی چندائن (زمانہء تصنیف ۱۳۷۹ء بعہدِ فیروز شاہ تغلق) میں نعتیہ اشعار دیکھ کر انھیں پہلا نعت گو قرار دیا ہے۔اس تحقیق کو تسلیم کر لیا جائے تو نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحانات کے فروغ کا زمانہ ۶۱۶ سال بعد کا بنتا ہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ اب تک نعتیہ شاعری میں احتیاط پسندی کا رجحان بہت کم ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر صاحبِ ہوش اور دانندہء فن،اپنے اشعار میں،نعتیہ متن کی اہمیت اور اس شعری آبگینے کی نزاکت کا ذکر ضرور کرتا ہے۔یہ تمہید میں نے اس لیے باندھی ہے کہ مجھے آفتاب مضطر کے چند اشعار ایسے پیش کرنے ہیں جن میں انتقادی متن جلوہ آراء ہے۔وہ کہتے ہیں:

راہِ مدحت پہ جب قدم رکھیے　　ہوش اور جوش کو بہم رکھیے
نعت لکھیے اس احتیاط کے ساتھ　　قلمِ دل کو خود میں خم رکھیے
نعت رستے پہ چلنا ایسا ہے　　جیسے شمشیر پر قدم رکھیے
ہمہ دم رہیے فکرِ مدحت میں　　جیب دل میں کُھلا قلم رکھیے

یہ اشعار جو شخص کہہ رہا ہے،ظاہر ہے اس کا اپنا کلام تو احتیاط پسندی کا آئینہ ہی ہوگا۔یہ اور بات کہ انسانی بھول چوک اور شعری بنت اور تخلیقی عمل کے پیچیدہ انداز میں کہیں کوئی بات ایسی بھی آسکتی ہے جو کسی نہ کسی زوایئے سے نعتیہ متن کے لیے ہلکی ٹھہرے۔لیکن بھول چوک تو انسانی سرشت میں ہے،اس لیے اتنی قابلِ گرفت نہیں!

آفتاب مضطر نے روایت شناسی کا ثبوت ''صنعتِ عاطلہ'' (غیر منقوط) میں نعت لکھ کر بھی

دیا ہے۔اس نعت کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے:

ہر دو عالم کو علم ہُوا، سرکارؐ کی آمد آمد ہے
ہر دو عالم سے آئی صدا، سرکارؐ کی آمد آمد ہے
ہر دل کی صدا ہے صلِ علیٰ، سرکارؐ کی آمد آمد ہے
سرکارؐ کی آمد واہ رے وا! سرکارؐ کی آمد آمد ہے
در در اِک مہکی آہٹ ہے، ہر سو مہکی مہکاہٹ ہے
گھر گھر مہکے اِک مہکی ہَوا، سرکارؐ کی آمد آمد ہے
اِک دَور دُرودوں والا ہو، اِک وِرد سلاموں والا ہو
اِک صلِ علیٰ کی آئے صدا، سرکارؐ کی آمد آمد ہے
وہ ہادیؐ عالم، ہادیؐ کل، ہے اس کی مہک سے مہکا گل
مہکا مہکا عالم سارا، سرکارؐ کی آمد آمد ہے

قافیہ ردیف کی پابندی کے ساتھ عام شاعری ہی کونسی آسان ہے جو شاعر اپنے اوپر خود ہی غیر منقوط الفاظ کے استعمال کی پابندی عائد کر کے شاعری کے ہفت خواں کو طے کرنے کی ٹھان لے۔ لیکن فن پر اعتماد اور زبان و بیان پر گرفت مضبوط ہو تو اس گھاٹی سے بھی بآسانی گزرا جا سکتا ہے۔ غیر منقوط نعت کی رواں دواں اور مترنم بحر اپنی جگہ، زبان کی فصاحت بھی شاعر کی قادرالکلامی کی بیّن دلیل ہے۔

آفتاب مضطر نے اپنی شاعری میں جہاں نبیء کریم ﷺ کی مدحت کا قرینہ پیشِ نظر رکھا ہے وہیں اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد دین کی روح کو جسدِ ملت میں جاری و ساری رکھنے والی ہستیوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بھی ذکرِ خیر کیا جائے۔ کیوں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طبقہ ہی ایسا طبقہ ہے جس کے توسط سے، دین کے عملی نفاذ کے نمونے، قیامت تک آنے والے غیر معصوم افراد تک پہنچے ہیں اور پہنچتے رہیں گے۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے غیر معصوم ہونے کے باوجود، اللہ کی زمین پر حکومتِ الٰہیہ کا نفاذ، علیٰ منہاج النبوۃ، قائم کر کے دکھایا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زریں عہد کا ذکر اس لیے بھی ضروری ہے کہ ختمِ نبوت کا مقصد ان مقدس حضرات کے اعمال و کردار و افکار کی روشنی میں واضح ہو جائے۔ علامہ اقبال

نے سچ فرمایا ہے کہ:

''اسلام کی آفرینش، عقلِ استقرائی کی آفرینش ہے۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچی ہے کیوں کہ اس نے اپنے ہی خاتمے کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ اس میں یہ ادراک گہرے طور پر موجود ہے کہ زندگی کو ہمیشہ بیساکھیوں کے سہارے پر نہیں رکھا جا سکتا اور یہ کہ ایک مکمل خود شعوری حاصل کرنے کے لیے انسان کو بالآخر اس کے اپنے وسائل کی طرف موڑ دینا چاہیے''۔ (تجدیدِ فکریات، ترجمہ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اقبال، ڈاکٹر وحید عشرت)۔

نبی علیہ السلام کو وحیِ ربانی کی رہنمائی حاصل تھی، اسی لیے آپ ﷺ معصوم عن الخطاء تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی آل و اصحاب رضوان اللہ علیہم میں کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں تھا۔ تاہم انھیں رسول ﷺ کی صحبت کے باعث محفوظ عن الخطا تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے عملی اقدامات نے، دنیا کے سامنے، دین کے عملی نفاذ کی وہ صورت پیش کی کہ غیر مسلم دنیا بھی اُن کے حسنِ اقدام کی قائل ہو گئی۔ لیکن اسلام دشمنوں کی سازشوں کے نتیجے میں ان کی سیرت پر بھی سوالات اٹھانے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے گروہ کو سورۂ فتح میں ایک ایسی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو دیکھ کر کاشت کرنے والے (رسول اللہ ﷺ) خوش ہوتے ہیں اور اس کھیتی کے پھلنے پھولنے پر کفار جلتے ہیں۔ اس تناظر میں آفتاب مضطر کے لکھے ہوئے مناقب کی جھلک دیکھتے چلیے:

جو صحابہؓ کا ہو گیا ضاحِک ڈوبا، رب کے غضب کے دریا میں
اور مثلّث کا جو ہُوا ضحّاک سمجھو! وہ تین میں نہ تیرہ میں

یہ تأثر تو قرآنِ کریم کی محولہ بالا آیات کی روشنی میں آفتاب مضطر کی شاعری میں قائم ہوا تھا۔ بعد ازاں انھوں نے چاروں خلفائے راشدین اور حضرات حسنین کریمین رضوان اللہ علیہم کی شان میں بھی ہائیکو کہے ہیں:

مونس، دوست، رفیق
یارِ غار بھی کہلائے
ہجرت میں صدیقؓ

کون ایسا مفروق
باطل و حق کی ہیں میزان
صرف عمر فاروقؓ

ایسا کون سخی!
فیاض و سرچشمۂ فیض
اِک عثمان غنیؓ

دیکھ درِ خیبر — کب تھے شانوں پر!
کتنی کاری ہوتی ہے — دو عالم کے دوش پہ تھے
ضربِ علی حیدرؓ — شبیر و شبرؓ

''القاء'' میں اور بھی مناقب کے نمونے ہیں لیکن میں صرف ان ہی چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

موضوعاتی اصنافِ سخن میں یہ فضیلت صرف حمد و نعت و منقبت کو حاصل ہے کہ ان اصناف کا متن (Text)، شاعری کی ہر صنفی ہیئت (Form) میں سما جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آفتاب مضطر کی قادرالکلامی کا جوہر مزید نکھر کے سامنے آتا ہے، کہ انھوں نے جدید و قدیم تقریباً تمام ہیئتی اصناف میں کامیاب تقدیسی شاعری کی ہے۔

میری دعا ہے کہ آفتاب مضطر کی تخلیقی دانش کا کھلایا ہوا حمد و نعت و منقبت کا یہ گلشن ہمیشہ پھولے پھلے۔ اللہ تعالیٰ انھیں حمد و نعت و منقبت کے متون کا تخلیقی چمن سجانے کی توفیقات سے ہمیشہ نوازتا رہے۔۔۔۔۔آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم!

اتوار: ۲۱رذی الحج ۱۴۳۹ھ — مطابق: دوم، ستمبر ۲۰۱۸ء

کلامِ رضاؔ میں مناقبِ صحابۂ کرام اور امہات المومنین

سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کا تو جواز موجود ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اولیاء اللہ کے مناقب لکھنا کیا ضرور ہے؟؟؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور قرآنِ کریم میں اعلان بھی کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا o (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، پیدا فرمادے گا ربِّ مہربان ان کے لیے [دلوں میں] محبت)۔ا

واضح رہے کہ اعمالِ صالحہ کا معیار صرف رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیروی ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اسوۂ حسنہ کو پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنایا گیا ہے۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ O (یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہء [عمل] ہے (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا تھا:

ہر گلِ نو کہ شد چمن آرائے — زِ اثر رنگ و بوئے صحبتِ اوست

(جو پھول بھی کھل کر باغ کی آرائش کا موجب بنتا ہے وہ میرے محبوب کی صحبت کی وجہ سے ہی زیب و زینت کا حامل ہوتا ہے)۔

یہ بھی حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ کسی طبقے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حق ادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشروں میں خیر پھیلانے کے لیے نظامِ نبوت قائم فرمایا اور انسانی خوبیوں کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرما کر ''جمالِ خیر'' کا مثالیہ (Ideal)، دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ پھر نبوت کا سلسلہ مختتم فرمایا تو، امتِ مسلمہ کو ''خیر الامم'' قرار دے کر، قیامت تک اسے اعمالِ حسنہ کا جمال دکھانے کے لیے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ سونپ دیا۔

خاطر نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ نبوت کی شکل میں، اپنے رسول، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے زیرِ نگرانی ''حکومتِ الٰہیہ'' کے قیام کا جو نمونہ دنیا کو عطا فرمایا تھا اس کا تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے، ''خلافتِ راشدہ'' کا نظام جاری ہوا۔ یہ نظام غیر معصوم انسانوں کے ہاتھوں دنیا میں برپا کیا گیا تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حکومتِ الٰہیہ کے لیے ''معصوم عن الخطا'' نبی کا ہونا ہی ضروری ہے۔

اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا بعد کے اولیاء اللہ کے مناقب لکھنے سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو معیارِ بندگی عطا فرمایا تھا اس معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے والے افراد، تا قیامِ قیامت موجود رہیں گے اور جس انسان کے دل میں خیر طلبی کا ذرا سا بھی جذبہ ہوگا وہ ان اعلیٰ کردار و افکار و اقدار کے حامل بزرگوں کے لیے کلمۂ خیر ہی کہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں جن انعام یافتگان کا راستہ اختیار کرنے کا داعیہ پیدا کرنے کے لیے، انسانوں کو جو دعا سکھائی ہے، اس دعا کے جواب میں اگر قیامت تک انعام یافتگان یعنی صدیقین، شہدا اور صالحین جیسے غیر معصوم، مثالیہ نمونے (Ideal models) دنیا میں موجود ہی نہ رہیں تو پیروی کا سلسلہ تو ساکت و جامد ہو جائے گا۔ اور یوں، بندے کی طرف سے پانچ وقت کی جانے والی دعا ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o'' عملی طور پر بے اثر ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآنِ پاک کی حفاظت کا بندوبست فرمایا وہیں، صدیقین، شہدا اور صالحین کی ہر زمانے میں موجودگی کا بھی اہتمام فرما دیا اور انبیاء کی سچی پیروی کرتے ہوئے زندگی گزارنے والے اصحاب کی محبت امت کے خیر طلب افراد میں ڈال دی۔

بزرگوں کے مناقب میں شعراء کا اظہار، خالصتاً جذبۂ محبت کے تابع ہی ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے کامل اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور مکمل تنفیذِ دین کے لحاظ ہی سے فرمایا تھا **''خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم''** (میرے زمانے کے لوگ سب سے اچھے ہیں پھر جو ان کے بعد پھر جو ان کے بعد (پارہ نمبر ۱۴، بخاری شریف، جلد دوم، کتاب المناقب، ص ۴۲۲)۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کرام اور اتباعِ تابعین سے مزاجاً اور مسلکاً تعلق رکھنے والے لوگ ہی دین کی محکم اقدار کے نفاذ کے نمونے پیش کرنے کے قابل ہیں اور اسی طبقے میں، نعت و منقبت نگاری کا چرچا بھی زیادہ ہے۔ یہ منقبت نگاری دراصل بالواسطہ نعت ہی ہے۔

اعلیٰ حضرت چوں کہ دین کے مزاج شناس تھے، اس لیے انھوں نے نعت گوئی میں یہ

اہتمام بھی فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے ہر طبقے کے مقبولانِ بارگاہ کے لیے اشعار کہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرتؒ اپنے مسلک کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

اہل سنت کا بیڑا پار اصحابِ حضور ——— نجم ہے اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

ایک موقع پر سنی مسلمان کے وصال کے حوالے سے ایک نیک تمنا دعا بن کر زبانِ قلم پر آئی:

واسطہ پیارے کا! ایسا ہو کہ جو سنی مرے ——— یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا ——— فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

ایک جگہ فرماتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب ——— تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

چوں کہ اہلِ سنت، ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں اس لیے حضراتِ ائمہ کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، امامِ حنیفؒ ——— چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

اصحاب النبی ﷺ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو امام اہلِ سنت نے چشمِ تصور سے دیکھا اور حدیثِ انجم (اصحابی کالنجوم) یاد کر کے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس محفل کا نقشہ کھینچا تو انھیں ہر طرف نور ہی نور نظر آیا، فرماتے ہیں:

انجمن والے ہیں انجم، بزمِ حلقہ نور کا
چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا

نعت نگاری میں اسوۂ صحابہ کا دھیان آئے تو حضرت حسان بن ثابتؓ کا ذکر لازمی ہو جاتا ہے کہ انھیں ہی یہ فضیلت حاصل رہی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی شاعری سننے کے لیے ان کو منبر عطا فرمایا تھا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی۔ اس لیے تمام نعت گو شعرا بالعموم اور امامِ اہلِ سنت بالخصوص حضرت حسانؓ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں ——— کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانؓ عرب

اسی زمین میں خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر کہا ہے۔ اس شعر میں عجمی مسلمانوں اور عہدِ صحابہ کرامؓ سے اب تک کے عرب مسلمانوں کا جذبۂ اتباعِ رسول ﷺ بھی منعکس ہوتا ہے اور علمِ بدیع کی کچھ صنعتیں بھی آ گئی ہیں:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم　　　تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

اس شعر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علم بدیع کی صنعتیں مثلاً تجنیسِ تام، صنعت شبہ اشتقاق اور صنعتِ تضاد بھی یک جا ہیں اور شعر میں روانی اور فصاحتِ بیان بھی قائم ہے....صنعتِ تجنیس تام دونوں جگہ 'بے دام' کے الفاظ کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ 'بے دام' ایک جگہ 'بن مول' کے معنی دے رہا ہے اور دوسری جگہ ''بغیر جال'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اسی طرح 'بندے' اور 'بندی' میں شبہ اشتقاق ہے کیوں کہ یہ دونوں الفاظ بظاہر ایک ہی مادے سے مشتق معلوم ہوتے ہیں لیکن اصلاً ایسا ہے نہیں۔ بندے بندہ (عبد) 'غلام' اور بندی (قید و بند) 'قیدی'۔عجم اور عرب میں صنعتِ تضاد کا ظہور ہوا ہے۔☆۲

اس شعر کی معنوی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی پیروی کے جذبے کو زمان و مکان کی قید سے آزاد، ہر عہد کا جذبہ محرکہ بتایا گیا ہے اور اب یہ سچائی ابدالآباد تک اپنی قوت آپ منواتی رہے گی۔

اہلِ سنت و جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمتوں کے قائل ہیں اور نبی کریم ﷺ کی اولاد امجاد سے بھی تولائی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں اس لیے ان کے اشعار میں برجستہ ان مقدس ہستیوں کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔اعلیٰ حضرت کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطینؓ اس کی کلیاں پھول
صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ حیدرؓ ہر اک اس کی شاخ

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا
نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا　　　ہو مبارک! تم کو ذوالنورینؓ جوڑا نور کا

ان اشعار میں اعلیٰ حضرت نے ریاضِ نبوی ﷺ میں کھلنے والے غنچوں اور پھولوں کے ساتھ ساتھ پودوں اور شاخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔حضورِ انور ﷺ کو نور فرما کر قرآنِ کریم کی آیت 'قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین' (مائدہ:۱۵) [بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (ذاتِ محمدی ﷺ) اور روشن اور واضح کتاب (قرآنِ کریم) آ چکی ہے]۔کی طرف تلمیحاتی اشارہ بھی کر دیا ہے۔پھر نورِ ہدایت کو آپ ﷺ کی نسلِ پاک میں بھی منعکس دکھایا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے 'ذالنورین' ہونے کا شرف بھی واضح طور پر مذکور فرمایا ہے کہ آپؓ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے سیّد الکونین ﷺ کی دو صاحب زادیاں آئی تھیں۔حضرت سیّدہ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ، غزوۂ بدر میں شرکت نہیں فرما سکے تھے لیکن حضور ﷺ نے اپنی لختِ جگر سیّدہ رقیہؓ کی

تیمارداری کے لیے انھیں مدینے میں رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ ''تمھارے لیے اس آدمی کا اجر و ثواب اور مالِ غنیمت میں حصہ ہے جس نے اس غزوہ میں شرکت کی۔''☆۳

حضرت سیّدہ رقیہؓ کی رحلت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور فرمایا، ''اگر میرے سو (۱۰۰) بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو عثمان (رضی اللہ عنہ) کے حبالۂ عقد میں دے دیتا۔☆۴

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردارِ دو جہاں　　　اے مرتضیٰؓ! عتیقؓ! و عمرؓ! کو خبر نہ ہو

اس شعر کی تفہیم میں مجھے دقت کا سامنا تھا کہ میری رہنمائی کے لیے حضرت علامہ کوکب نورانی نے مجھے 'جامع الاحادیث' کے متعلقہ صفحے کی فوٹو نقل ارسال فرما دی۔اللہ انھیں جزائے خیر دے۔(آمین)۔

حدیث شریف: ''امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ اور عمرؓ سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں، تمام آسمان والوں اور زمین والوں سے بہتر ہیں، سوا انبیا و مرسلین کے۔اے علیؓ! تم ان دونوں کو اس کی خبر نہ دینا۔'' امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا، ''اس کے معنی یہ ہیں کہ اے علی (رضی اللہ عنہ)! تم ان سے نہ کہنا بلکہ ہم خود فرمائیں گے تا کہ ان کی مسرت زیادہ ہو۔''☆۵

حضرت رضؔا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاعری میں مسلکِ اہلِ سنت کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری با آسانی اعدائے اسلام کی پھیلائی ہوئی غلط باتوں سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔اس طرح اس کی آگہی اس کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے بدگمان نہیں ہونے دیتی اور اس کے ایمان کی حفاظت کا سامان ہو جاتا ہے:

ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل　　　ابوبکرؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ ہے

اس شعر میں تلمیحی اشارہ قرآنِ کریم کی آیت کی طرف ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے اصحاب النبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے، 'رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ' (فتح:۲۹) ''آپس میں مہربان ہیں''۔اس آیت کے ہوتے کسی مزید دلیل کی ضرورت تو رہتی نہیں ہے، لیکن اعلیٰ حضرت کے شعر کی صداقت کی گواہی ہمیں تاریخ کی معروضی (Objective) ورق گردانی سے بھی مل جاتی ہے۔ان گروہوں سے متعلق اعلیٰ حضرت کے اشعار درج کرتا ہوں جن کی حضرت علیؓ کی کاذب محبت یا صریحاً بغض کی وجہ سے خود حضرت علیؓ نے انھیں رد فرما دیا تھا۔

پہلے یہ دیکھتے چلیے کہ حضرت رضؔا بریلوی کی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے الفت کس درجے کی ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

درِ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوشاب ہوں | یعنی ترابِ رہ گزرِ بوترابؓ ہوں
درّ درجِ نجف، مہر برجِ شرف | رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰؓ شیرِ حق اشجع الاشجعیں | ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصلِ نسلِ صفا، وجہِ وصلِ خدا | بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار سے رضؔا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حبِ علیؓ کا بھرپور اندازہ کیا جاسکتا ہے۔امامِ اہلِ سنت کی حبِ علیؓ میں نہ تو روافض کی سی افراط ہے، نہ ناصبیوں اور خارجیوں والی تفریط یعنی اعلیٰ حضرت کی محبتِ علیؓ،اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے۔

اب وہ اشعار ملاحظہ فرمائیے جن میں ان فرقوں کا ذکر ہے جو غیر معتدل حبِ علیؓ یا خلافِ حقیقتِ علیؓ کی مخالفت کا شکار ہوئے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج | چار می رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن | پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج | حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام
ناصبی را بغضِ تو سوئے جہنم رہ نمود | رافضی از حبِ کاذب در سقر درآمدہ
اے عدوئے کفر و نصب و رفض و تفضیل و خروج | اے علوے سنت و دینِ ہدیٰ امداد کن!

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصب (عداوتِ علیؓ)، رفض (کاذب حبِ علیؓ اور بغضِ صحابہ کرامؓ)، تفضیل (حضرت علیؓ کو تین خلفائے راشدین پر فضیلت دینا)، خروج (حضرت علیؓ سے واقعۂ تحکیم میں مخالفت کرنے اور اہلِ بیت سے بغض رکھنے والے) سب کے سب حدِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہونے کے باعث ناقابلِ قبول ہیں۔کیوں کہ ان تمام رویوں کو خود حضرت علیؓ نے رد فرما دیا تھا۔حضرت علیؓ نے خوارج سے جنگ کی اور ان کا صفایا کر دیا اور روافض کے لیے فرمایا،''میری محبت میں حد سے گزرنے والا، زیادتی کرنے والا ہلاک ہوجائے گا۔'' آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے''علیؓ کی محبت اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا۔''

تفسیر مظہری میں سورۂ حشر کی آیت نمبر۱۰ (بعد کو آنے والے ان اگلوں کے لیے (دعا کرتے ہیں اور) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے لیے کینہ نہ پیدا کردینا۔اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق،رحیم ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد والوں سے مراد فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے اور قیامت تک آنے والے مومن مراد ہیں۔پھر ابن ابی لیلیٰ کا قول لکھا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔پھر ایک واقعہ فصول (اثنا عشری فرقے کی کتاب) سے نقل کیا ہے،جس میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ خلفائے ثلاثہؓ پر نکتہ چینی کر رہے تھے تو حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے والـذیـن...(الایہ)،(سورۂ حشر آیت:۱۰)۔اس کے بعد صحیفۂ کاملہ سے حضرت امام زین العابدینؓ کی ایک طویل دعا درج کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں،''اے اللہ!اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہؓ کی پیروی کرنے والے ہوں اور کہتے ہوں، ربـنـا اغفر لنا...(الایہ) (اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے...الخ)''☆[۶] اسی تناظر میں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے، حضرت علیؓ کو ان تمام مسالک کا دشمن بتایا ہے۔

چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری ازل سے جاری ہے۔اس لیے اعدائے اسلام اپنی سازشوں میں کسی حد تک ان مقدس ہستیوں کے درمیان اختلاف کی داستانیں گھڑنے اور ان کو ہوا دینے میں کامیاب ہوگئے،جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ وہ آپس میں مہربان ہیں۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں،مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اپنی داڑھیوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو، کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مستدرک حاکم، مسند دارمی اور مسند احمد)☆[۷] یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے علما اور مفکرین و دانشور، نیز شعرا جہاں اصحابِ کرامؓ کا ذکرِ جمیل کرتے ہیں انھیں آئینۂ تاریخ پر دشمنانِ اسلام کی ڈالی ہوئی گرد

صاف کرنے کے لیے یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ آپس میں شیر وشکر تھے۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پس منظر میں یہ کہا تھا:

ع ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل

اس ضمن میں خلفائے ثلاثہ کے بارے میں صرف حضرت علیؓ کی رائے ملاحظہ فرما لیجیے، مؤلف کتاب، امیر المومنین سیّدنا علیؓ نے شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد چہارم، مطبوعہ تہران کے حوالے سے سیّدنا علیؓ کے مکتوب کے چند جملے نقل کیے ہیں جو شیخینؓ کی عظمت کی گواہی کے لیے کافی ہیں۔ سیّدنا علیؓ سیّدنا امیر معاویہؓ کو لکھتے ہیں...... ''اور اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تو نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ تھے اور پھر اس خلیفہ کے بعد عمر الفاروقؓ تھے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! ان دونوں کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے اور ان کی موت اسلام کے لیے ایک بہت بڑا زخم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے اور ان کے اعمال کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔'' ☆۸

اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف سیرت عثمانؓ میں قیس بن عبادؓ کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے جنگِ جمل کے روز سیّدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ... ''لوگ میرے پاس میری بیعت کرنے کے لیے آئے لیکن میرا نفس ابا کرتا تھا، بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جو ایک ایسے شخص کے قتل کی مرتکب ہوئی ہے جس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اور مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس حالت میں بیعت لوں جب کہ عثمانؓ زمین میں دفن ہوئے بغیر شہید ہوئے پڑے ہوں۔'' ☆۹

سب سے زیادہ جس مسئلے کو ہوا دی گئی ہے، وہ خلافِ علیؓ بلافصل والا مسئلہ ہے جس کے جمہور علما، صلحا اور صحابۂ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ کبھی قائل نہیں رہے۔ کیوں کہ خلافت کا مسئلہ تو آں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حدودِ یثرب (جسے ہجرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، کے طفیل مدینۃ النبی ﷺ کہلانے کا شرف ملا) میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے ہی اپنے طرزِ عمل سے طے فرما دیا تھا۔ طبرانی نے مسجد قبا کی تعمیر کے حوالے سے جو روایت کی ہے الحمدللہ اس پر کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ مسجدِ قبا کی تعمیر کے لیے نبی ﷺ کریم ﷺ نے اہلِ قبا سے فرمایا:

یا اہلِ قبا...اے قبا کے لوگو!

ائتونی باحجر من هذال حرة... پتھروں کے اس ڈھیر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔

فجمعت عنده احجار کثیرة...سب نے آپ ﷺ کے پاس بہت سے پتھر جمع کر دیے۔

و معه غنزله له...اس وقت آپ کے پاس (نیزہ نما) لکڑی تھی۔

فخط قبلتهم...آپ نے سمتِ قبلہ کی نشان دہی فرمائی۔

فاخذ حجرا فوضعه...پھر سب سے پہلے خود ایک پتھر اٹھایا اور اسے تعمیر کے لیے رکھا۔

ثم قال یاابوبکرؓ خذ حجر افضعه حجری ...پھر ابوبکرؓ سے فرمایا ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے برابر رکھو!

ثم قابل یاعمر خذ حج افضعه الیٰ جانب حجر ابوبکرؓ...پھر عمرؓ سے فرمایا: ایک پتھر اٹھاؤ اور اسے ابوبکرؓ کے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔

ثم قال یا عثمانؓ خذ حجرا فضعه الیٰ جنب حجر عمرؓ...پھر عثمان سے کہا: اے عثمان تم پتھر اٹھاؤ اور عمرؓ کے پہلو میں رکھ دو۔

ثم قال یا علیؓ خذ حجر افضعه الیٰ جنب عمرؓ...پھر فرمایا علیؓ! تم بھی پتھر اٹھاؤ اور اسے عمرؓ کے پتھر کے برابر رکھ دو۔

ثم التفت الی الناس لیضع کل رجل حجرة حیث احب علیٰ ذلک الخط...پھر تمام لوگوں سے متوجہ ہو کر فرمایا تم سب ان خطوط پر جہاں چاہے پتھر رکھ دو۔ ☆۱۰

یہ واقعہ ہے اسلام میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والی مسجدِ قبا کا ہے، جس کی تعمیر پہلے ہی دن سے مقبولِ بارگاہِ ربّ العزت ہو چکی تھی اور جس کے بارے میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا تھا، ''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ط...(الایہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، زیادہ مستحق ہے، اس بات کی کہ کھڑے ہو تم [عبادت کے لیے] اس میں۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر ۱۰۸)

دراصل، مسجد کی تعمیر کے ضمن میں اُمتِ مسلمہ کی تعلیم کے لیے حضراتِ صحابۂ کرامؓ کی فضیلتوں کا ادراک کروانا بھی مقصود تھا۔ اسی لیے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیاوی میں وصال سے صرف چار روز قبل عشا کی نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا

جنھوں نے حضور ﷺ کے پردہ فرمانے تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔ ان نمازوں میں حضرت علیؓ بھی مقتدی تھے۔☆۱۱

۹ ہجری میں حضور نبی کریم ﷺ نے حج کی فرضیت کے پہلے سال حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور سورۂ برأت کی ابتدائی آیات کے ابلاغ کے لیے حضرت علیؓ کو مکہ مکرمہ کی طرف بھجوایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا: امیر ہو یا مامور؟ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا تھا، 'مامور ہوں'۔☆۱۲ حضرت علیؓ نے ایک لمحے کو بھی خود کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھا تھا اور نہ وہ حضرت عباسؓ عمِ رسول اللہ ﷺ کے اصرار پر یہ نہ فرماتے، ''بخدا اگر ہم آپ ﷺ سے اس بابت (خلافت کے) دریافت کریں اور آپ ﷺ نے ہمیں منع کر دیا تو آپ ﷺ کے بعد ہمیں لوگ کبھی خلیفہ نہ بنائیں گے۔ بخدا میں تو یہ بات آپ ﷺ سے نہیں پوچھتا۔''☆۱۳

پیرِ طریقت حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں 'نہج البلاغۃ' کا ایک طویل اقتباس نقل فرمایا ہے جو حضرت عمرؓ کے جنگِ عراق میں بنفسِ نفیس شرکت کرنے کے سوال پر حضرت علیؓ کے خطبے پر مبنی ہے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو چکی کے قطب کی طرح مرکز پر رہنے کا مشورہ دیا اور فرمایا ''ہم (مہاجرینِ اوّلین) منجانب اللہ وعدۂ نصرت دیے گئے ہیں۔'' سیّد پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد کی روشنی میں سورۂ نور کی آیت، ''**وعداللّٰہ الذین آمنوا منکم... الی الآخرہ...** (نور:۵۵)'' اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو باایمان ہیں اور اعمالِ صالح کرتے ہیں کہ البتہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ کرے گا'' کا حوالہ دیا ہے۔ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ''استخلاف، یعنی خلیفہ بنانے کو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ **یستخلفن کی نسبت ضمیر ھم** کی جانب یعنی جملہ مہاجرین اوّلین کی طرف۔☆۱۴ پیر صاحب آگے فرماتے ہیں، ''تو آیۃِ استخلاف کا مطلب یہ ہوا کہ میں حاضرین سورۂ نور میں سے بعض کو زمین میں دین مرتضٰی عنداللہ کے قائم کرنے کی قدرت عطا کروں گا کہ وہ لوگ خداداد تصرف وسلطنت، عدالت وتہذیب کی رو سے ادیانِ باطلہ اور شرکِ مطلق کو جس کے من جملہ اقسام ہوا پرستی بھی ہے، بیخ وبن سے اکھاڑ دیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ جن کو میں خلافت اور تمکین دینِ اسلام اور بے غمی اور توحید عطا کروں گا، یہ لوگ ہوا پرست نہ ہوں گے اور کسی شے کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔ حق سبحانہ تعالیٰ احکم الحاکمین واصدق الصادقین، خلفائے اربعہ کو ہوا

پرستی کے دھبے سے پاک اور بری فرماتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسے لوگ جن کا مزکی اور بری کنندہ خود علام الغیوب ہو، کیا وہ اس درجے کے متعصب، ظالم اور ہوا پرست ہو سکتے ہیں؟... ہرگز ہرگز نہیں۔☆۱۵

یہ ہیں چند تاریخی حقایق جن کی روشنی میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام کے تلمیحاتی اشاروں اور احوالِ اصحاب النبی المحترم ﷺ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اب درجِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج — چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

یہاں اعلیٰ حضرت نے دوسرے خلفاے راشدین کے ذکر کے علی الرغم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے بالخصوص ''چارمی رکنِ ملت'' (خلافت کے چوتھے ستون) محض فاسد عقاید کے ابطال کی غرض سے ہی کہا ہے۔

کلیم ونجی، مسیح وصفی، خلیل ورضی، رسول ونبی — عتیقؓ ووصیؓ، غنیؓ وعلیؓ ثنا کی زباں تمھارے لیے

ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ جس کی بلبل ہیں — ترا سروِ سہی اس گلبن خوبی کی ڈالی ہے

اعلیٰ حضرت کی شاعری میں جو مقام ان کے لکھے ہوئے سلام کو حاصل ہے، وہ ان کے دوسرے کلام کو حاصل نہیں۔ ہر شاعر کے کلام میں شاہکار شعری مرقعے کم کم ہی ہوتے ہیں۔ نعت کی دنیا میں کسی کلام کی مقبولیت کا معیار عمومی شاعری کے قبولِ عام کے معیارات سے مختلف ہوتا ہے۔ نعت کی قبولیت کی ہوائیں مدینے کی طرف سے چلتی ہیں۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کی قبولیت محتاجِ تعارف نہیں۔ اس سلام میں بھی اعلیٰ حضرت نے اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس شعری شاہ کار میں انھوں نے خروج، رفض، نصب اور تفضیلی رویوں سے برأت کا اعلان فرماتے ہوئے، اہلِ سنت والجماعت کا یہ مسلک اجاگر کیا ہے، ''**الصحابہ کلھم عدول**'' (صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں)۔ ۱۶

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں — شیرِ غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

پارہ ہاے صحف غنچہ ہاے قدس — اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

پارہ ہائے صُحُف غنچہ ہائے قُدُس   اہلِ بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
ان کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود   ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا   اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہؓ، تمام اصحابِ کرامؓ، اہلِ بیتِ نبوت، بدر کے تین سو تیرہ شریک اصحاب، احد میں شامل جاں نثارانِ رسول ﷺ کے ساتھ ان تمام اصحابؓ پر بھی لاکھوں سلام بھیجے گئے ہیں جن کی بیعت کرنے کی ادا خود خالقِ کائنات کو پسند آئی، اسی لیے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کا نام دیا گیا''**لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ** ۔ (الآیہ) (بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کررہے تھے درخت کے نیچے)۔ آخری شعر میں ان خوش نصیب اصحابؓ کا ذکر ہے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت ملی تھی۔ ان اصحاب میں چاروں خلفاے راشدین کے علاوہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے اسماے گرامی شامل ہیں۔

حضرت رضا نے خلفاے راشدینؓ کا تذکرہ بالخصوص ایک سے زیادہ اشعار میں کیا ہے:

خاص اس سابق سیر قرب خدا   اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ   عز و شانِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل   ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں، سیّد المتقیں   چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

امام اہلِ سنت نے اہلِ اسلام کی ماؤں کو بھی بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، میں یہاں رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اشعار کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے کہ امت کی تمام مائیں حضور ﷺ کی صحابیات کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق   بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں آیۂ قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے:
''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔'' ''اے اہلِ بیت نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے تم سے ناپاکی دور کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اور تم کو پاک صاف ستھرا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔'' (۳۳:۳۳) یہ آیۂ کریمہ امہات المومنین کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اس لیے

امام اہلِ سنت نے یہاں اس آیت کی طرف تلمیحی اشارہ کیا ہے۔ لیکن حدیث کی رو سے بھی کچھ لوگ اہلِ بیت میں شمار کیے گئے ہیں، مثلاً (۱) جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ بنی ہاشم، بنی عباسؓ، اولادِ علی، جعفرؓ، عقیلؓ، حارثؓ کی اولاد۔ (۲) آپ ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے۔ (۳) آپ ﷺ کے گھر میں آنے جانے والے جیسے زید بن حارثؓ، اسامہؓ بن زیدؓ وغیرہم☆۱۷

جلوہ گیان بیت الشرف پر درود   پردگیان عفت پہ لاکھوں سلام

اس شرف والے گھر میں جلوہ آرا پاک دامن طاہر و مطہر پردہ دار خواتین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی پردہ داری پر لاکھوں سلام ہوں۔ واضح رہے کہ امت کی عام مستورات حجاب اور چادر اوڑھ کر اجنبی مردوں کے سامنے آسکتی ہیں لیکن امت کی مائیں اس حالت میں بھی مردوں کے سامنے نہیں آسکتی تھیں☆۱۸

سیما پہلی ماں کہف امن و اماں   حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی   اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
منزل من قصب لانصب لاصخب   ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ذکرِ جمیل ہے۔ جو پہلی ماں ہیں اور جن کے بطن سے حضور ﷺ کی اولادیں ہوئیں۔ چار صاحب زادیاں حضرت زینبؓ (زوجہ حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ)، حضرت رقیہؓ و حضرت ام کلثومؓ، (ازواج حضرت عثمان غنیؓ) اور حضرت فاطمہؓ (زوجہ حضرت علیؓ) اور صاحب زادے حضرت قاسمؓ، عبداللہ، طاہر وغیرہم۔ ان پر اللہ کی طرف سے سلام آیا اور جن کے لیے جنت میں ایک موتی کا گھر ہے جس میں شور ہے نہ کوئی تکلیف۔☆۱۹

بنتِ صدیق آرام جانِ نبی   اس حریم براءت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ   ان کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام
جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں   اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اوپر تہمت لگی اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں آپؓ کی برأت کا اعلان فرمادیا اور آپؓ کے دولت کدے میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے تھے:

شمع تابان کاشانۂ اجتہاد   مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس شرف کی طرف اشارہ ہے کہ بیشتر راویانِ

حدیث نے آپ رضی اللہ عنہا سے احادیث سماعت فرمائیں اور فقہا کرام نے ان کی روشنی میں قوانینِ شریعت کی تخریج کی اور اجتہادی فیصلے بھی کیے:

وہ عمرؓ جس کے اعدا پہ شیدا سقر　　　اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل امام الہدیٰ　　　تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی　　　جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا، ''جس نے عمرؓ سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے عمرؓ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔'' اس حدیث کی روشنی میں ہی اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ عمرؓ کے دشمن پر 'سقر' (جہنم) عاشق ہے۔

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود　　　دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام
درِ منثور قرآن کی سلک بھی　　　زوج دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ　　　حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

یہ تمام اشعار حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ کی منقبت میں ہیں۔ آپؓ کے مثل زہد و تقویٰ، فیاضی اور سخاوت و دریا دلی کا ذکر ہے کہ اسلام پر اپنی دولت نچھاور کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ہی قرآنِ کریم کی ایک قرأت اور ایک طرزِ کتابت پر امت کو جمع کیا اور جامع القرآن کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو قمیص ہدایت اور خلافت کی پہنائی تھی، اس کو آپؓ نے مفسدین کے جبر کے باوجود نہیں اتارا اور شہادت قبول فرمائی۔ آپؓ نے جنت کا لباس زیبِ تن کیا اور اس طرح اپنے آقا و مولیٰ رسولِ اکرم ﷺ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عثمانؓ! ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص (قمیص، جبۂ خلافت) پہنائے تو اگر لوگ تم سے اس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم ان کی وجہ سے اس کو مت اتارنا۔'' (ترمذی) اور ابن ماجہ☆۲۰

سلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت کے اشعار اسی مضمون میں پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔

اس سلام کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کے سراپا مبارک اور آپ ﷺ کی تعلیماتِ مقدسہ کو شعری متن بنایا اور اہتماماً صحابۂ کرامؓ، ازواجِ مطہرات، اولادِ امجاد و عترتِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت والجماعت کے ہر مکتبِ فکر اور فقہی مذہب کے بانی

حضرات اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ اولیائے امت کی خدمت میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں، نیز فرمایا:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں　　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

اس طرح امام اہلِ سنت نے اپنی شاعری کا canvas قرآنی تعلیمات اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے زمانی اور مکانی پھیلاؤ سے ہم کنار کر دیا ہے اور حبِ رسالت کے دائرۂ نور کو عہدِ نبوی سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے قلوب تک وسعت دے دی ہے۔ یوں ماہِ اسوۂ رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست روشنی حاصل کرنے والے ستاروں سے صراطِ ہدایت دیکھنے والی جماعت کی ہر عہد میں موجودگی کا احساس دلا کر دینِ متین کی ابدیت اور عشقِ سرکارِ ابد قرار ﷺ کا استمرار ادبی سطح پر روشن تر کر دیا ہے۔

کیوں جنابِ بوہریرہؓ! تھا وہ کیسا جامِ شیر　　　جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ بھر گیا

اس شعر میں نبی اکرم ﷺ کے معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحابِ صفہ کے لیے حضور ﷺ کے گھر کا ایک پیالہ دودھ ۷۰ آدمیوں کے لیے نہ صرف کافی ہو گیا تھا بلکہ بھوک کی شدت کے باوجود وہ اتنے سیر ہو گئے تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی مزید ایک گھونٹ کی گنجائش اپنے شکم میں نہیں پائی۔ اصحابِ صفہؓ کی ناز برداریوں کا بھی یہ عجیب پہلو ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے چند اشعار بلاتبصرہ نقل کرتا ہوں:

شیخینؓ ادھر نثار غنیؓ و علیؓ ادھر　　　غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمال گل
مولیٰ علیؓ نے واری تری نیند پر نماز　　　اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیقؓ بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے　　　اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انھیں پھیر دی نماز　　　پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
سعدین کا قران ہے پہلوے ماہ میں　　　جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

میں نے اختصار کے خیال سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے صرف چند الماس چن کر ان کی معنوی لمعات سے استفادہ کیا ہے۔

نعت حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے قلبی لگاؤ کا اشارہ یہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے مخصلین ملت سے عقیدت کا ملفوظی اظہار بھی

(ہمارے عہد تک آتے آتے اظہار عقیدت بیشتر ملفوظی ہی رہ گیا ہے)۔شاعری کی دنیا میں لفظ کی حرمت اپنی جگہ لیکن نبی المحترم ﷺ کے تمام اصحابؓ نے حضور ﷺ کی سچی اور پکی پیروی کو ہی معیارِ مدحت بنایا تھا۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ملفوظی مدحِ رسول ﷺ کے نمونے بھی سامنے رکھے اور ان نفوسِ قدسیہ کی اتباع سیّدالکونین ﷺ کے نقوش بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری عمل (Poetic Work) میں قلبِ مومن کی دھڑکن بھی سنائی دیتی ہے اور ایمانی حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جذبے کی صداقت بھی ضوریز ہے اور عقیدے اور عقیدت کے امتزاج کی جاوداں درخشندگی بھی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مدح رسول ﷺ میں اتباعِ رسول ﷺ کا ذکر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو صراطِ عمل دکھانے کے لیے سلسلبیلِ نور کا حکم رکھتا ہے۔ فیضؔی نے اس خوش بختی پر اللہ ربّ العزت کا شکر ادا کیا ہے کہ وہ (فیضی) پیروِ اصحابِ رسول ﷺ ہے:

صد شکر کہ ما پیروِ اصحابِ رسولیمؐ　　　در شرع دگر راہنما را نشناسیم

مضمون کے اختتام پر اتنی سی گزارش ہے کہ نعت چوں کہ شعری زبان میں لکھی جاتی ہے اس لیے اشعار کو پرکھنے کے لیے ان ہی پیمانوں کا استعمال کیا جانا چاہیے جو اعلیٰ شاعری کے انتقادی عمل میں معاون ہوں۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اشعار کی زبان میں متن بننے والا بیانیہ (Narrative) معنوی قطعیت کا حامل بہت کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ شعری زبان میں مفرد الفاظ یا مرکب الفاظ کا معنوی پھیلاؤ مختلف رجحانات رکھنے والے قارئین کو مختلف معنوی عکس دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار کی شرحیں اور تفہیم کے زاویے بدلتے رہتے ہیں۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ شعر کہنے والا کوئی شخص بھی، صرف شاعر ہوتا ہے اس لیے اس کی تخلیقات کو شاعری کی حیثیت سے قبول یا رد کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم یا کم علم شاعر کی بھی اچھی شاعری سراہی جاسکتی ہے جب کہ کمزور شاعری، کسی متقی و پرہیز گار اور مسلمان عالم کی بھی نظر انداز کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا شعر کے حسن و قبح پر بات کرنے سے شاعر کی توہین یا تحسین کا پہلو نکالنے سے گریز لازمی ہے۔

میں نے بڑے دکھ سے یہ محسوس کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کو عوامی مقبولت تو حاصل ہوگئی لیکن اہلِ نقد و نظر کی توجہ نہ مل سکی۔ کیوں کہ اعلیٰ حضرت کے سادہ لوح

پیروکار، ان کی شعری قوت، تخلیقی صلاحیت اور زبان و بیان پر ان کی قدرت کے انتقادی جائزے کی اجازت ہی نہیں دیتے ہیں۔ ان کی شعری کائنات کی سیر کرنے والوں کو مسلکی جنگ چھڑ جانے اور ان کے خلاف، تکفیری فتاویٰ جاری ہو جانے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ اگر یہی فضا برقرار رہی تو اردو شاعری میں نعتیہ متن کی تشکیل کرنے والے ایک اہم شاعر کو علمی و انتقادی قریے میں داخلے کا کبھی بھی موقع نہیں مل سکے گا۔

عوامی مقبولیت چاہے کسی قدر اہم ہو، ادبی حیثت سے کسی شاعر کی Recognition نہ ہونا، ادبی دنیا کی بڑی محرومی ہے۔ تاریخِ ادب میں اعلیٰ حضرت کو ان کا جائز مقام نہ مل سکنے کی وجوہات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور اس روش کو بدلنے کے لیے آزاد فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ! یہ کام ''نعت رنگ'' کے ذریعے ہو رہا ہے۔ معروف عربی اسکالر اور شاعر جناب ڈاکٹر خورشید رضوی نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔ میں ان کی چند سطور نقل کر کے اجازت چاہوں گا:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کی ذات مسلمانانِ برِصغیر کی ایک بہت بڑی تعداد کے لیے مرجعِ عقیدت ہے اور ان کا نعتیہ کلام شہرت و مقبولیت کے مرتبۂ بلند پر فائز۔ تاہم قبولِ عام بسا اوقات ایک حجاب بھی بن جاتا ہے۔ مولانا کے ساتھ یہی ہوا کہ ان کے عقیدت مندوں کا جذباتی وفور ان کے خالص علمی و ادبی مقام کی تعیین میں حارج رہا''۔☆۲۱

حوالے اور حواشی: ☆۱۔ آیت ۹۶، سورۃ مریم ۱۹ پ ۱۶۔ ☆۲۔ علمِ بدیع سے میری واقفیت واجبی سی ہے، اس ضمن میں حدایقِ بخشش کا مقدمہ ترقیمہ شمس بریلوی اور ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی کی کتاب ''مقدمۃ الکلام عروض وقافیہ'' ملاحظہ فرمایئے (عزیز احسن) ☆۳۔ سیرتِ عثمان غنیؓ، حکیم محمود احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۱۱۷۔۱۱۸۔ ☆۴۔ ایضاً ص ۱۱۷ ☆۵۔ ''جامع الاحادیث'' مع افاداتِ مجددِ اعظم امام احمد رضا، پور بندر (گجرات)۔ ☆۶۔ تفسیر مظہری، جلد گیارہ، ص ۲۵۱۔ ☆۷۔ امیر المومنین سیّدنا علیؓ، حکیم محمد احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۲۵۷ ☆۸۔ ایضاً ۱۸۲۔ ☆۹۔ سیرتِ عثمان غنیؓ، محولہ ۷، ص ۴۹۴۔ ☆۱۰۔ بحوالہ نقوش ''رسول ﷺ نمبر''، ص ۳۳۴، (ہشتم) ☆۱۱۔ الرحیق المختوم، صفی الرحمٰن مبارک پوری، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۶۲۷۔ ☆۱۲۔ ایضاً، ۵۹۲۔ ☆۱۳۔ تجرید بخاری شریف، قرآن محل، کراچی، ج ۲، ص ۳۳۵۔ ☆۱۴۔ تصفیہ مابین سنی و شیعہ، ص ۲، ۳، سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، گولڑہ شریف، ۱۹۹۳ء۔ ☆۱۵۔ ایضاً، ص ۶، ۷۔ ☆۱۶۔ امیر المومنین سیّدنا علی، ص ۴۱۴۔ ☆۱۷۔ آیۂ تطہیر کے حوالے سے تفسیر مظہری، جلد نہم، ص ۲۵۶، ۲۵۷ نیز کتاب مطلب ہائے سخنِ رضا، ۳۵۷، ملاحظہ ہوں۔ ☆۱۸۔ سخن رضا مطلب ہائے حدایقِ بخشش، مولانا صوفی محمد اول قادری رضوی سنبھلی، ص ۳۵۸۔ ☆۱۹۔ ایضاً ۳۶۰۔ ☆۲۰۔ ایضاً، ص ۳۷۳ ☆۲۱۔ فلیپ، ''کلامِ رضا کے فکری و فنّی زاویے'' مرتبہ: صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، 2017ء ☆ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، حدائقِ بخشش، کرا

مناقبِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ......ثانی اِثنین!

اللہ تعالیٰ، رحمٰن ہے اور اس نے دنیا میں انسانوں کے دلوں میں انسانوں سے محبت پیدا کرنے کا ایک معیار مقرر فرما دیا ہے۔ یعنی جو کوئی اس کے محبوب نبی ﷺ کی اتباع کرتا ہے اللہ اسے محبوب بنا لیتا ہے۔ ارشاد ہوا......اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ ،اللہ تمھیں دوست رکھے گا......۳:۳۱،ترجمہ کنزالایمان)، پھر جس کو اللہ محبوب بنا لیتا ہے انسانوں میں بھی ہر سعادت مند انسان کے دل میں اللہ اپنے اس بندے کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

ترجمہ:''بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، پیدا فرما دے گا ربِّ مہربان ان کے لیے [دلوں میں] محبت''(القرآن:۱۹:۹۶)

اس سے متبادر ہوا کہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی منقبت بیان کرنے کا رجحان بھی اللہ تعالیٰ کے اسی غیبی نظام سے انسلاک رکھتا ہے، جس کے تحت صحیح الفطرت انسانوں کے دلوں میں کسی خاص انسان کی محبت جوش مارتی ہے اور ہر صحیح الفطرت شاعر کسی صحابی یا بزرگ کی محبت کے اس جذبے کو ملفوظی شکل دیدیتا ہے......یہی منقبت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف ''نور'' کی تشبیہ کے ذریعے کروایا ہے (ترجمہ: اللہ کی ہستی آسمان و زمین کی روشنی [نور] ہے،القرآن: ۲۴:۳۵) اور اپنے نبی علیہ السلام کو بھی ''نور'' فرمایا ہے......ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا [محمد رسول اللہ] اور روشن کتاب......۵:۱۵، ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی ،نوریں تلازمے کے ذریعے متعارف کروایا ہے۔......میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے، ہدایت یاب ہو گے۔ نجوم کی تشبیہ بھی اللہ کے رسول ﷺ نے قرآنی سند کی روشنی میں اختیار فرمائی ہے۔ سورۂ النحل کی آیت ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ''وَ بِا لنَّجمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ'' ٥ (اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ پاتے ہیں)۔

قرآن و حدیث میں ملنے والے نوریں تلازمات سے مترشح ہے، کہ اللہ، اس کے انبیاء کرام علیہم السلام اور انبیاء کے سچے پیروکار نفوسِ قدسیہ ہی، بنی نوعِ انسان کی، ظلمت سے نور کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، شیطان ان تمام نوریں سوتوں سے انسانوں کو دور رکھنا چاہتا ہے۔ جو لوگ شیطان کے پیروکار بن جاتے ہیں وہ گمراہی کے قعرِ مذلت میں گر جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا صدیقِ اکبر کی منقبت کے لیے اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں انعام یافتگان کی فہرست میں انبیاء کے بعد صدیقین کا ہی نام رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:......'' اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا۔ یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں'' (کنزالایمان) ...... یہاں، انبیاء کے بعد صدیقین کا ذکر ہے۔ ویسے تو حضورِ اکرم ﷺ کا ہر صحابی ''صدیق'' ہے لیکن، اجماعِ امت کی رُو سے صدیق کا لقب صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔

عبدالعزیز خالد نے تلمیحاتی اشارہ کرتے ہوئے لکھا ؎

کہے روح الامیں جسے ''صدیق'' ہمہ اخلاص ، سر بسر ایثار

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کی طرف تلمیحاتی اشارہ کرتے ہوئے لکھا ؎

انفرادیت و فضیلت کی دے سند جس کو شاعرِ سرکارؐ

پھر رسول اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق علیہ السلام کو سب سے بہتر جاننے اور بتانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، سو خالد نے ان کے حوالے سے لکھا ؎

سب سے بہتر ہے جو رسولؐ کے بعد حسبِ تصدیقِ حیدرِ کرارؓ

کہے ''کُنْتَ خَلِیْفَةً حَقّاً'' تجھ سے بڑھ کر نہیں کوئی حقدار

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے جاں نثار ساتھی کو اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِه (جبکہ کہہ رہا تھا وہ اپنے ساتھی سے......آیت ۴۰، سورۂ توبہ) فرما کر خود ہی صحابیت کے درجے پر فائز کیا ہے اور یہ خطاب کسی اور صحابی یا حضورِ اکرم کے کسی قرابت دار کا مقدر نہیں بن سکا ہے۔

راقم الحروف نے بھی اپنا یہ مؤقف ایک شعر میں واضح کیا ہے:

ذکرِ اصحابِ گرامی بھی ہے مدحت ان ﷺ کی　　نجم کی بات بھی ہے ماہ کے انوار کی بات

عبدالعزیز خالد نے قصیدے کے شروع میں ہی عقیدۂ راسخہ کا اعلان کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں ؂

اے پیکرِ صداقت و اے صاحبِ نظر!　　بعد از نبیؐ بزرگ توئی قصہ مختصر!

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ جب ایمان کی روزشنی کم ہونے لگتی ہے تو ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ طبقات ایمان کی روشنی بڑھانے کے عمل میں پیش رفت کرتے نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ سید مقصود شاہ صاحب کی یہ تالیفی خدمت قبول فرمائے اور اس پُر خلوص کاوش کے ذریعے، مسلمانوں میں حُبِّ نبی علیہ السلام، آل واصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جذبۂ صادق پیدا فرما دے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صادق الوعد الامین ﷺ!

رفیقِ غار و قبر و حشر، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعلیہ السلام کے مناقب کا مجموعہ (مناقبِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ......ثانی اِثنین) مرتب کرنے کی سعادت پانے والے حضرات :اشفاق احمد غوری اور مقصود علی شاہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دین بیزار اور ملحدانہ فضا کو ذکرِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ وعلیہ السلام سے مزین کتاب مرتب کرنے کا بیڑ (بی ڑا) اٹھایا۔

....

پیر: ۲۰/رجب المرجب ۱۴۴۱ھ مطابق: ۱۶/مارچ ۲۰۲۰ء

مرادِ مصطفیٰ......

’’مرادِ مصطفیٰ‘‘ مناقبِ فاروقیؓ کا لائقِ تحسین مجموعہ

علامہ عارف جاوید نقشبندی کی مرتبہ کتاب ’’مرادِ مصطفیٰ‘‘ کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ اس تدوینی اور تخلیقی کارنامے پر میں کس زاویئے سے روشنی ڈالوں؟؟؟

شاعری، احساسات کی تجسیم کا تخلیقی عمل ہے۔ احساسات میں جذباتِ عقیدت کی آمیزش ،کسی حسین شئے یا حسین انسان کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ہی حُسن سے متأثر ہونے والی بنائی ہے۔ کائنات کے مشہود مناظر میں حُسن ہے اور انسانی فطرت میں ’’خیر‘‘ بھی حُسن ہے۔ عالمِ مشہود کو دیکھ کر انسان کے دل میں جذباتِ تحسین پیدا ہوتے ہیں تو ان کے خالق کے لیے ’’حمد‘‘ کرنے کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ انسانی معاشروں کو انسانی اوصاف میں حُسن کی تلاش ہوتی ہے کیوں کہ اچھے اوصاف ہی ایک اچھا معاشرہ تشکیل دینے کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عاقل ،صاحبِ ہوش، صحیح الفطرت انسان ہمیشہ ’’خیر طلب‘‘ ہوتا ہے اور انسانوں میں جہاں بھی جمالِ خیر نظر آتا ہے وہ اس سے متأثر ہوتا ہے اور اپنی استعداد کی حد تک اس کی تحسین کرتا ہے۔ حُسن کی تحسین کا یہ جذبہ جب شاعری میں ڈھلتا ہے تو مذہبی ادب میں وہ ’’حمد‘‘، ’’نعت‘‘ اور ’’منقبت‘‘ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

شاعری میں جو تحسینی جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس کی بنیاد میں، مذہبی احساسِ تشکر شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی اعلیٰ شاعری میں مذہبی جذبات کی ملفوظی ترتیب نظر آتی ہے۔ مشرقی شعری دنیا میں تو ’’شاعر‘‘ تلمیذ الرحمٰن ،کہلاتا ہے۔

مجنوں گورکھپوری نے ایک جگہ لکھا ہے: ’’یونانی زبان میں شاعر کو POET یعنی صانع اور خالق کہتے تھے۔ اور اہل روما شاعر اور نبی یعنی غیب کی خبر دینے والے کے لیے ایک ہی لفظ VATES استعمال کرتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں شاعر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے اصل معنی، باخبر اور ادراک کرنے والے کے ہیں‘‘ ....اس طرح مجنوں گورکھپوری کی رائے سے بھی شاعری کا مذہب اساس (Religion based) ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشروں میں خیر پھیلانے کے لیے نظامِ نبوت قائم فرمایا اور انسانی

خوبیوں کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرما کر ''جمالِ خیر'' کا مثالیہ (Ideal)، دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ پھر نبوت کا سلسلہ مختتم فرمایا تو، امتِ مسلمہ کو ''خیرِ امت'' قرار دے کر، قیامت تک اسے اعمالِ حسنہ کا جمال دکھانے کے لیے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ سونپ دیا۔

خاطر نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ نبوت کی شکل میں، اپنے رسول، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زیرِ نگرانی، ''حکومتِ الٰہیہ'' کے قیام کا جو نمونہ دنیا کو عطا فرمایا تھا اس کا تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے، ''خلافتِ راشدہ'' کا نظام جاری ہوا۔ یہ نظام غیر معصوم انسانوں کے ہاتھوں دنیا میں برپا کیا گیا تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حکومتِ الٰہیہ کے لیے ''معصوم عن الخطا'' نبی کا ہونا ہی ضروری ہے۔ یہ اور بات کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، خلافتِ راشدہ کا زمانہ ''بقیہء زمانہء نبوت تھا''۔ وہ لکھتے ہیں:

''[خلفائے راشدین کی] خلافت کا زمانہ، بقیہء زمانہء نبوت تھا۔ [یوں سمجھو کہ آپ ﷺ، بعدِ نبوت کے تیئیس برس اپنی عمر شریف کے اور تیس برس زمانہء خلافتِ راشدہ کے، کُل ترپن برس دنیا میں رہے، فرق صرف یہ تھا کہ] گویا زمانہء نبوت میں تصریحاً زبانِ مبارک سے تمام باتیں بیان فرماتے تھے اور زمانہء خلافت میں ساکت بیٹھے ہوئے ہاتھ سے اور سر سے اشارہ کرتے تھے، بعض لوگ [ان اشارات سے] اصل مقصود سمجھ گئے اور بعض نے سمجھنے میں غلطی کی'' (ازالۃ الخفاء، جلد۱، ص۱۰۰)

شاہ صاحب کے اس بیان سے خلافتِ راشدہ کا روحانی پہلو اجاگر ہوتا ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب، رب تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجدِ قُباء کی تعمیر کے وقت حضورِ اکرم ﷺ نے، صحابہ کبار سے، ایک خاص ترتیب سے پتھر رکھوائے اور خلافتِ راشدہ کا واضح اعلان فرما دیا:

''حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ جب نبی ﷺ نے مسجد [اقدس] کی بنیاد ڈالی تو [پہلے] آپ ﷺ نے ایک پتھر رکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا میرے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر ابوبکرؓ رکھیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر عمرؓ رکھیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ کے پتھر کے پہلو میں ایک پتھر عثمانؓ رکھیں...... پھر اس کے بعد فرمایا کہ یہی لوگ میرے بعد میرے خلیفہ ہیں''...... (ایضاً ص۱۱۱)

ایک اور روایت میں حضورِ اکرم ﷺ نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''علی! تم بھی پتھر اٹھاؤ اور اسے عمر کے پتھر کے برابر میں رکھ دو'' (عبدالقدوس انصاری، ہجرتِ نبوی ﷺ، مشمولہ نقوش، رسول نمبر، جلد۸، ص۳۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت، اسی ترتیب سے وجود میں آئی جس ترتیب سے نبیءِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مسجدِ قُباء کی تعمیر میں انھیں آگے بڑھایا تھا۔

دنیاوی سلاطین میں تاریخ دانوں نے ہمیشہ ان حکمرانوں کا تحسین آمیز ذکر کیا ہے جن کے عہد میں عدل و انصاف قائم رہا اور جن سلاطین نے اپنے اوصافِ حمیدہ کے باعث رعایا کے دل میں گھر کر لیا۔ الحمدللہ! خلفائے راشدین، غیر مسلم مورخین کی نظر میں بھی محترم ہیں حالاں کہ وہ انھیںؓ، عام دنیاوی ملوک کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام، دنیا کے عادل حکمرانوں میں بھی ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ آپؓ کی شہادت کے بعد جنات نے بھی مرثیہ کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی جن کا یہ نوحہ سنا:

علیک سلام من امیر بارکت
ید اللہ فی ذاک الادیم المخرق

(اے امیر! تم پر سلام ہو اور برکت کرے، اللہ کا ہاتھ اس کشادہ زمین میں، تم نے تمام امور پورے کیے اس کے بعد انہیں اس حالت میں چھوڑا کہ گویا وہ کلیاں ہیں جو اپنے پردوں میں ہیں اور چٹکی نہیں ہیں)۔

فمن یسع او یرکب جناحی نعامۃ
لیدرک ما قدمت بالامس یسبق

(جو شخص اس لیے دوڑے یا شتر مرغ کے بازوؤں پر سوار ہو، کہ کل جو تم نے آگے بھیجا ہے اسے پالے تو وہ پیچھے رہ جائے گا)۔

ابعد قتیل بالمدینۃ اظلمت　　　　لہ الارض تھتز العضاہ با سوق

(کیا مقتولِ مدینہ کے بعد بھی جس کے لیے روئے زمین تاریک ہے، درخت اپنے تنوں پر جھومتے رہیں گے؟)۔ عاصم الاسدی نے کہا:

فما کنت اخشی ان تکون و فاتہ　　　　بکفے سبنتی ارزق العین مطرق

(مجھے اندیشہ نہ تھا کہ ان کی وفات، نیلی آنکھ والے شب رو چیتے کے ہاتھوں سے ہوگی!) (علامہ محمد بن سعد، طبقاتِ ابن سعد، جلد اول، ص 679)

اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے۔ انسانی معاشرے میں جس نے بھی اوصافِ انبیاء اپنائے، وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں تو کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت بھی دیدی ہے کہ، اللہ خود ان سے محبت فرمائے گا............ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم ط واللہ غفور رحیم** [۳۸]'' (اے محبوب) آپ فرمایئے (انھیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔ مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی دنیا میں محبوبیت کے لیے ''ایمان اور اعمالِ صالحہ'' کو معیار مقرر فرمادیا:......**اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا** o (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، پیدا فرمادے گا ربِّ مہربان ان کے لیے [دلوں میں] محبت) (آیت ۹۶، سورۃ مریم ۱۹ پ ۱۶) ....سمجھنا چاہیے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا عملی (Practical) نمونہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ گویا ایمان بھی ایمان بالرسالت کے بغیر قبول نہیں ہے اور اعمالِ صالحہ پر بھی آپ ﷺ کی سنت کی مہر ہونا لازمی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بالعموم اور خلفائے راشدین بالخصوص، امتِ مسلمہ اور غیر متعصب اغیار میں جس احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، وہ توسیعِ محبوبیت کے ربانی اعلان ہی کا کرشمہ ہے۔

مہاتما گاندھی نے کہا:

Let us take the example of UMAR. Though he was the monarch of a vast Empire. Yet he lived life of pauper.(Young India 1935)

''آؤ حضرت عمرؓ کی مثالی زندگی کو آئینۂ توجہ کے سامنے لائیں۔ وہ وسیع سلطنت کے فرمانروا تھے مگر ان کی زندگی ایک مفلس کی زندگی تھی'' (ینگ انڈیا، ۳۵)

Simplicity is not the monopoly of the Congress sites. I am not going to mention the names of rama and kirishna, as they were not the Historical Personalities. I am compelled to mention the names of Abu Bakr and Umar. Though they were monarchs' of vast Empires, yet they lived the life of a pauper."(Harigon 1937)

''سادگی، اربابِ کانگرس کا خاصّہ و اجارہ نہیں ہے، میں رام چندر جی اور کرشن جی کا نام نہیں لے سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی شخصیتیں تاریخی شخصیتیں نہیں ہیں۔ میں مجبور ہوں کہ [حضرت] ابوبکر اور [حضرت] عمرؓ کے نام لوں۔ وہ عظیم الشان فرمانروا تھے مگر انھوں نے فقیرانہ زندگی بسر کی'' (ہرجن ۳۷ء بحوالہ ضیائے حرم، فاروقِ اعظم نمبر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے۔ غسّانی خاندان کا ایک بادشاہ جبلہ، مسلمان ہو کر مدینے آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کرنے گیا۔ طوافِ کعبہ کے دوران میں اس کی چادر پر کسی بدو کا پیر پڑا تو اس نے اسے مکا مار کر زخمی کر دیا۔ بدو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپؓ نے اسے بلا کر فرمایا، یا تو بدو سے معافی طلب کرو یا بدلہ دو۔ ایک شیعہ مورخ امیر علی نے اس واقعے کو بڑی خوبصورتی سے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

The rest of this episode must be told in the memorable words of Omar himself to Abdu Obaidah, commanding the Moslem troops in Syria. "The poor man came to me," writes the Caliph, "prayed for redress; I sent for jabala, and when he came before me I asked him why he had so ill-treated a brother-Moslem. He answered that the man had insulted him, , and that were it not for the sanctity of the place he would have killed him on the spot. I answered that his words added to the gravity of his offence, and that unless he obtained pardon of the injured man he would have to submit to the usual penalty of the law. Jabala replied, 'I am a king, and the other is only a common man. "King or no king, both of you are Musulmans and both of you are equal in the eye of the law." He asked that the penalty might be delayed until the next day; and, on the consent of the injured, I accorded the delay. In the night Jabala escaped, and has now joined the Christian dog. But God will grant thee victory over him and the like of them..."(Ameer Ali, The Spirit of Islam, Page 229)

''بقیہ کہانی حضرت عمرؓ کے یاد رکھنے کے لائق ان الفاظ میں بیان کی جانی چاہیے جو انھوں نے شامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہ کو لکھے۔ خلیفہ لکھتے ہیں: ''وہ غریب آدمی داد رسی کے لیے میرے پاس آیا۔ میں نے جبلہ کو بلا بھیجا، اور جب وہ آیا تو میں نے اس سے سوال کیا کہ اس نے مسلمان بھائی کے ساتھ یہ بُرا سلوک کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس [بدو] نے میری توہین کی تھی

اور اگر اس مقدس جگہ کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے وہیں قتل کر دیتا۔ میں نے جواباً کہا کہ اس کے ان الفاظ نے اس کے جرم کو اور بڑھا دیا ہے۔ اب جب تک وہ اس زخمی آدمی سے معافی حاصل نہیں کرتا، اسے عام قانون کے مطابق بدلہ دینا ہوگا۔ جبلہ نے کہا ''میں بادشاہ ہوں، اور دوسرا صرف عام آدمی ہے''......بادشاہ ہو یا بادشاہ نہ ہو۔ تم دونوں مسلمان ہو اور قانون کی نظر میں دونوں برابر ہو۔ اس [جبلہ] نے سزا سے بچنے کے لیے ایک دن کی مہلت طلب کی۔ زخمی بدوی کی رضامندی سے میں نے اسے مہلت دیدی۔ رات کو وہ فرار ہوگیا اور اب عیسائی کتوں سے مل گیا ہے۔ لیکن [اے ابوعبیدہ!] اللہ تمہیں اُس پر اور اس جیسے لوگوں پر غلبہ دے گا!''

وکی پیڈیا کی ویب سائٹ پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ مبنی پر صداقت معلومات ہیں......مثلاً

During Umar's reign because of increase in revenues and other sources of income through extraction of the wealth from neighboring conquered lands, the state of Medina was on its way to economic prosperity. Hence Umar felt it necessary that the officers be treated in strict way as to prevent the possible greed of money that may lead them to corruption. During his reign, at the time of appointment, every officer was required to make the oath:

1. That he would not ride a Turkic horse. 2. That he would not wear fine clothes.3. That he would not eat sifted flour. 4. That he would not keep a porter at his door. 5. That he would always keep his door open to the public.

Umar was first to establish a special department for the investigation of complaints against the officers of the State. This department acted as Administrative court, where the legal proceedings were personally led by Umar. (From Wikipedia, the free encyclopedia)

حضرت عمرؓ کے عہد میں ہمسایہ ممالک کی فتح کے نتیجے میں، ریاستِ مدینہ کے ذرائع آمدن بڑھ گئے تو خوش حالی آ گئی تھی۔ اس لیے عمرؓ نے ضروری سمجھا کہ افسران کے ساتھ کچھ سختی کی جائے، تاکہ وہ دولت کی لالچ میں بدعنوانی پر نہ اتر آئیں۔ انہوں نے اپنے عہد میں ہر افسر کی تعیناتی کے وقت اس سے یہ حلف لیا کہ:

۱۔ وہ ترکی گھوڑے کی سواری نہیں کرے گا۔ ۲۔ عمدہ کپڑے زیبِ تن نہیں کرے گا۔
۳۔ چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائے گا۔ ۴۔ اپنے دروازے پر دربان نہیں رکھے گا۔
۵۔ عوام کے لیے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا............[حضرت] عمر [رضی اللہ عنہ] پہلے حکمران تھے جنہوں نے افسران کی شکایات کی تحقیق و تفتیش کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا۔ اس محکمے میں انتظامی عدالت کی صورت میں قانونی کارروائی ہوتی تھی جس کی [حضرت] عمرؓ خود رہنمائی [نگرانی] فرماتے تھے۔

Jewishvirtuallibrary کی ویب سائٹ میں درج ہے:

Umar's time as caliph saw the Islamic empire grow at an unprecedented rate, taking Iraq and parts of Iran from the Sassanids, and thereby ending that empire, and taking Egypt, Palestine, Syria, North Africa and Armenia from the Byzantines. Umar also codified Islamic law, and was known for his simple lifestyle and modest living. A famous story tells of him arriving in Jerusalem walking beside his camel upon which his servant was sitting. ….Umar is most recognized for originating most of the major political institutions of the Muslim state and stabilizing the rapidly expanding Arab empire.(https://www.jewishvirtuallibrary.org/umar-ibn-al-khattab)

ترجمہ: ''حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اسلامی ریاست کا فقیدالمثال فروغ دیکھا گیا۔ عراق اور ایران کے کچھ حصے [اسلامی ریاست میں شامل ہوئے] اور ساسانی اقتدار ختم ہوگیا۔ [پھر] بازنطینی ریاست کے [شہر] مصر، فلسطین، شام، شمالی افریقہ اور آرمینیا [وغیرہ بھی اسلامی ریاست کا حصہ بنے]۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی قانون کی ترتیب فرمائی اور وہ اپنے سادہ اور معمولی طرزِ بود و باش کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ یروشلم میں ان کی آمد کا قصہ بھی مشہور ہے [کہ وہ] پیدل چل رہے تھے اور ان کا ملازم [غلام] اونٹ پر سوار تھا۔ عمرؓ، تیزی سے پھیلنے والی اسلامی ریاست میں سیاسی اداروں کے قیام اور ان کے استحکام کے لیے اقدامات کرنے والے پہلے حکمران تسلیم کیے جاتے ہیں''۔

Jewishvirtuallibrary کی ویب سائٹ میں یروشلم کا ذکر ہوا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی

تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے اہلِ شہر کو بیت المقدس کے فاتح (اسلامی خلیفہ) کا حلیہ بھی معلوم تھا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے، بیت المقدس ومبارک کا محاصرہ کیا تو ''اہلِ شہر نے کہا کہ تم تکلیف نہ اُٹھاؤ اس کو ہرگز کوئی شخص فتح نہ کر سکے گا، بجز ایک ایسے شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی علامت ہے، تو اگر تمھارے خلیفہ میں وہ علامت موجود ہوگی تو ہم یہ شہر بغیر قتال کے اس کے سپرد کر دیں گے''......حضرت عمرؓ پیوند لگے لباس میں شہر تک پہنچے......''جب ان کو اہلِ کتاب کے مشرکوں نے دیکھا تو انھوں نے اللہ اکبر کہا اور بولے کہ وہ شخص یہی ہے اور ان کے لیے دروازہ کھول دیا'' (ازالۃ الخفاء، جلد سوم، ص ۲۱۸)

حضرت عمرؓ کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم رہنماؤں اور مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ میں نے یہاں چند مثالیں درج کی ہیں۔

''مرادِ مصطفیٰ'' میں شامل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں آپؓ کے پاکیزہ اوصاف، درخشندہ اقدامات، کراماتِ فائقہ، فتوحاتِ بے مثال اور رعایا پروری کے لازوال واقعات کی طرف تلمیحاتی اشارے ملتے ہیں۔ اس لیے مستند تواریخ سے آپؓ کی شخصیت کے چند پہلوؤں کا اندراج اور کرتا چلوں:

ا۔ علامہ شبلی نعمانی نے ایک خطبہ دیا جس میں بتایا:

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے بہتر کون سا زمانہ ہو سکتا ہے جب کہ انھوں نے ایک موقع پر کہا کہ اگر میں تم کو خلافِ شریعت حکم دوں تو تم میرا کیا کرلو گے؟......ایک بدو نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تجھے اس تلوار سے سیدھا کر دوں گا!......حضرت عمرؓ نے فرمایا: الحمدللہ! ابھی ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمرؓ کو سیدھا کر دیں گے''۔ (خطباتِ شبلی، مرتبہ: مولانا سید سلیمان ندویؒ، ص ۱۰۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات تو ایک طرف، آپؓ کے عُمّال کے قائم کردہ نظامِ عدل کی مثال، دنیا کی تاریخ میں ملنا محال ہے۔ علامہ شبلی نے ایک یورپین عیسائی بشپ پروفیسر یقاق کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے:

''حضرت عمرو بن العاصؓ، اسکندریہ کو فتح کرتے ہیں، مصر و قاہرہ فتح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اسٹیچو یا بُت بنا ہوا تھا، اتفاقاً ایک تیر کسی نے مارا، وہ آنکھ میں لگ گیا، اس کی آنکھ پھوٹ

گئی......لوگوں نے جا کر عمرو بن العاصؓ سے شکایت کی کہ آپ کے ایک شخص نے ہمارے بزرگ کی تصویر کو توڑ ڈالا اور بے حرمتی کی، آپ نے واقعہ پوچھا، اس نے بیان کیا، تب آپ نے پوچھا کہ معاوضہ کیا چاہتے ہو؟......اس کا کیا کفارہ ہے؟......انھوں نے کہا ہم بھی جو محمد [ﷺ] تمھارا نبی ہے، اس کا [نعوذ باللہ] ایک بت بنا کر اس کی آنکھ پوڑ دینا چاہتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ اس سے تو کچھ حاصل نہیں، کیا تم اس بات پر راضی ہو سکتے ہو کہ ہم میں سے جس کو چاہو اس کی ایک آنکھ پھوڑ دو، انھوں نے کہا کہ ہم آمادہ ہیں، لیکن عیسیٰ علیہ السلام ہمارا خدا ہے، سب سے بڑا شخص تھا، اس واسطے ہمارا ایک فوجی ادنیٰ درجہ کے شخص کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا پورا انتقام نہیں ہے۔ اگر تمہارا رئیسِ عسکری یعنی سپہ سالارِ فوج اس بات پر آمادہ ہو تو البتہ ہم راضی ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کون آنکھ اس کی پھوٹی تھی؟ اس کے بعد تلوار لی اور اپنی آنکھ پیش کی، اور کہا کہ اس کو نکال لو، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور اس نے کہا کہ حیف ہے تم لوگوں سے مقابلہ کرنا'' (ایضاً ص ۱۰۱)

صرف ان واقعات ہی کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ آپؓ کے مناقب میں احادیث و سیَر کے ابواب کے ابواب، روشن و رخشاں ہیں۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں لکھا ہے:

''ابو عقیل نے ایک شخص سے روایت کی کہ علیؓ سے ابوبکرؓ و عمرؓ کو دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ دونوں ہدایت کے امام، راستہ پانے والے، راستہ بتانے والے، اصلاح کرنے والے، کامیابی حاصل کرنے والے تھے، جو دنیا سے اس طرح گئے کہ شکم سیر نہ تھے'' (طبقاتِ ابنِ سعد، جلد اول، ص 614)

تفسیرِ مظہری [بحوالہ ابوالشیخ و حضرت سعید بن مسیَّب] اور الصواعق المحرقہ [بحوالہ بزار اور حاکم بروایت ابنِ عباسؓ] میں لکھا ہے کہ سورۂ انفال کی درج ذیل آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے موقع پر نازل ہوئی: ''یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور وہ مؤمن جنھوں نے آپ کا اتباع کیا ہے، کافی ہیں۔ (سورۃ الانفال ۸، آیت ۶۴)

الصواعق المحرقہ میں ابنِ ماجہ اور حاکم کے حوالے سے حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کی گئی ہے:

''جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو جبریل نے نازل ہو کر کہا اے محمد (ﷺ)! آسمان والوں کو عمرؓ کے اسلام لانے سے خوشی ہوئی ہے'' (الصواعق المحرقہ...... ص ۳۲۹)......جلال الدین سیوطی نے یہ الفاظ لکھے

ہیں:

''جبریل نے آکر کہا یا رسول اللہ! حضرت عمرؓ کی اسلام آوری پر تمام فرشتے مبارکباد دے رہے ہیں''
(تاریخ الخلفاء ص ۱۸۸)

متعدد احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان ہوئے ہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے [خواب میں] عمر کو دیکھا تو ان پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ اس کو کھینچتے تھے............ اس کی تعبیر دین ہے۔ (مشکوٰۃ، جلد سوم: ص ۲۴۴، حدیث نمبر: ۵۷۸۲/۴)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے [خواب میں] دودھ پیا ...... باقی ماندہ عمر بن خطاب کو دیا...... اس کی تعبیر علم ہے۔ (ایضاً حدیث نمبر: ۵۷۸۳/۵)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھا اور وہ حق کہتا ہے۔

۴۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ نہیں سورج طلوع ہوا کسی شخص پر کہ بہتر ہو عمرؓ سے۔ (ایضاً، حدیث ۵۷۸۸/۱۰)

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے'' (ایضاً، حدیث نمبر: ۵۷۸۹/۱۱)

۶۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرؓ! شیطان آپ سے ڈرتا ہے'' (ایضاً، حدیث نمبر: ۵۷۹۰/۱۲)

۷۔ ''ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہا میں ایک قوم میں کھڑا تھا تو اس قوم نے عمرؓ کے لیے دعائے خیر کی، اس حال میں کہ عمرؓ اپنے تخت پر رکھے گئے تھے۔ ایک شخص نے میرے پیچھے سے میرے مونڈھوں پر اپنی کہنی رکھی اور کہتا ہے وہ شخص کہ...... اللہ تجھ پر رحمت کرے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تجھ کو تیرے دونوں ساتھیوں میں سے کرے گا۔ اس لیے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سنتا تھا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے ...... تھا میں اور ابوبکر، عمر، کیا میں نے اور ابوبکر، عمر نے۔ چلا میں اور ابوبکر اور عمرؓ، داخل ہوا میں اور ابوبکر اور عمرؓ۔ نکلا میں اور ابوبکر اور عمرؓ۔ میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) تھے'' (ایضاً، حدیث نمبر: ۵۷۹۸/۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انکساری کا عجیب وغریب مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ مدینہ منورہ سے باہر، جنگِ قادسیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاص کے قاصد کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا۔ آپؓ آگے بڑھے اور اس

سے حال پوچھا۔ اس نے فتح کی خوشخبری دی۔ آپؓ اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور اس سے فتح کے حالات پوچھتے جاتے تھے۔ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپؓ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت قاصد کو معلوم ہوا کہ جو شخص اس کے ساتھ ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ خود امیر المؤمنین ہیں۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتلایا؟ میرے پاس تو آپ کا ایک خط ہے''۔ (نقوش، رسول نمبر، جلد ۱۳، ص ۱۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت ساری آراء کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات نازل فرما دیں۔ حضرت عمرؓ کی غیرتِ اسلامی [اور تائید ربانی] کا ایک واقعہ تو ایسا ہے کہ تاریخِ اسلام میں بھی اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی...... تفسیرِ ضیاء القرآن میں لکھا ہے: ایک منافق اور یہودی کا تنازُع ہوا۔ یہودی نے فیصلے کے لیے حضورِ اکرم ﷺ کے پاس جانے کا کہا لیکن منافق نے یہودی عالم کعب بن اشرف کے پاس جانے پر اصرار کیا۔ جب یہودی نہ مانا تو ناچار دونوں حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ منافق پھر بھی مطمئن نہیں ہوا اور یہودی کو حضرت صدیقِ اکبرؓ کے پاس لے گیا۔ وہاں سے بھی وہی فیصلہ ہوا۔ منافق نے حضرت عمرؓ کے پاس جانے پر اصرار کیا تو یہودی ان کے پاس جانے پر راضی ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر یہودی نے عرض کی کہ ''پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اس مقدمہ کا فیصلہ، میرے حق میں کر چکے ہیں، اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''رُوَیدَ کَما حتی اخرج الیکما'' (میرے واپس آنے تک ٹھہرو!۔) چناں چہ آپؓ گھر تشریف لے گئے۔ تلوار بے نیام کیے واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا میں اس کا یوں فیصلہ کیا کرتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:-

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا○ [النسآء، آیت ۶۰] (کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس [کتاب] کے ساتھ جو اُتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے [اس کے باوجود] چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے [اپنے مقدمات] طاغوت کے پاس لے جائیں، حال آں کہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے

انھیں بہت دور تک)......حضورﷺ نے اس دن حضرت عمرؓ کو الفاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے سرفراز فرمایا......فاروق کا لقب پانے کے حوالے سے جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے: ''میں [عمرؓ] نے کلمہءِ شہادت پڑھا۔اسی خوشی میں مسلمانوں نے اس زور سے نعرہءِ تکبیر بلند کیا کہ جسے مکہ والوں نے بھی سنا۔اس کے بعد میں نے کہا، یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا یقیناً حق پر ہیں۔جس پر میں نے عرض کیا اب ہم خاموش کیوں رہیں۔چناں چہ ہم دو صفیں بنا کر کعبہ میں پہنچے۔ایک میں حمزہؓ تھے اور دوسری صف میری تھی۔ہم کو دیکھ کر قریش نے خوب رنج وغم کا مظاہرہ کیا۔اس دن رسولِ اکرمﷺ نے مجھے فاروق کا لقب عنایت فرمایا کیوں کہ اسلام کا اظہار و اعلان اور حق و باطل میں نمایاں فرق اسی دن قائم کیا گیا'' (تاریخ الخلفاء،ص ۱۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کہ اللہ تعالیٰ نے ،قرانِ کریم میں، ایسی آیات نازل فرمائیں جو آپؓ کی رائے سے مطابقت رکھتی تھیں جلال الدین سیوطی نے بیس مقامات کی نشاندہی کی ہے۔بعض آیات میں تو الفاظ بھی ویسے ہی آئے ہیں جیسے زبانِ فاروقِ اعظم سے نکلے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''عمرؓ جو بات کہتے ،قرآن اس کی تصدیق میں نازل ہو جاتا'' (ازالۃ الخفاء، جلد چہارم،ص ۸۲)۔گنجائش کی کمی کے باعث حضرت عمرؓ کے موافقاتِ قرآنی کی تفصیل دینا ممکن نہیں۔

☆اذان کے بارے میں حضرت عمرؓ نے بھی خواب دیکھا اور عبداللہ بن زیدؓ نے بھی۔اذان ،اسی طرح دی جانے لگی۔(ازالۃ الخفاء، جلد چہارم،ص ۸۲)

☆ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں خطبہءِ جمعہ کے دوران میں فرمایا''یا ساریۃ الجبل''(اے ساریہ، پہاڑ)......تو[ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے پر] ساریہؓ نے حضرت عمرؓ کی یہ آواز سن کر پہاڑ کا رخ کیا اور فتح حاصل کر لی۔(ایضاً،ص ۸۶)

☆مصر فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں نے دریائے نیل میں کنواری لڑکی کو بھینٹ چڑھانا چاہا،لیکن مسلمان حاکم نے انھیں روک دیا۔حضرت عمرؓ نے والیِ مصر کو ایک خط بھیجا جو دریا میں ڈال دیا گیا۔دریائے نیل آج تک رواں ہے۔خط میں لکھا تھا''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،نیلِ مصر کی طرف، اللہ کے بندے عمر بن الخطاب کی جانب سے۔اَمَّا بَعْدُ :اگر تو جاری ہوتا ہے اللہ کی قدرت سے تو جاری ہو اللہ کے نام سے''۔(ایضاً،ص ۸۷)

☆ مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا آپؓ نے فرمایا''اگر تو میرے خدا کا فرمان ہے تو میں خدا تعالیٰ کا خلیفہ

ہوں، [بس] آرام کر، ورنہ اِس دُرّہ سے میں تیری خبر لوں گا''......زمین رک گئی اور پھر کبھی مدینہ منورہ میں زلزلہ نہیں آیا۔(مولانا درویش محمد یعقوب، سیرِ تصوف، جلد سوم،ص ۱۸)

☆ آپؓ سو رہے تھے۔روم کا ایلچی آیا اور سوتا ہوا دیکھ کر آپ پر تلوار سونت لی......''حق تعالیٰ نے زمین کو پھاڑا اور دو شیر نکل آئے......ایلچی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔امیر المؤمنین جاگ اُٹھے تو ایلچی نے واقعہ بیان کیا......آپؓ نے فرمایا''ہمارے مخبرِ صادق [ﷺ] نے سچ فرمایا ہے کہ عمر جس جگہ ہوگا دو فرشتے اس کے پاسبان ہوں گے''......(ایضاً،ص ۲۰)

اللہ کے دین کی حفاظت کا انتظام،حکمتِ ربانی اور مشیتِ الٰہیہ کے تحت عمل میں آیا تھا کہ اللہ رب العزت نے خود ہی فرما دیا تھا:''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ''(بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتابِ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔آیت : ۹، الحجر)اسی طرح ......سورۃ القیٰمۃ میں ارشادِ باری ہے:''اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ''o (یقیناً ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا۔(القیٰمۃ ۷۵، آیت ۱۷)

اور تاریخ گواہ ہے کہ قرانِ کریم کی جمع وتدوین میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا کردار بالعموم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کردار بالخصوص نمایاں رہا۔حفاظتِ قرانِ کریم اور اس کی قراءت کا بندوبست جس طرح رمضان شریف میں نمازِ تراویح میں ہوا اور ان شاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا!......اس کا سہرا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہی سر ہے۔

شاہ ولی اللہ نے ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں::......''حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے آسمانوں کے اوپر سے دینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کا تمام زمین میں ارادہ فرمایا تھا اور یہ ارادہ تمام عالم میں اس طرح جاری ہوا جس طرح پانی اپنی طبعی وضع پر اپنے مجراے [یعنی بہاؤ کے راستہ] پر بہتا ہے اور اس ارادے کے سیلان کی [دنیا کی] پیش آمدہ حالت کے لحاظ سے طبعی و وضعی کا حکم یہ تھا کہ اوّلاً کسریٰ اور قیصر کی حکومتوں کا زوال ظہور پذیر ہو اور جو اور اطرافِ ممالک میں حکومت کے پھیل جانے کے طور پر شائع ہو جائے۔جب اس فرقانِ اکبر[یعنی حق و باطل میں امتیازِ کامل۔مراد دینِ محمدی جو حق کو باطل سے جدا کر دینے والا ہے] کا ظہور فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھ سے قوتِ قریبہ سے فعل میں واقع ہو گیا[یعنی اس دین کا ظہور تمام عالم کے لیے پہلے بالقوّہ تھا، اب فعلیت میں آ گیا] تو دینِ محمدی کا ظہور تمام زمین میں حاصل ہو گیا'' (ازالۃ الخفاء، جلد سوم،ص ۲۲۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاشفات اور ایمانی بصیرتوں کا، اختصاراً ذکر بھی ضروری ہے۔

☆ازالۃ الخفاء میں ذکر ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضورﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد کسی لڑکی نے کھجوریں لاکر دیں تو نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دو کھجوریں حضرت علیؓ کو اپنے دستِ مبارک سے کھلائیں......مزید کھجوریں کھانے کی تمنا تھی کہ اُنؓ کی آنکھ کھل گئی۔ پھر وہ فجر کی نماز پڑھنے مسجدِ نبوی میں گئے اور:

''عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور عمرؓ محراب سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ میں [علیؓ] نے ارادہ کیا کہ ان سے وہ خواب بیان کروں تو پہلے اس سے کہ میں کچھ کلام کروں ایک عورت آئی اور مسجد کے دروازے پر ٹھہر گئی۔ اس کے پاس کھجوروں کا ایک طباق تھا جو کہ عمرؓ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ تو انہوں نے ایک کھجور اٹھائی اور کہا کہ اے علی یہ کھاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں! تو اس کو میرے منہ میں ڈال دیا۔ پھر دوسری کھجور ہاتھ میں لے کر پہلے کی طرح مجھ سے پوچھا، میں نے ہاں کہا [وہ بھی کھلا دی] پھر ان کو اصحابِ رسول ﷺ میں جو دائیں اور بائیں موجود تھے، تقسیم کر دیا۔ لیکن میں ان سے یہ خواہش رکھتا تھا کہ وہ اور دیں تو فرمایا کہ میرے بھائی اگر آپ کی اس رات میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو [اس سے] زیادہ دیا ہوتا تو ہم بھی زیادہ دیدیتے۔ تو میں نے تعجب کیا اور خیال کیا کہ جو کچھ میں نے گزشتہ رات دیکھا تھا اللہ نے اُنؓ کو اس پر مطلع کر دیا تو میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے علی! مؤمن دین کے نور سے دیکھتا ہے۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے سچ کہا''۔ (ازالۃ الخفاء، جلد چہارم، ص ۹۵)

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے بہت سے مورخین نے ان کے اعلیٰ شعری ذوق کا ذکر کیا ہے۔ انوار صولت نے لکھا ہے:

''حضرت عمر فاروق، شاعری کا نہایت عمدہ اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ عرب کا بہترین فن شعر گوئی ہے۔ انسان اپنی ضروریات میں شعر سے کام لیتا ہے۔ شعر سخی کو مائل اور بخیل کو مہربان بنا دیتا ہے۔ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جسے اچھے اچھے شعر یاد نہیں وہ کوئی بھی حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ادب حاصل کر سکتا ہے''۔ (انوار صولت، حضرت فاروقِ اعظم کا شعری و ادبی ذوق، مشمولہ: ضیائے حرم، فاروقِ اعظم نمبر، ص ۴۵۹)

آپ کی ذات، برمحل اشعار پڑھنے میں بھی ممتاز تھی۔ انوار صولت نے لکھا ہے:

''ایک دفعہ آپؓ کے سامنے بنواوس کی ایک دانا عورت [جس کا نام اوسیہ تھا] کا ذکر ہو رہا تھا۔ جب

حاضرین میں سے کسی نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ''اوسیہ'' سے کسی نے پوچھا کہ منظر کونسا حسین ترین ہوتا ہے؟ تو اس نے فوراً یہ جواب دیا تھا کہ......سبز باغات میں سفید محل کا منظر......تو آپؓ نے سنتے ہی فرمایا کہ عدی بن زید العبادی نے اس خیال کو زیادہ احسن طریقے سے بیان کیا ہے پھر آپؓ نے اس کا یہ شعر پڑھا:

کرمی العاج فی المحاریب او کار　　　بیض فی الفوض زھرۃ مستنیر

(جیسے محراب میں ہاتھی دانت کے بت دھرے ہوں......یا جیسے سفید محلات پھولوں سے لدے ہوئے باغ ہیں)'' (ایضاً صفحہ نمبر ۴۶۱)

حضرت عمرؓ کی سخن شناسی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے ہرم بن سنان کی تعریف میں زہیر کے اشعار سن کر فرمایا......ان صفات اور خوبیوں کی حامل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہو سکتی ہے۔ ایک شعر یہ تھا:

لو کنت من شیء سویٰ بشر　　　کنت المنور لیلۃ البدر

(اگر تو انسان کے سوا کچھ اور ہوتا............تو پھر چودھویں کا چاند ہوتا)'' (ایضاً ص ۴۶۳)

اردو کی شعری تاریخ میں بھی یہ واقعہ ہو چکا ہے کہ غالب نے جو شعر نواب تجمل حسین خاں کے لیے کہا تھا وہ ان کے قد سے اتنا اونچا تھا کہ مسلم معاشرے نے اس شعر کو نعت کا شعر بنا دیا:

زباں پہ بارِ خدایا! یہ کس کا نام آیا؟　　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

علامہ عارف جاوید نقشبندی نے ''مرادِ مصطفیٰ'' میں چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب کے شعری متون کی جمع آوری کا کام کیا ہے۔ اس لیے آپؓ کے شعری ذوق کا بھی کچھ احوال لکھنا ضروری تھا۔ یہ تو ایک مستقل موضوع ہے لیکن یہاں چند اشارے ہی کافی ہیں۔

صحیح العقیدہ اور راسخ الفکر شعرا نے ہمیشہ حمد و نعت و مناقب لکھے ہیں۔ ممتاز حسن مرحوم نے اپنے مرتب کردہ نعتیہ مجموعے ''خیر البشرﷺ کے حضور میں'' کی ترتیب میں وہ مناقب بھی نعت میں محسوب کیے ہیں جو علامہ اقبالؒ نے حضرت بلالؓ اور حضور ابوبکر صدیقؓ کے لیے لکھے تھے۔ کیوں کہ:

ذکرِ اصحابِ گرامی بھی ہے مدحت اُنؐ کی ☆ نجم کی بات بھی ہے ماہ کے انوار کی بات (ع۔ا)

عرب سے جذبہء حُبِّ صحابہ کرام عجم میں منتقل ہوا تو یہاں کے بڑے بڑے شعراء نے فارسی میں اعلیٰ جذبات کا اظہارِ عقیدت کیا۔ ان شعراء میں نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ، ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی

غزنوی، جمال الدین محمد بن عبدالرزاق اصفہانی ،فرید الدین محمد بن ابراہیم نیشاپوری عطارؔ، کمال الدین اصفہانی، جمال الدین ابو محمد الیاس بن یوسف نظامی گنجوی، اوحدی مراغہ ای، کمال الدین اسماعیل اصفہانی وغیرہم نے اپنے نعتیہ کلام میں مناقبِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کے اشعار شامل کیے ہیں۔ دیکھیے اوحدی مراغہ ای کتنے پیارے انداز سے چار یار کا ذکر کرتا ہے:

بگرفتہ بنورِ شرعِ یقیں   چار یارِ تو چار حدِّ زمیں

سنائی نے چاروں خلفائے راشدین کو علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ کو [۱] مغز، حضرت عمرؓ کو [۲] دل، حضرت عثمانؓ کو [۳] دیدہ، حضرت علی کو [۴] جان...... سے تعبیر کیا اور لکھا:

وآں چہاری کہ پیش خوان بودند   مغز و دل دیدگان و جان بودند
مغز را صدق دادہ، دل را عدل   دیدہ را شرم دادہ، جان را بذل

اردو میں تو تقریباً ہر نعت گو نے نبی علیہ السلام کی نعت لکھتے ہوئے منقبتی اشعار بھی لکھے ہیں اور مناقب نگاری کی ایک الگ دنیا بھی سجائی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معروف سلام میں یہ لازوال شعری نقوش قائم فرمائے ہیں:

وہ عمرؓ جس کے اعدا پہ شیدا سقر   اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ   تیغِ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی   جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

علامہ اقبال نے بڑی حسرت سے ایک اور فاروق کی آمد کی تمنا کی ہے:

اے نخیلِ دشتِ تو بالندہ تر   بر نخیزد از تو فاروقے دگر؟

(اے [دشتِ عرب] تیرے صحرا کی کھجوریں [کھجوروں کے درخت] بلند ہوں!...... تجھ سے کوئی اور فاروق [کیوں] پیدا نہیں ہو رہا؟؟؟) ......(جاوید نامہ، ص 138)

میں نے قصداً اس مجموعہء مناقب سے کوئی شعر منتخب نہیں کیا۔ کیوں کہ کسی ایک یا صرف چند شعرا کے کلام کا ذکر کرنا اور دیگر شعرا کو نظر انداز کر دینا مناسب نہیں، اور سب کی مثالیں دینے کی، یہاں گنجائش نہ تھی!...... میں علامہ عارف جاوید نقشبندی کو تقدیسی شعری تخلیقات کی جمع آوری پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ یہ سعی مشکور ہو!!!

۱۹/صفر ۱۴۴۰ھ   مطابق: ۲۹/اکتوبر ۲۰۱۸ء

اختصاریئے:

منظر عارفی......خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

منظر عارفی نے نہ صرف خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے مناقب جمع کیے ہیں بلکہ مناقب نگار شعراء کے کوائف بھی محفوظ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب منظوم مناقب کی مدون کتاب سے ایک درجہ آگے کی چیز ہوگئی ہے کہ اس کو "تذکرہ" نگاری کے ذیل میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ کراچی کے شعراء کا اختصاص اس تالیف کو ایک مخصوص شعری دبستان سے متعلق آگاہی دینے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

منظر عارفی ایک محنتی محقق اور ایک باشعور شاعر ہیں۔ ان کی شعری دانش لائقِ تحسین اور تحقیقی کاوش قابلِ رشک ہے۔ "کراچی کا دبستانِ نعت" اور "مناقبِ امامِ حسین اور شعرائے کراچی" جیسی وقیع تحقیقی کتب وہ پہلے مرتب کر چکے ہیں۔

"مناقبِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور شعرائے کراچی"، تقدیسی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ یہ کتاب اس حیثیت سے بھی ایک امتیازی شان کی حامل ہے کہ اس میں جو کلام جمع کیا ہے وہ یا تو کتبِ نعت و مناقب، رسائل، مجلوں، اخبارات سے نقل کیا گیا ہے یا براہِ راست شعراء و شاعرات سے حاصل کیا گیا ہے۔ مسودے کے جستہ جستہ مطالعے سے، اس تذکرہ اور مناقب سے مزین کتاب کا یہ امتیاز بھی سامنے آیا کہ تقریبا 90 فیصد شعراء نے چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے مناقب لکھے ہیں۔ تاہم منظر عارفی نے تحقیقی سرگرمی کے دوران میں کسی ایک شاعر کا ایک منقبتی شعر بھی لکھا ہوا دیکھا تو اسے بھی کتاب کا حصہ بنانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ پھر جیسا کہ مؤلف نے مجھے آگاہ کیا، انھوں نے مناقب میں آنے والے تلمیحی اشاروں کو بھی حتی الامکان روایت اور درایت کی کسوٹی یعنی استنادی سان پر کس نے کے بعد کتاب میں جگہ دی ہے۔ اس وقیع محنت طلب تالیف کی اشاعت پر منظر عارفی، مبارکباد کے مستحق ہیں۔

گوشہ : ارشدمحمودناشاد

شاعری روح کی آواز ہے۔لیکن اس آواز کوحروف میں سمونے کا ہنرکسی کسی کو آتا ہے۔ روح کی مناسبت نغمگی سے ہے۔ شاعری میں غنایت ہی روح کے لیے باعثِ کشش ہوتی ہے۔

دوسری بات رفعتِ فکرکی ہے۔ انسانی فکر میں رفعت اس کی روح کی عالم نامشہود کی وسعتوں میں سیر کرنے کی ذہنی وقلبی واردات سے پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ رفعت،شعری نغمات سے مل جاتی ہے تو ایسی شاعری وجود میں آتی ہے جس کو پڑھ کر یا سن کر روح وجد کرنے لگے۔ ....نعتیہ شاعری میں انسان کی ''حسن پرستی'' دونوں طرح جلوہ آراء ہوتی ہے۔نعت میں مقصودِ کائنات کا حسن ہر دوسطح پر نمایاں ہوتا ہے......صوری حسن بھی اور معنوی حسن [سیرت کا حسن] بھی ، اور جب شعری آہنگ اس حسن میں بیان کی نغمگی پیدا کردیتا ہے تو قاری یا سامع کی روح میں تموج پیدا ہوجاتا ہے۔

آج مجھے ارشدمحمود ناشاد کی شاعری کے چندنمونے پڑھ کر اپنی روح میں سرشاری محسوس ہوئی اور مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔اچھی شاعری کی یہی پہچان ہے کہ وہ قاری کے ذہن و دل کوفکری (Intellatctually) اور فنی(Artistically) کشش کے باعث اپنی گرفت میں لے لے۔ارشدمحمود ناشاد کے ہاں غزل کا رکھ رکھاؤ اور زبان و بیان کا اسلوب شاعر کی مشقِ سخن کا منہ بولتا ثبوت اور اس شاعری میں فکری رَو،شاعر کے عقیدے کی پختگی اور عقیدت کی شدت کی علامت ہے۔ شاعرموصوف کی نعت کی امتیازی کیفیت یہ ہے کہ اس میں حضورِ اکرمﷺ کی یکتائی کا ذکر بار بار مختلف شعری متون میں وارد ہوا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنی تخلیقی قوت کو نبی ءکریمﷺ کی یکتائی کے متن کی بنت میں صرف کرنے کی طرف زیادہ میلانِ طبع رکھتا ہے۔کیوں کہ عالمِ خلق میں صرف اور صرف حضورﷺ کی ذات ہی عدیم المثال ہے۔ذرا دیکھیے کس کس زاویئے سے یہ متن شعری بنت میں آیا ہے :

رخشندگی میں کون عدیم المثال ہے؟ لوحِ تخیلات پہ ابھرا عرب کا چاند
تیری نظیر منظرِ امکان میں نہیں وصف وکمال وخوبی میں یکتا کہوں تجھے
لطفِ عمیم ہوگیا، رحمتِ عام کے سبب بزمِ جہاں ہے نورنور، ماہِ تمام کے سبب

اے شہِ انس و جاں ، زینتِ این وآں ، بزمِ ہستی کی ہے دل کشی آپ سے
آپ آئے تو دنیا مہکنے لگی، گل بہ داماں ہوئی زندگی آپ سے

ان تمام اشعار میں حضورِ اکرمﷺ کی یکتائی کا ذکر ہے۔مختلف زاویوں، بوقلموں پیرایوں اور متعدد اسالیب میں نبی ءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یکتائی کی حقیقت (Reality) کو شعری حقیقت (Poetic Reality) بنا کر پیش کیا گیا ہے جس سے شعری جمال میں حق گوئی کا کمال بھی پیدا ہوگیا ہے۔آج اس حقیقت کا اظہار بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ دنیا کے دین بیزار اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے بغض رکھنے والے لوگ بالخصوص......اور امتِ مسلمہ کے چند بزعمِ خویش دانندہ ء''حق'' طبقات، بالعموم،اصل مرکز پر آنے کے بجائے مختلف سہارے تلاش کرنے اور اپنے سہاروں کو یکتائی کا اختصاص تفویض کرنے کی جانب مائل نظر آتے ہیں۔یہی رَوَیّہ امتِ مسلمہ کے اندر افتراق اور نفاق پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ ناشاد نے اپنے شعری عمل میں واضح طور پر آپﷺ کو عدیم المثال اور معدوم النظیر بتایا ہے۔

ارشد ناشاد کے شعری عمل میں صرف فنی نکات ہی نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی بوطیقا (Poetics) میں اس فکر کی متنی (Textual) تشکیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ، فی زمانہ دنیا کو اگر راحت اور سکون کی فضا درکار ہے تو اس کے لیے اسے اسی نظام کی طرف دیکھنا ہوگا، جس کے تحت حکومتِ الٰہیہ قائم ہوئی اور جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیا۔یہی وجہ ہے کہ شاعر اس مضمون کو ''سبز گنبد'' کی علامت کے ذیل میں بیان کرکے اپنا وہ موقف ظاہر کرتے ہیں جو اقبال نے کیا تھا یعنی

ع......اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبیست

ناشاد نے کہا

اس جہاں میں سبز گنبد کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ سارا جہاں ہے سبز گنبد کے تلے
نا رساؤں کو رسائی کا ملے مژدہ یہاں بے امانوں کی اماں ہے سبز گنبد کے تلے

ناشاد نے ان اشعار میں ''سبزگنبد'' کو خیر وفلاح کی علامت اور عوارض کا مداوا ظاہر کیا ہے کیوں کہ ''سبزگنبد'' ہی کائنات میں واحد مرکز''حق'' ہے۔ان کی شاعری پر اقبال کی فکری وفنی رمق بھی چند الفاظ کی روشنی میں نمایاں دیکھی جا سکتی ہے۔مثلاً......اقبال نے اپنی نظم مسجدِ قرطبہ میں ''کارکشا'' کا ذکر کیا تھا۔ یہاں ہمیں حضورِ اکرمﷺ کی ذاتِ والا صفات کے اختصاص کے ساتھ یہ

ترکیب شعری بنت میں نظر آتی ہے ؎

وہ ایک دستِ کارکشا میرے سر پہ ہو　　پھر غم نہیں جو سارے جہاں سے ٹھنی رہے

اس متن پر غور فرمائیے، آج امتِ مسلمہ ''سارے جہاں سے ٹھن جانے'' کے خوف میں مبتلا ہوکر، دین بیزاری کے کیسے کیسے بھونڈے ہتھکنڈے بروئے کار لا رہی ہے!!!.......... ناشاد کی شاعری میں مضامین کی دھنک اور اسلوب کی دلکشی کے نقوش بہت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ شاعری تفصیلی مطالعے کی متقاضی ہے۔ لیکن چوں کہ اگلے صفحات میں ان کے کچھ نعتیہ شعری مرقعے زینتِ قرطاس بن رہے ہیں، اس لیے اس گوشۂ شعری کی موجودگی میں فی الحال صرف اشارے کر دینا ہی کافی ہے۔ یہ چند نعت پارے ہی اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ارشد محمود ناشاد نے نعت نگاری فکری ترفع (Intellectual sibilimity) اور فنی پختگی (Artistic Proficiency) کا منہ بولتا ثبوت دیا ہے۔

....

یا رسول اللہ انت قبلتی......اشفاق غوری

(یارسول اللہ! آپ میری توجہ کا مرکز ہیں)

پنجابی زبان کی ایک معروف صنف سخن ہے 'سی حرفی' یعنی تیس حروف پر مشتمل قطعات نما اشعار کے تیس بندوں پر مشتمل ایک نظم۔ ابجد ہوز کے حساب سے تو الفاظ صرف چوبیس بنتے ہیں لیکن اردو میں پ، ٹ، چ، ڈ، ڑ اور ے کی شمولیت سے یہ حروف تیس بن جاتے ہیں۔ اس طرح شعرا نے پنجابی میں بہت زیادہ اور اردو میں بہت کم سی حرفیاں لکھی ہیں۔ جدید شعرا میں مختار صدیقی کا نام اس صنف کے اولین شعری نقوش قائم کرنے والوں میں نمایاں ہے جب کہ معروف محقق افسر صدیقی امروہوی نے 'سی حرفی معظم' کے عنوان سے اپنے ایک مضمون (مطبوعہ سہ ماہی اردو، جلد 42، شمارہ۔2، اپریل 1966ء) میں بتایا تھا کہ اردو میں شاید سب سے پہلی سی حرفی شاہ برہان الدین جانم (متوفی 990ھ) کی ہے۔ نعتیہ ادب میں ایک معرکہ آرا سی حرفی حفیظ تائب صاحب نے لکھی تھی جو ان کی کلیات (کائنات، حفیظ تائب) میں صفحات نمبر 248 تا 255 ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اب یہ صنف اشفاق احمد

ڈاکٹرعزیزاحسن اورتقدیسی ادب کافکری تناظُر

غوری صاحب نے بڑی عمدگی سے برتی ہے اور اسے 'نعت ابجد دفر مسمط مربع' کہا ہے۔ اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کی مناسبت سے 63 بندوں پر مشتمل ہے۔

یارسول اللہ، انت قبلتی' یارسول اللہ! آپ میری توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ عنوان ہی دل کو چھو لینے والا ہے۔ شاعر نے الف سے یا تک کہیں ایک ایک اور کہیں متعدد بند لکھ کر 63 کی تعداد پوری کی ہے۔ نظم کا ہر بند خیال کی ترسیل کے حوالے سے ایک چھوٹی سی نظم کا حکم رکھتا ہے اور بلاشبہ ہر بند میں غیر مبہم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا گیا ہے۔

نعتیہ ادب میں طویل نظمیں لکھنے کا رواج تو رہا ہے جو کبھی قصیدہ نما ہوتی ہیں اور کبھی طویل قطعات کی صورت میں تخلیق کی جاتی ہیں لیکن سی حرفی کے التزام سے لکھی جانے والی نظموں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ نظم بلاشبہ سی حرفی کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ جذبے کی شدت اور خیال کی پاکیزگی نے اس نظم کو لائق تحسین بنا دیا ہے۔

نعت رنگ کے قارئین ان شاءاللہ اس نظم کو شعری اور شرعی حوالوں سے بھی متوازن پائیں گے۔

....

(مطبوعہ: نعت رنگ 30، نومبر 2020)

....

''صدائے مدینہ''

''صدائے مدینہ'' کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے۔ آسی سلطانی صاحب اچھا شعر کہتے ہیں۔ ویسے صفحات پلٹتے ہوئے پورا کلام سرسری نظر سے گزار لیا ہے۔ لیکن میرے لیے وقت کی قلت اور آسی سلطانی کے لیے، کتاب شائع کروانے کی عجلت کے باعث، مجھے لوح سے تمت تک ناقدانہ مطالعے کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ دبستانِ وارثیہ کے مشاعروں میں ردیف دے کر شعراء کو دعوتِ فکرِ سخن دی جاتی ہے۔ آسی سلطانی صاحب کی بیشتر نعتیں ان مشاعروں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ردیف کے مفرد یا مرکب الفاظ پر غور و فکر کر کے شعری سانچے میں نعتیہ متن ڈھالنا، یقیناً ایک امتحان

ہوتا ہے۔اس امتحان میں بڑے بڑے مشاق شعراء کا پتّا پانی ہوجاتا ہے۔شعراء کرام کو بہر حال میرا یہی مشورہ ہوتا ہے کہ...... ع پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

ردیفی تحریک سے منسلک شعراء کی ''وفاردای بشرطِ استواری'' دیکھ کر ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔آسی سلطانی کے بعض اشعار مجھے پسند آئے، مثلاً

سرکار ﷺ کی سیرت پہ عمل ہی کے اثر سے
انسان کا بن جاتا ہے انسان وسیلہ
بعد از خدا حضور ﷺ ہیں مختارِ کل جہاں
اللہ نے یہ راز ہمیں خود بتا دیا
دینِ کامل کے لیے لازم ہے ذکرِ مصطفےٰ ﷺ
اُن پہ ایماں فرض ہے، اللہ کی وحدت کے بعد
زیبِ قرطاس مدحتِ آقا ﷺ، ہو گئے یوں مرے سخن کے پھول
اب عقیدت لباس لہجے میں، مہکے مہکے ہوئے ہیں فن کے پھول
موسمِ گل ہو یا خزاں سب میں، قلب یکساں سکون پاتا ہے
کثرتِ وردِ ذکرِ آقا ﷺ سے، کھلتے رہتے ہیں میرے من کے پھول
وردِ صلِ علیٰ، رحمتوں کی ضیاء
لائی کیسی دمک قلب سے روح تک
قفل میرے قلب کا عشقِ محمد ﷺ سے کُھلا
اور فضلِ رب کا در بھی ذکرِ بے حد سے کُھلا
بوریئے سے انقلابِ دیں کا در کھلتا گیا
کوئی کب کہتا ہے عالیشان مسند سے کھلا
تعریف میں سرکار ﷺ کی لکھتا ہوں جو نعتیں
کاغذ پہ بنا دیتا ہے وہ رنگِ سخن پھول
ہجرِ طیبہ میں تڑپ کے رنگ سے لکھی ہوئی
نعت سرکارِ دوعالم ﷺ کو سنانے جائیں گے

دینِ حق کا دائرہ اللہ کو بھی ہے پسند
اور پیارے مصطفیٰ ﷺ ہی مرکزِ پرکار ہیں
تیرگی پھیلی ہوئی تھی ہر طرف
'' آپ ﷺ کیا آئے اندھیرا چھٹ گیا ''
دو عالم میں بشر کامل کوئی ہے تو محمد ﷺ ہیں
ہماری روح و جان و دل کوئی ہے تو محمد ﷺ ہیں

ان اشعار میں روایتی لہجہ اور متداول مضامین، اشعار کا متن بنے ہیں۔تاہم، شاعر نے، اس شعری عمل کے ذریعے، قارئین یا سامعین (Audience) کے لیے اِصابتِ فکر وخیال کے لیے راہ ہموار کردی ہے۔اللہ کے فضل سے ہمارا عہد، نعتیہ ادب کے فروغ کا عہد ہے۔اس عہد میں شعراء کا نعت کی طرف رجوعِ عام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ ''**رفعنالک ذکرک**'' کا کھلا مظاہرہ ہے۔آسی سلطانی ایک روحانی نظام سے بھی وابستہ ہیں اس لیے ان کی نعتوں میں کہیں کہیں صوفیانہ قلبی واردات کے اثرات بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔عقیدت کا سفر طے کرنے پر میں آسی سلطانی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

فلیپ: ''کشفیہ''

حمد، دعا، مناجات، نعت اور منقبت، موضوعاتی شعری اصناف ہیں۔ان اصناف میں بیشتر بیانیہ اسلوب، تخلیقی ضو کو ذرا کم کر دیتا ہے۔لیکن فن آگاہ اور ہنر شناس شعراء جب ان تقدیسی اصناف کے تخلیقی نقوش قائم کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو مذہب کے نام پر، اپنے شاعرانہ منصب اور اسلوب سے پہلو تہی نہیں کرتے، بل کہ فکر، جذبے اور تخلیقی وفور کو ایک وجدانی ہالے کی صورت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ہنروری کی احتیاط اور اسلوب کی نگہداشت ہی سے شعراء کو کوئی شاہکار تخلیق کرنے میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔شدتِ احساس اور تداخل (Deep personal involvement) کے امتزاج سے جو شعر وجود میں آتا ہے، اس میں بلا کی کشش ہوتی ہے۔

''کشفیہ'' کے شعری نقوش میں مجھے سلیم شہزاد کی ہنرمندی، فکری اصابت، اسلوبیاتی دلکشی

اور اظہاری شگفتگی کے آثار نظر آئے۔ان کے کلام میں تخلیقی وارفتگی ہے۔اخلاص اور فن آگاہی کے نمایاں پہلو ہیں از ورفکری گہرائی کے ساتھ ساتھ اظہاری گیرائی ہے۔مجھے ان کی شاعری میں بڑے موضوعات کو تخلیقی سطح پر برتنے کا سلیقہ نظر آتا ہے۔ان کی شعری تخلیقات میں احساسات کی برجستگی اور اظہار کی تازگی نے ان کی کثیر اللسانی اظہاریت کو بھی تہمتِ ثقالت سے محفوظ کر دیا ہے۔کیوں کہ حمد، نعت اور منقبت میں ان کے مبلغِ علم کی زیریں لہر نے شعری صداقت کو کہیں بوجھل نہیں ہونے دیا۔ان کے شعری میلانات نے انھیں تقدیسی شعری دنیا سے وابستہ، عارف عبدالمتین، حفیظ تائب، نعیم صدیقی، عبدالعزیز خالد اور شفیق فاطمہ شعریٰ جیسے معروف اور نمایاں شعراء کی صف میں جگہ دلوادی ہے۔''کشفیہ'' میں حمدیہ، نعتیہ، مدحیہ، دعائیہ، ثنائے حرفِ آگہی، جذبیہ وغیرہ جیسی درجہ بندی اور پھر تفہیمات کا التزام اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر اپنے شعری منظر نامے میں فکر وخیال اور شدتِ احساس کے عناصر سے شاہکار تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنے تخلیقی منہاج کی درجہ بندی میں عنوانات کی ندرت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتا ہے۔سلیم شہزاد نے غالب کی مثنوی ''ابرِ گہر بار'' کی ابیاتِ حمد ونعت ومناجات کا ترجمہ بھی بڑی رواں دواں بحر میں کیا ہے اور منظوم ترجمانی کے جوہر دکھائے ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ شاعر نے کتاب کے دیباچے میں خود ہی اپنی شاعری کے تخلیقی، فکری، اظہاراتی، اسلوبی اور علمی پسِ منظر کی طرف اشارے کر کے اپنے متن (Text) کی وسعتوں کی طرف قاری کی رہنمائی کر دی ہے۔ان کی تحریر کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''مظاہرِ کائنات کے بے شناخت ہجوم میں صرف بھرم قائم رکھنے کے لیے تقدیسی شاعری کرنا عقیدے اور عقیدت کے اظہار کا تقاضا نہیں بل کہ عقیدہ اپنے اظہار کے لیے، چاہے وہ عقیدت مندانہ اظہار ہو یا شعری اظہار، خالص انسانی خلوص کا متقاضی ہوتا ہے......''کشفیہ'' کی تقدیسی شاعری میں نہ صرف موضوع کے تنوع کو بل کہ اظہار وہیئت کے تنوع کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کی گئی ہے''۔

جب کوئی شاعر فکری (Intellectual) اور فنی (Artistic) حدود سے آگاہ ہوتا ہے تو اس کی تخلیقات اور نگارشات میں اعلیٰ سنجیدگی اور تجسیمِ احساسات کی راست چمک دمک پیدا ہو جاتی ہے۔سلیم شہزاد کی شاعری میں ایسی ہی روشنی دیکھ کر ان کے درخشاں مستقبل کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔

فلیپ : سحابِ نور

گُل جہاں دشت ہے۔سورج آگ برسا رہا ہے۔زندگی کے لبوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔العطش العطش کی پکار ہے......اس صورتِ حال میں اگر ایسی تاریک رات پڑ جائے جس میں آسمان پر نہ چاند ہو اور نہ ستارے تو مسافر کو کچھ سجھائی نہیں دیتا، وہ روشنی کے لیے ایک جگنو کی آرزو کرتا ہے۔آج کی دنیا میں شیطنت کی دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ اور گمراہی کے اندھیروں سے نکلنے کے لیے روشنی کی سخت ضرورت ہے۔

تلاشِ اماں کے اس سفر میں قافلہء جاں کو اگر ایک نخلستان نظر آ جائے، جہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں۔گھنے درخت ہر تھکے ماندے مسافر کو اپنی پناہ میں سایہ فراہم کرنے کے لیے چشم براہ ہوں۔تو سمجھو زندگی کے ہولناک صحرا میں بھٹکنے والوں کو قرار آ گیا۔ دنیائے نعت میں ایک سخنور، یاور وارثی، روشنی اور ٹھنڈے سائے کی تمنا دل میں لیے ایک نخلستان تک پہنچ گیا۔یہ نخلستان، ادب کے تپتے ہوئے صحرا میں ''نخلستانِ نعت'' ہی ہے جس میں ہر کہہ ومہہ کا گزر نہیں۔یہاں صرف خوش بختوں ہی کو رسائی ملتی ہے، کیوں کہ بیشتر تخلیق کار، اپنے ماحول کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے پھر رہے ہیں۔

شہرِ سخن میں آج جو مدحتِ مصطفےٰ ﷺ کے پھول کھلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوش بخت اہلِ سخن اپنی فکر کو کثافتوں سے پاک اور اظہار کو آلودگیوں سے بچاتے ہوئے فضائے فکر وخیال کو جنت نظیر بنانے کے آرزومند ہیں اور یہ آرزو دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے وابستگی کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔

یاور وارثی بھی ایسے ہی خوش بختوں میں شامل ہیں جنھیں فکری نظافت، اظہاراتی عفت، اسلوبیاتی صباحت اور عشقِ رسول ﷺ کی دولت بڑی وافر مقدار میں نصیب ہوئی ہے۔

مجھے ''وجدان'' میں لکھا ہوا یاور وارثی کا ایک پیراگراف، شدتِ احساس اور لطافتِ بیاں کے باعث، نثری شاعری کا خوبصورت نمونہ اور سچائیوں کا مہرِ نیم روز لگا:

''روشنی کی تلاش میرا ارادہ ہے۔روشنی کی طرف مراجعت میرا نصب العین ہے۔روشنیوں سے اپنے وجود کے نہالِ زرد کی آبیاری میرا مقصدِ حیات ہے۔روشنی ایک مکمل وجود ہے،

روشنی کے وجود کے بغیر زندگی نامکمل ہے بل کہ ناپید ہے۔میرے اردگرد پھیلی ہوئی روشنی ایک دھوکا ہے ،ایک سراب ہے،تاریکیوں کے بے آب وگیاہ صحرا میں بھٹکنا میرا مقدر بن گیا ہے‘‘۔

جو شاعر اتنی اچھی نثر لکھ کر نہایت خوبصورتی سے اپنا مافی الضمیر بیان کرسکتا ہو اس کی شاعری میں کیا کچھ خوبیاں نہ ہوں گی؟ مجھے یہ نثر پارہ پڑھنے کے بعد یاور وارثی کا اپنی شاعری کے بارے میں یہ دعویٰ تعلی آمیز لگنے کے بجائے ایک حقیقت محسوس ہوا:

جب نعت گنگناتا ہوا سامنے گیا — جھکنے لگا منارِ ہنر میرے سامنے

یاور کی شاعری کا لینڈ اسکیپ ایسا ہے جس میں صحرا بھی ہیں، جنگل بھی،لیکن سورج، چاند، چراغ اور روشنی کے استعارے ان کی وادیٔ ہنر میں زیادہ ہیں،مثلاً

سخاوتیں چاندنی کی صورت تمام جنگل میں بجھ گئی ہیں
چراغِ عزمِ سفر کی لو میں خیالِ آقا ﷺ کی روشنی ہے
فضا میں مدحِ نبی ﷺ کے حروف جب بکھرے
نجوم و ماہ سرِ بزم جگمگائے بہت

عصری حسیت اور لمحہءموجود کے منظرنامے کا عکس، یاوروارثی کی شعری کائنات کا احساساتی ہالہ اور درماں طلبی کا عکاس ہے۔یہی احساساتی ہالہ بارگاہِ نبیءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں استغاثہ بھی بن گیا ہے:

عجیب حال ہے آقا ﷺ ہمارے کوچے کا — یہاں پہ روشنیاں کم ہیں اور سائے بہت

تیرہ و تار ماحول میں شاعر کا ارتکازِ توجہ لائق تحسین اور قابلِ مبارکباد ہے،وہ کہہ کر اپنے احساس کا بھرپور عکس مرتب کرتا ہے:

سوا حضور کے کچھ اور سوچتی ہی نہیں — مری زباں مرا لہجہ فدا حضور ﷺ پہ ہے

نعتیہ شاعری میں شعری وشرعی تقاضوں کا امتزاج، متنی اور اسلوبیاتی (Textual and Stylistic) سجھاؤ، جدت کا عکس اور ہنروری دیکھنے کے آرزومندوں کے لیے یاور وارثی کا کلام ایک ارمغاں ہے۔’’سحابِ نور‘‘ کی اشاعت پر میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں!

....

اتوار:14رشوال المکرم 1438ھ مطابق:9رجولائی 2017ء

فلیپ ! ابرار عبدالسلام

خطوط میں مکتوب نویسوں کے خیالات اسی طرح بھٹکتے ہیں جس طرح غزل کے شاعر کے ہر شعر میں الگ الگ خیال کا ہیولیٰ بنتا اور اشعار میں ڈھلتا جاتا ہے۔مکتوب الیہ سے تعلقات ذاتی ہوں تو مکتوب نگار ذاتی باتیں کرتا ہے لیکن اگر کسی رسالے کے مدیر کو مخاطب کیا جائے تو رسالے کے کسی شمارے کے مشتملات کی رنگارنگی،مکتوب میں بھی جھلکنے لگتی ہے۔صبیح رحمانی کو لکھے گئے خطوط میں مکتوب نگاروں کا ان سے تعلقِ خاطر بھی عکس ریز ہے اور ’’نعت رنگ‘‘ میں شائع ہونے والے مضامین اور منظوم کلام پر تنقیدی آراء بھی نمایاں ہیں۔ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے، مدیرِ نعت رنگ کے نام خطوط کے مجموعے ’’نعت نامے‘‘ (مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق) میں شامل تمام خطوط کے علاوہ ’’نعت رنگ‘‘ کے دیگر شماروں میں شائع ہونے والے خطوط کو بھی اپنے تجزیاتی حصار میں لیا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ’’نعت نامے‘‘ جیسی وقیع اور ضخیم کتاب کی موجودگی میں، ڈاکٹر ابرار عبدالسلام کو یہ کام کرنے کا خیال کیوں آیا؟؟؟اس کا جواب یہ ہے کہ ’’نعت نامے‘‘ میں خطوط اور خطوط نگاروں کے کوائف تھے لیکن موضوعاتی تجرید نہیں تھی۔ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے موضوعاتی تجرید (Abstract) کے ذریعے، مذکورہ خطوط میں سے چن چن کر وہ تمام نکات جمع کر لیے ہیں، جو کسی خاص موضوع سے تعلق رکھتے تھے۔مثلاً ان خطوط میں ’’نعت کی تعریف، تقاضے اور روایت‘‘،تخلیقِ نعت کی خصوصیات، نعت گوئی کے لیے ادبی وشرعی اصول ومبادی یا شعری وشرعی تقاضوں کے حوالے سے کہاں کہاں گفتگو ہوئی ہے؟ نعت رنگ کے مشتملات پر لسانی، ادبی، شعری صنعتوں کے حوالے سے تنقیدی مباحث اور عروضی نکات پر کس کس خط میں بحث چھڑی ہے؟؟؟......یہ اور اس طرح کے تمام زاویے پیشِ نظر رکھ کر ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے سیکڑوں خطوط کا اس طرح مطالعہ کیا کہ گویا انھوں نے ہر خط کا X_Ray حاصل کرلیا..........اور پھر لفظوں میں پوشیدہ خیال کی لہروں کو اپنے تجزیاتی عمل سے گزار کے اپنی وقیع رائے دی ہے......کسی رسالے کے مدیر کے نام لکھے گئے خطوط کا ایسا تجزیاتی خوردبینی مطالعہ (میری محدود معلومات کی حد تک میں کہہ سکتا ہوں) اردو نثر کی مکمل تاریخ یا نعتیہ ادب کی اقلیم (Domain) میں پہلی بار ہوا ہے۔ڈاکٹر موصوف نے حروف کی رگوں میں دوڑنے والے لہو کی لہروں کو نہ صرف شمار کیا ہے بلکہ ان کے غیر مرئی تجریدی مزاج کی تحلیل بھی کی ہے۔’’نعتیہ

ادب: مسائل ومباحث'' جیسے وقیع اور صبر آزما علمی کام کی کامیاب تکمیل پر، میں ڈاکٹر ابرار عبدالسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہوں............

جمعہ: ۲۳/جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق: یکم مارچ ۲۰۱۹ء

فلیپ:

صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری

صبیح رحمانی ایک بے چین روح ہے۔ اس نے نعتیہ شاعری کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ نعت خوانی نے اسے عوام وخواص میں مقبول بھی بنا دیا۔ لیکن نعتیہ ادب میں تنقید کے فقدان اور اس سے ہونے والے خسارے کا اسے بے پناہ احساس رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ''نعت رنگ'' میں نعت سے منسلک لکھاریوں کے ساتھ ساتھ ادب کے معروف اور مستند لکھاریوں اور ناقدین سے بھی مضامین لکھوائے۔ اس طرح نعتیہ تنقیدی ادب، معاصر تنقیدی شعور کے اجتماعی دھارے (Main Stream) سے قریب تر ہوگیا۔ صبیح رحمانی کی تخلیقی دانش پر لکھے گئے ان مضامین میں تشریحی، توضیحی، تجزیاتی، جمالیاتی، تاثراتی، نفسیاتی، ساختیاتی اور اسلوبیاتی دبستانوں کے تقریباً تمام ہی تنقیدی حربے، پہلی بار بروئے کار آئے ہیں۔ یہ پہلی تصنیف ہے جس میں نعت کی تنقید کے متنوع اسالیب کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہاں عام ادب اور نعتیہ ادب کے تنقیدی تجزیوں کا Pattern یکساں نظر آرہا ہے۔ مختلف تنقیدی دبستانوں کے مناہج کی تجزیاتی نمود کے لیے صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری ہی مناسب لوازمہ (Matter) فراہم کرتی ہے۔ نقدِ سخن کے لحاظ سے یہ کتاب نعتیہ ادبی سرمائے میں ایک اہم اضافہ ہے۔

(فلیپ: صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری[فکری وتنقیدی تناظر]: مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز)

نعت لائبریری شاہدرہ کی فہرستِ کتب!

ہمارے ملک میں علمی ذوق مِٹ رہا ہے۔ کتاب خوانی اور ذاتی کتب خانے رکھنے کا ماحول

بڑا مکدر ہو چکا ہے۔ طلباء بھی اصل کتاب دیکھنے کی بجائے شرحوں اور آسان سوال و جواب کی کتب سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دینی حلقوں میں بھی کتاب کا ذوق مفقود ہے۔

اس کے باوجود اہلِ جنوں ہمیشہ سے دنیا میں موجود رہے ہیں اور ان شاء اللہ موجود رہیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی شب وروز کی محنت اور اپنا پیٹ کاٹ کے خریدی جانے والی کتب کا حشر کیا ہونے والا ہے۔ اُن کی زندگی کا چراغ گُل ہونے کی دیر ہے کہ ان کتب پر خاک جم جائے گی یا یہ کتب کباڑیوں کو چند کوڑیوں کے عوض دیدی جائیں گی لیکن جس طرح شہد کی مکھی شہد بنانے میں مگن رہ کر انسانی خدمت پر مامور ہے کیوں کہ وہ خود شہد سے متمتع نہیں ہوتی......یا جس طرح ریشم کا کیڑا ریشم بنانے میں جان گنوا دینے تک محور رہتا ہے اور اس ریشم سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا......اسی طرح اہلِ علم، علم کی آبیاری کرتے رہنے میں محور رہتے ہیں۔ نظیر صدیقی نے کیا اچھی بات کہی تھی:

اہلِ کمال کو نظیر اہلِ جہاں نے کیا دیا اہلِ جہاں کو کیا نہیں اہلِ کمال دے گئے

جس طرح اہلِ علم کتب نویسی میں مگن رہتے ہیں۔ عاشقانِ کتب ان کی جمع آوری میں مگن رہتے ہیں۔ یہ دھن کے پکے ہوتے ہیں۔ نفع نقصان نہیں دیکھتے۔ بس کام کرتے رہتے ہیں۔ چودھری محمد یوسف ورک قادری بھی دیوانے ہیں۔ انھوں نے وسائل کی کمی، اپنی تنگ دستی اور کتب کی فراہمی میں ہزار ہا موانعات کے باوجود ایک کتب خانہ بنالیا ہے۔ 30/دسمبر 1995ء کو سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور مبلغ 1285 روپے پنشن پائی۔ اس قلیل آمدنی میں انھوں نے نعت لائبریری کے قیام کا خواب دیکھا اور اللہ کے فضل سے وہ خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہوگیا۔ پھر جنوری 2004ء میں انھوں نے اپنی قائم کردہ لائبریری کی موجود اور اس لائبریری کے لیے مطلوب کتب کی فہرست بنا ڈالی اور اُسے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ بعدازاں اکتوبر 2006ء میں اس فہرست کی طباعتِ ثانی کا مرحلہ بھی طے ہوگیا......اور اب یہ مردِ حق اپنی مرتب کردہ فہرست کی طباعتِ سوم کا ارادہ رکھتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ عمر کی اس منزل میں جس میں لوگ صرف آرام کرتے ہیں، چودھری محمد یوسف ورک قادری، کام اور صرف کام کرتے ہیں اور کام بھی وہ جس میں ان کی اپنی جیب سے تو کچھ بل کہ بہت کچھ جانے کا امکان ہو، لیکن معاشرے سے کچھ ملنے کی اُمید قطعی نہ ہو۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، نعتیہ کتب کی فہرست سازی کا آغاز مرحوم حفیظ تائب نے حافظ لدھیانوی کی نعتیہ تصنیف ''نشیدِ حضوری'' کے دیباچے میں ایک فہرست کے ساتھ کیا تھا۔ کراچی میں

غوث میاں نے حضرت حسان نعت ایوارڈ کے مجلّے میں بھی نعت کی کتب شماری کے کام کو 1947ء سے 1992ء تک پھیلایا۔ راجا رشید محمود صاحب بھی اس کام میں منہمک نظر آتے ہیں۔ ان کی مرتب کردہ فہرستِ کتب ''پاکستان میں نعت'' بھی 1994ء میں شائع ہوچکی ہے۔ علاوہ ازیں، 2009ء میں محمد طاہر قریشی صاحب کی مرتب کردہ ''فہرستِ کتب خانہ......نعت ریسرچ سینٹر'' بھی شائع ہوگئی۔ اس فہرست میں صرف ان کتب کا اندارج ہے جو نعت ریسرچ سینٹر میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر محمد طاہر قریشی کی خوش قسمتی کہ انھیں اپنی فہرست کو سائنٹیفک انداز میں ترتیب دینے کے لیے معروف ماہرِ تعلیم اور کتابوں کے شیدائی جناب پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی رہنمائی میسر ہوئی۔ نعت ریسرچ سینٹر کے ڈائرکٹر (اب سیکریٹری) سید صبیح الدین صبیح رحمانی کا بھی انھیں بھرپور تعاون حاصل رہا...... ڈاکٹر محمد طاہر قریشی نے اپنی فہرست کے دیباچے میں چودھری محمد یوسف ورک کی مرتب کردہ فہرست کو سراہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''اس فہرست کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور کتابی شکل میں نعت کی اولین فہرست کا اعزاز تو بہرحال اسے حاصل رہے گا''۔

عجیب بات کہ اس علم دشمنی کے ماحول میں بھی نعتیہ کتب کی اشاعت زوروں پر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق، اردو کے شعری سرمائے میں مطبوعہ کتب کے ذخیرے میں تقریباً 60 فیصد حصہ نعتیہ شعری مجموعوں کا ہے۔ اس طرح ورفعنا لک ذکرک کے اعلانِ ربانی کا عملی مظاہرہ ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چودھری محمد یوسف ورک قادری جیسے مخلص اہلِ علم، نعتیہ ادب کے محققین کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے فہرستیں مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔

کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب جنابِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرنے کے لیے جن ادباء اور شعراء کا انتخاب فرمایا، انھیں بھی قابلِ ذکر بنادیا۔ نعتیہ ادب میں اضافے کا سبب بننے والی نثری و شعری کتب کی فہرستیں جہاں حضور نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکر کی بلندی کا اشاریہ پیش کررہی ہیں، وہیں ان ادباء و شعراء کے نام اور کام کو بھی اجاگر کرنے کا سبب بن رہی ہیں جنہوں نے ذکرِ سرکارِ عالمیاں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی اپنا وظیفہ بنالیا۔

میں نعتیہ ادب کے فروغ میں دیوانہ وار آگے بڑھنے کے ذوق اور لگن کو دل کی گہرائیوں سے سلام پیش کرتا ہوں!!!

اللہ کرے جناب محمد یوسف ورک قادری کا جذبہء جنوں اُمت میں عام ہوجائے اور نعتیہ ادب کے

فروغ کی اس لہر میں نعت کے لکھاری، نعت کے محقق، نعت کے فہرست ساز اور نعت خوانی میں مصروف ثناءخواں......غرض ہر طبقے کے لوگ اپنی اصلاحِ احوال کی طرف بھی متوجہ ہوسکیں!

....

جمعرات: ۱۳؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق: ۲۳؍مئی ۲۰۱۳ء

خطوط:

۲۴راگست،۱۹۹۴ء

عزیزم صبیح رحمانی! سلام مسنون۔

میں نے اس سال حج کے دوران میں مسجدِ نبوی شریف میں بیٹھ کر یہ دعا کی تھی کہ اللہ رب العزت مجھے یہ توفیق عطا فرما دے کہ جو کچھ لکھنے پڑھنے کی صلاحیتیں مجھے ودیعت کی گئی ہیں وہ سب دین کی خدمت کے لیے وقف کر سکوں۔ نیز جو کچھ میں لکھوں اس کے چھپوانے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو۔

حج سے واپس آیا تو دفتر کے سازشی عناصر نے مجھے آڈٹ ڈپارٹمنٹ کی انچاج شپ سے محروم کروا کے پروکیورمنٹ ڈپارٹمنٹ میں پھنکوا دیا۔ میں نے اس ڈپاڑمنٹ کی مشکوک شہرت کے باعث یہ جانا کہ اس کی انچارج شپ مجھے مہنگی پڑے گی، لیکن تم سے ملاقات کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اب مسجدِ نبوی شریف میں کی ہوئی دعا کے اثرات ظاہر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ موجودہ شعبے میں میرے پاس کام بہت کم ہے۔ سارا کام یہاں تعینات عملہ کرتا ہے اور بڑی خوش دلی سے کرتا ہے۔ میں یہاں کے لوگوں کی کام میں دلچسپی کی وجوہات سے کچھ کچھ واقف بھی ہوں لیکن اب بہت زیادہ ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میرے کرم فرماؤں نے مشورہ دیا ہے کہ اپنی دیانت داری اپنے پاس رکھوں کسی پر مسلط نہیں کروں ورنہ اس شعبے سے بھی جاؤں گا۔ میں بھی تھک گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری نیت کے طفیل مجھے اور میرے بچوں کو رزقِ حلال عطا فرماتا رہے (آمین)!

پروکیور ڈپارٹمنٹ میں میرے لیے کرنے کا کام بہت کم ہے اس لیے میں نے فارغ اوقات ضائع کرنے کے بجائے لکھنے پڑھنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ دفتر میں میری حاضری ضروری ہے۔ کام نہ بھی ہو تو میں یہاں موجود رہوں یہ میری ذمہ داری ہے۔ اس لیے میں نے اپنے ذاتی کتب خانے سے کچھ کتابیں یہاں منتقل کر دی ہیں تا کہ کچھ مطالعہ ہی کر لوں۔

کچھ ماہ قبل میرے دوست مجید فکری نے مجھے بتایا تھا کہ رئیس احمد نامی کوئی نعت گو شاعر، ایک نعتیہ مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ اس مجموعے میں اشاعت کے لیے میں نے بھی اپنا کلام ارسال کر دیا تھا۔ رئیس احمد نے میرا خط دیکھ کر مجھے فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ صبیح رحمانی مجھے بہت مدت

سے تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے کہا بھائی میں تو اتنا معروف آدمی نہیں ہوں کہ کوئی مجھے تلاش کرے۔ کہنے لگے کراچی میں کچھ نوجوان نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں مثلاً یہ خاکسار رئیس احمد، سید صبیح الدین صبیح رحمانی اور غوث میاں۔ میں نے کہا بھائی، لوگ مجھے کیسے جانتے ہیں۔ میں نے تو نعت پر بہت معمولی اور بہت کم کام کیا ہے۔ انہوں نے ''جواہرالنعت''[۱] کے مقدمے اور ''پاکستان میں نعت گوئی''[۲] والی میری تحریروں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے تمہیں فون کیا اور پھر تمہارے فلیٹ پر تم سے ملنے پہنچ گیا۔ پہلی نظر تم پر پڑی تو مجھے کچھ مایوسی سی ہوئی کہ یہ دبلا پتلا نوجوان نعت کے علمی ابعاد کو کیا سمجھتا ہوگا! اور اس ضمن میں میری سنجیدہ تحریروں کو کیوں کر سراہے گا....... لیکن سچ بات ہے کہ تم سے بات کر کے احساس ہوا کہ سعدی نے سچ کہا تھا۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد

تمہارا ارادہ ہے کہ کوئی ایسا رسالہ نکالو جس کے ذریعے نعت کے مضامین پر سنجیدگی سے غور کرنے اور انہیں تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کی راہ ہموار ہو۔ تمہاری ''پذیرائی'' کے حوالے سے جاری ہونے والا مجلّہ اور گلِ بہار نعت کونسل کے مجلوں میں تمہارا Contribution دیکھ کر مجھے اطمینان ہے کہ ان شاءاللہ تم ضرور کوئی باقی رہنے والا کام کر گزرو گے!

صبیح! میں نے ۱۹۸۱ء میں ''جواہرالنعت'' شائع کی تھی جس کے مقدمے کو دیکھ کر اہلِ علم حضرات نے میری حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ معروف محقق حضرت افسر صدیقی امروہوی[۳] نے تو اس مقدمے کو حرفاً حرفاً پڑھا اور سراہا تھا۔ کہیں کہیں اصلاح بھی تجویز فرمائی تھی جو اس تحریر کو سنوارنے کا باعث بنی۔ میری خوش بختی کہ علامہ رزی جے پوری[۴] نے حیدرآباد اور شاہ انصار الٰہ آبادی نے کراچی سے مجھے خطوط لکھے اور میری اس مختصر تحریر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

حضورِ رحمتِ عالمین ﷺ کے نامِ نامی کی برکت سے اس تحریر کو شہرت کے پر لگ گئے۔ پہلے اسے جنگ کراچی نے نمایاں طور پر شائع کیا اور پھر آفتاب احمد نقوی صاحب نے، شاہدرہ گورنمنٹ کالج، لاہور کے مجلّے ''اوج'' کے نعت نمبر میں اسے جگہ دی۔ میں نے سید آفتاب احمد نقوی کو خط لکھا تو انہوں نے مجھے مجلّے کی دونوں جلدیں ارسال کرتے ہوئے مجھے اطلاعاً لکھا کہ انہوں نے میری تحریر سندھ انفارمیشن ڈپاٹمنٹ کے رسالے ''اظہار'' کے کسی شمارے سے اٹھائی تھی۔ میری اسی

تحریر نے میرے کالج کے استاد جناب وسیم فاضلی کو متاثر کیا اور انہوں نے سٹی گورنمنٹ کالج، ناظم آباد، کراچی، کے پاکستان نمبر کے لیے مجھے ''پاکستان میں نعت گوئی'' کے حوالے سے مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ وہ مجلّہ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔

تم سے مل کر مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ تم میری دونوں تحریروں سے آگاہ نکلے۔ تم نے بتایا کہ تم ان تحریروں کی خواندگی کے بعد ہی مجھے تلاش کرنے لگے تھے لیکن ان دنوں میں اسلام آباد میں تھا۔

آڈٹ ڈپارٹمنٹ سے پروکیورمنٹ میں تبالے کو میں اپنے لیے اچھا نہیں سمجھ رہا تھا لیکن تم سے مل کر مجھے محسوس ہوا کہ اللہ رب العزت نے مسجدِ نبوی شریف میں کی جانے والی دعا کی قبولیت کے آثار ظاہر کرنے کے لیے میرے تبادلے کے ''شر'' سے ایک ''خیر'' کا پہلو نکال دیا ہے۔ اب میں دل جمعی کے ساتھ لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوسکتا ہوں! (الحمدللہ!)

''نعت رنگ'' کتابی سلسلے کے اجراء کا تمہارا خواب ان شاءاللہ ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم خلوص سے اس کام میں منہمک رہوگے میں اپنا قلمی تعاون بھی جاری رکھوں گا اور بساط بھر دیگر امور میں بھی تمہاری معاونت سے روگردانی نہیں کروں گا۔ اللہ تمہیں عزم و حوصلہ عطا فرمائے اور نعتیہ شاعری کے لیے جو خلوص تمہارے دل میں پیدا ہوگیا ہے اس کی شمع ہمیشہ روشن رکھے۔

اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری رفاقت میں میں کچھ زیادہ فعال ہوجاؤں گا اور نعتیہ شعری اقدار کا جو بلند آدرش میرے ذہن پر چھایا ہوا ہے اس کا کچھ خاکہ بھی اہلِ علم کے سامنے رکھ سکوں گا! اللہ تمہیں سلامت رکھے (آمین)!

خیر اندیش

عزیز احسن

۞ (درجِ ذیل تمام حوالے، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق نے اپنی مرتبہ کتاب ''نعت نامے، بنام صبیح رحمانی'' میں دیئے ہیں)

☆ ڈاکٹر عزیز احسن (پ: ۱۹۴۷ء)، اصل نام: عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان، شاعر، ادیب،

محقق، نقاد۔

۲۔ مشمولہ: سالانہ مجلّہ سٹی گورنمنٹ کالج (پاکستان نمبر)، ۱۹۸۳ء، نیز ''نعت کی تخلیقی سچائیاں''/ عزیز احسن، ۲۰۰۳ء، کراچی: اقلیم نعت،۔

۳۔ افسؔر صدیقی امروہوی (۱۸۹۶۔۱۹۸۴ء)، شاعر، ادیب، محقق، ماہرِ عروض، مترجم، صحافی، سیکریٹری انجمن ترقی اردو کراچی (۸۴۔۱۹۶۳ء)، بانی مدیر: ماہنامہ ''تنویر'' کراچی، تصانیف: ''برقِ تخیل''، ''تابشِ خیال''، ''شہابِ تخلیق''، ''رباعیات افسر''، ''مصحفی۔ حیات و کلام''، ''تلامذۂ مصحفی''، ''تذکرۂ شعرائے امروہہ''، ''ہادی الجمع''، ''جوزف ولماٹ'' (اردو ترجمہ)

۴۔ علامہ رزی جے پوری (۱۹۰۰۔۱۹۹۱ء)، اصل نام: محمد اسماعیل خان، شاعر و ادیب، ماہر لسانیات، تلمیذ مرزا مائؔل دہلوی۔

۲۸/ اگست ۲۰۱۳ء

ڈیئر صبیح! ....سدا خوش رہو!

ایک خوش خبری تو یہ ہے کہ ویلکم بک پورٹ والوں نے میرے مقالے[۱] کے پانچ نسخے فروخت کر کے مجھے طے شدہ رقم ادا کردی یعنی پچاس فیصد!!!......مزید دس نسخے Sales n return کی بنیاد پر رکھ لیے ہیں۔

وہیں سے میں نے کچھ کتابیں خریدیں جن میں ''تنقیدی اصطلاحات'' توضیحی لغت .... بھی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر سلیم اختر نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے نعت پر بھی کچھ لکھا ہے۔ تقریباً پونے دو صفحات میں انہوں نے نعت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ایک ہندو اور ایک جرمن غیر مسلم شاعر گوئٹے کی نعتیہ تخلیقات سے کچھ اشعار دیئے ہیں۔ کچھ کتابیں بھی انہوں نے گنائی ہیں جن میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، محمد طاہر قریشی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، محمد سہیل شفیق، ڈاکٹر ریاض مجید، عاصی کرنالی، نور احمد میرٹھی وغیرہ کے اسما کے ساتھ ساتھ کتب کے نام بھی دیئے ہیں۔ افضال احمد انور کے ایک مضمون کا بھی حوالہ دیا ہے جو مجلّہ ''دریافت'' اسلام آباد میں چھپا تھا۔ آخر میں انہوں نے یہ نوٹ دیا ہے: صبیح محسن کئی برس سے کراچی سے ''نعت رنگ'' نکال رہے ہیں۔ یہ جریدہ نعت کے لیے وقف ہے۔ اس میں تنقیدی اور تحقیقی نوعیت کے مقالات طبع ہوتے ہیں۔ نعت رنگ سے بطور خاص استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

میں نے پونے دو صفحات پر مشتمل لوازمے کا اجمالاً تذکرہ کردیا ہے۔ بڑا افسوس ہے کہ تمہارا نام کسی دوسرے معروف نام کے طور پر لکھا گیا۔ بہر حال، اس بات کی خوشی ہوئی کہ اب تنقیدی کتب میں ''نعت'' ایک صنفِ سخن کے طور پر متعارف کروائی جارہی ہے۔

تم یہاں سے دور ہو اور skype پر تم سے بات بھی نہیں ہو پارہی ہے اس لیے میں نے یہ سطور لکھدی ہیں۔

والسلام.................. عزیز احسن

۱۔اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ، (مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی) ۲۰۱۳ء، کراچی: نعت ریسرچ سینٹر، باراول، ۶۴۰ص

۲۳رشوال۱۴۳۴ھ   ۳۱راگست۲۰۱۳ء

ڈیئر صبیح رحمانی!............ سدا خوش و خرم رہو!۔۔۔۔سلام و رحمت!

کل رات تم سے skype پر رابطہ ہوا تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اب میری یہ کوشش ہوگی کہ قدماء کی کچھ نعتیں تلاش کر کے نعت رنگ میں ایک ایک کر کے شائع کرواؤں تاکہ تذکروں، مثنویوں، دواوین اور دیگر علمی تحریروں میں چھپا ہوا نعتیہ ادب کا خزانہ بھی نعت رنگ میں محفوظ ہو جائے اور اس خزانے کو دیکھ کر اہلِ تحقیق کو مزید تحقیق کرنے کا حوصلہ اور ہمت ہو!

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مرحوم مشفق خواجہ صاحب نے ایک خط میں تمہاری توجہ ''کتب خانوں'' میں محفوظ ایسے نعتیہ خزانے کی طرف مبذول کروائی تھی جو اہلِ تحقیق کی نظروں سے اب تک پوشیدہ ہے۔ ان کی یہ بات میرے دل کو لگی تھی کہ سیکڑوں مثنویاں لکھی گئی ہیں جن میں سے کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان مثنویوں کی ابتداء حمد و نعت ہی سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ہم ہر بار کسی ایک مثنوی سے نعت کے اشعار منتخب یا مکمل شکل میں، نعت رنگ کی زینت بنا سکیں تو ہماری یہ کاوش، نعتیہ ادب کے مطبوعہ خزانے میں اضافے کا بھی باعث ہوگی اور تحقیقی آفاق کی وسعتوں کی راہ بھی ہموار کرے گی!

فی الحال میں نے ''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد دوم) [مطبوعہ: مجلسِ ترقی ادب، لاہور، صفحہ نمبر ۳۷۳] سے ایک نعت نکالی ہے۔ یہ نعت غالب کی معروف فارسی نعت ''حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ

ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر

است'' کی تضمین کی صورت میں تخلیق ہوئی ہے۔ اس نعت کی ہیئت ''خمسہ'' کی ہے۔ نعت رنگ میں جو گوشۂ غالب شائع ہوا تھا اس میں یہ تضمین شامل نہیں ہے...... میرا خیال ہے کہ قدماء کی نعتیں ہم ''سدا بہار نعتیں''، ''وردِ چمنِ سدا بہار''، ''سخنِ سدا بہار''، ''ماضی کے نعتیہ گلاب'' یا ''بادۂ کہن'' کے زیرِ عنوان شائع کر سکتے ہیں۔ لیکن آخر الذکر عنوان میں ''بادہ'' کا ذکر کراہیت آمیز بھی ہے اور گھسا پٹا بھی!...... بہر حال اس معاملے میں تمہاری رائے حتمی ہوگی۔

حالی کی فارسی نعت کا نثری ترجمہ بھی پیش کر دیا ہے تاکہ قارئینِ نعت رنگ کو اشعار سمجھنے میں آسانی ہو!

والسلام....... عزیز احسن

۲۳ر رجب ۱۴۳۵ھ   ۲۳رمئی ۲۰۱۴ء (مطبوعہ: نعت نامے، بنام صبیح رحمانی، مرتبہ: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ رجولائی ۲۱۴ء)

پیارے صبیح رحمانی!   السلام علیکم!

اسکاٹ لینڈ میں سب کچھ ہے لیکن نہ تو اذان کی آواز آتی ہے اور نہ ہی کوئی اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لیے اپنا ملک بے حد یاد آتا ہے کہ لاکھ بے دین سہی لیکن کم از کم اذانیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ جس گھر میں میں ٹھہرا ہوا ہوں یہاں تو کوئی مصلیٰ بھی نہیں ہے۔ البتہ میزبان نے ایک کپڑا جس پر بیت اللہ، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کی تصاویر بنی ہوئی ہیں، مجھے دے دیا ہے کہ اس پر نماز ادا کرلوں۔ یہی غنیمت ہے۔ لیکن نماز کے دوران میں میری توجہ ان تصاویر کی طرف جاتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی تصویر پر میرے پیر ہیں...... میں پیر سنبھال کر رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو برابر والی تصویر میرے پیروں تلے آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بہر حال جوں توں نماز ادا کر لیتا ہوں۔

میں نے تمہیں لکھا تھا کہ ایک دن محترمہ سمیعہ ناز کا فون آیا تھا وہ میرے لیے کوئی محفل سجانا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا کہ ۳رجون کو ہوائی جہاز سے نوٹنگھم جاؤں گا' وہیں سے آپ کو مطلع کردوں گا کہ یہاں پہنچ گیا ہوں۔ کل عمران چودھری[۱] صاحب نے بھی فون کیا تھا۔ انہوں نے میرے کوائف جاننا چاہے۔ چنانچہ میں نے پروفیسر انوار احمد زئی صاحب کا مضمون اور اپنے کوائف انہیں

برقی ڈاک سے بجھوا دیے۔ آج میں نے چہرہ کتاب (face book) کھولی تو معلوم ہوا کہ پاکستان اکادمی ادبیات نے بھی میرے کوائف اہلِ قلم کی ڈائرکٹری میں دے رکھے ہیں۔ عمران چودھری صاحب نے لندن میں بھی مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اب وہ بریڈفورڈ میں کوئی تقریب رکھنا چاہتے ہیں۔

میں نے تمہارا برقی پیغام پڑھ لیا ہے۔ اللہ کرے نعت رنگ جلدی آئے! میری کتاب [۲] میں کس کس کی رائے شامل ہے؟...... یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ البتہ جن لوگوں کی آراء شامل کرنی ہوں ان کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہوگا۔ اس لیے میرے دیباچے میں کچھ اضافہ کرنے کی غرض سے مجھے ان مہربان اہلِ علم کے نام بتا دینا جو میری کتاب پر کچھ لکھیں گے۔

امید ہے کہ یہ خط تمہیں، بہت خوشگوار موڈ اور بہت اچھی تندرستی کی حالت میں ملے گا!

والسلام مع الاکرام　　　　عزیز احسن

مطبوعہ: نعت نامے، بنام صبیح رحمانی، مرتبہ: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ/ جولائی ۲۰۱۴ء

۱۔ عمران حسین چودھری (پ: ۱۹۷۷ء)، برطانیہ میں گزشتہ سولہ برس سے اصلاحِ عقائد اور تبلیغِ اسلام کے لیے سرگرمِ عمل اور ڈیڑھ سو سے زائد انگریزی کتب شائع کرنے والی فعال تنظیم ''سنی فاؤنڈیشن'' (بریڈفورڈ) کے چیئرمین اور ''سنّی ٹائمز'' کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ مرتبہ کتب: ''مناقب سیدنا صدیق اکبرؓ''، ''میٹھا میٹھا ہے میرے محمدؐ کا نام'' (نعتیہ انتخاب)......۲۔ ''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' (زیرِ طبع: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی)

☆☆ نوٹ: نعت نامے میں شائع ہونے والے خطوط کے ذیل میں وضاحتی معلومات جناب ڈاکٹر محمد سہیل شفیق نے فراہم کی ہیں۔

بھائی صبیح رحمانی!............السلام علیکم!

تمھیں معلوم ہے کہ میں آج کل نعتیہ شاعری کے مختلف الابعاد تخلیقی رویوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس ضمن میں تم سے بھی کئی بار گفتگو ہوئی ہے۔ میرے خیال میں نعتیہ ادب کے ناقدین کو تنقید میں تخلیقی پہلوؤں کی بوقلمونی کا دھیان رکھنا لازمی ہے، تاکہ شعری تخلیقات کے محرکات

اور اظہار کے مختلف انداز کے حوالے سے ایک مفاہمتی فضا بن سکے۔ ورنہ یا تو ہم مدحیہ شاعری کے لیے دروازے بالکل بند کر دیں گے یا ہر شاعر کو فکر و خیال کی وادی میں بھٹکنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں گے۔

پچھلے دنوں میں، سر آرتھر اڈنگٹن کا ایک خطبہ پڑھ رہا تھا۔ سر آرتھر اڈنگٹن نے سوارتھ مور لیکچر شپ (Swarthmore Lectureship) کے زیرِ اہتمام ''دارالاحباب'' (Friends House) لندن میں، سن 1929ء میں ''غیب و شہود'' کے عنوان سے اپنا یہ خطبہ پڑھا تھا۔ اس خطبے کا اردو ترجمہ معروف اسکالر سید نذیر نیازی نے کیا ہے۔ یہ نذیر نیازی علامہ اقبال کے بہت قریب رہے ہیں۔ علامہ کے خطبات "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کا ترجمہ بھی ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے عنوان سے، ان ہی نے کیا تھا۔ علامہ کی سوانح حیات بھی ''دانائے راز'' کے نام سے لکھی تھی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جناب نذیر نیازی کے ترجمے کے باعث مجھے ''غیب و شہود'' کا مطالعہ کرنے میں سہولت رہی۔ مترجم کے بقول، اڈنگٹن کا شمار سربرآوردہ سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ سائنس کے ساتھ ساتھ فلسفے اور مذہب کے موضوعات میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے دوران میں جب تم میرے پاس آئے تھے تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اڈنگٹن نے دو باتیں بڑی معنی خیز کہی ہیں......وہ کہتا ہے:

۱۔ ''برقی ذروں کے اجتماع سے جو شروع شروع کی حالتِ فساد میں ہر طرف پراگندہ تھے، مادے کی ۹۲ مختلف قسمیں یا ۹۲ کیمیائی عناصر پیدا ہوئے''۔

۲۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حقیقت کا اظہار کیا جائے بھی تو کیسے کہ فطرت کے حساب میں اگر ۶ کا عدد نہ ہوتا تو حیاتِ نامیہ کا آغاز بھی نہ ہوتا''۔

اڈنگٹن کی دریافت نے مجھے، حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تفہیم کا سائنسی نکتہ سجھایا ہے۔ کیوں کہ ۹۲ کا عدد حضورِ اکرم ﷺ کے نامِ نامی ''محمدؐ'' کا عدد ہے۔ لہٰذا، اس انکشاف سے میرے لیے اس قطعے کی تفہیم اور آسان ہو گئی ہے جو اقبال نے فلکِ مشتری پر حسین بن منصور حلاج کی زبان سے ادا کروایا تھا:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو　　　آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا زنورِ مصطفیٰ او را بہا ست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ؐ ست

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جہانِ مشہود میں جہاں جہاں بھی آرزوؤں کی پیدائش کا منبع ہے، اس میں جتنی بھی روشنی اور، چمک دمک ہے......اور جس کے باعث اس کی قیمت یا قدر (Value) متعین ہو چکی ہے، وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کا فیضان ہے......اور جہاں یہ روشنی نہیں پہنچی ہے وہ عالمِ شہود، حضورِ اکرم ﷺ کے نور کا متلاشی ہے کیوں کہ وہ [عالمِ شہود]، غیب (پوشیدہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ) سے اتصال کے بغیر نامکمل ہے۔

ایڈنگٹن کی تحریر دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک سائنس داں تو ۹۲ کی حقیقت جاننے کے لیے عالمِ شہود سے عالمِ غیب کا سراغ لگانے کے لیے بے چین ہے۔ لیکن جو مسلمان حضورِ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے طفیل ''عالمِ غیب'' پر ایمان رکھتے ہیں وہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کی طرف قدم بڑھانے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ ان لوگوں (صوفیہ کرام) کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جو حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کے مراحل طے کر کے، ان کی طرف علامتی زبان میں اشارے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس خط میں یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس ادق موضوع پر قلم فرسائی کروں۔ تاہم یہ اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، کہ نعتیہ شاعری کے تخلیقی رویوں کا مطالعہ سہ ابعادی (Three dimensional) پہلوؤں سے کیا جانا چاہیے۔ یعنی [۱] عوامی سطح کی شاعری......[۲] شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی شعری تخلیقات......[۳] صوفیانہ مشاہدات و تجربات کے عکس کی حامل نعتیہ شعری تخلیقات۔

ناقدین کو ہر قسم کی شاعری کو اسی ذہنی و فکری تناظر میں دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔ مثلاً جو لوگ حضورِ اکرم ﷺ سے براہِ راست مخاطبہ کرتے ہیں انھیں ''حاضر و ناظر'' کے شرعی نکتہءِ نظر کے یک رخے پہلو کی روشنی میں رد کرنے کا رویہ اپنانے کے بجائے۔ عام شعری تخلیقات کے محرکات پر غور کرنا چاہیے۔

میں اس موضوع پر پہلے بھی کسی تحریر میں اپنا مؤقف بیان کر چکا ہوں، یہاں بھی اشارۃً کہے دیتا ہوں کہ دنیا کا ہر شاعر، اپنے محبوب کو سامنے بٹھا کر نہ تو اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے اور نہ ہی اس سے گلے شکوے کرتا ہے۔ وہ تو ہر شعر اپنے محبوب کو سامنے تصور کر کے ہی کہتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ عالمِ شہود کے علاوہ کسی اور عالم کی کیفیات کو لایعنی اور باطل تصور کرنے والے ناقدین، ان اشعار کی تشریح کیسے کریں گے؟؟؟............ذرا غور کرو کیا درجِ ذیل اشعار کہتے ہوئے شعراء کے

مخاطبین (محبوب) ان شعراء کے سامنے ہوں گے؟؟؟

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا　(مومنؔ)

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال　　ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا　(غالبؔ)

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم　　تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ　(احمد فرازؔ)

ظاہر ہے یہ اشعار محبوب کی جدائی میں تصوراتی مکالماتی فضا میں کہے گئے ہیں۔

ایسی صورت میں اگر ان اشعار کی تشریح محبوب کو حاضر سمجھ کر کی جائے گی تو ادب کا کوئی معمولی طالب علم بھی یہ کہہ دے گا کہ، وصال میسر ہونے کی صورت میں شاعری ممکن ہی نہیں ہوتی............ایسی صورت میں تو شاعر، فراق گورکھپوری کی طرح، صرف یہ کہہ سکتا ہے:

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو　　تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں؟

(بات......یعنی شاعری کروں).................(فراق گورکھپوری)

تو میرے بھائی صبیح!

جو لوگ عام دنیاوی محبوبوں کے شعری ذکر کو حاضر و ناظر کے زمرے میں رکھ کر نہیں دیکھتے وہ ایسا کیوں سمجھ لیتے ہیں کہ نعتیہ شاعری کرتے ہوئے ہر شاعر حضورِ اکرم ﷺ کو اپنے سے دور سمجھے گا؟؟؟

میں اس موضوع پر تفصیل سے کبھی لکھوں گا......ان شاء اللہ!

خط کے آغاز میں، میں نے اڈنگٹن کے حوالے سے دو نکات پر اشارۃً کچھ عرض کرنے کی ٹھانی تھی۔ پہلا نکتہ تو کسی حد تک سطورِ بالا میں آ گیا ہے۔ گو ابھی اس نکتے کے کئی دیگر پہلو تشنہء اظہار ہیں۔

رہا دوسرا نکتہ یعنی......''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حقیقت کا اظہار کیا جائے بھی تو کیسے کہ فطرت کے حساب میں اگر ۶ کا عدد نہ ہوتا تو حیاتِ نامیہ کا آغاز بھی نہ ہوتا''............ایڈنگٹن کا بیان کردہ یہ نکتہ، قرآن کی چھ یوم میں تخلیقی کام کی تکمیل والے نکتے کی تشریح معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چھ یوم میں کام کی تکمیل کے اشارے سورہء اعراف، یونس، ہود، فرقان، السجدہ، قٓ، حدید اور سورۂ مجادلہ میں کیے ہیں۔ کہیں صرف ارض و سماوات کا ذکر کیا ہے اور کہیں ''وما بینھما'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔

مثلاً سورۂ ''قٓ'' کی آیت ۳۸ میں ارشاد ہوا......''وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ...... بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان سب چیزوں کو جو ان

کے درمیان ہیں، چھ دنوں میں‘‘۔

اس لیے میرا خیال ہے کہ سائنسی ذہن رکھنے والے ناقدین کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کہ علم کا کام شہود سے غیب اور غیب سے شہود کی گتھیوں کو سلجھانے سے عبارت ہے۔ لہٰذا حمد و نعت کے شعری لوازمے (Matter) کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

صوفیانہ کیفیات کو شعری سانچوں میں ڈھلتا ہوا دیکھ کر فتاویٰ جاری کرنے کے بجائے، شعراء کی روحانی واردات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ یہ الگ بات کہ کچھ باتیں شطحیات کی سطح کی بھی ہوتی ہیں۔ جن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ...... یہ حال[کیفیاتِ عالمِ غیب] کی باتیں ہیں، عالمِ شہود میں رہنے والے اہلِ قال، ان باتوں سے نابلد ہیں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ بغیر سمجھے بوجھے ان باتوں کو اپنا موضوعِ تفہیم نہ بنائیں۔

باتیں بہت ہوگئیں۔ تم جب آتے ہو تو گفتگو کے دائرے پھیلتے چلے جاتے ہیں اور بہت سارے موضوعات ادھورے رہ جاتے ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ تمھیں خط لکھ کر کچھ باتیں ریکارڈ پر لے آؤں۔ زندگی کا کیا بھروسہ؟؟؟

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ نعت ریسرچ سینٹر کے زیرِ اہتمام شائع کی جانے والی کتب کے ذریعے بالعموم اور خود تمہاری مرتب کردہ کتب کے ذریعے بالخصوص، نعتیہ ادب کی تفہیم کے بہت سارے آفاق روشن ہورہے ہیں۔ یہ جذبہ برقرار رہا اور یہ کام اسی رفتار سے جاری رہا، تو ان شاءاللہ نعتیہ ادب کے حوالے سے اٹھنے والے بہت سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ نعتیہ میدان میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام کے ضمن میں کہا جاسکتا ہے کہ ہمارا عہد ایک سنہری عہد ہے اور اس عہد کا نمایاں کتابی سلسلہ ’’نعت رنگ‘‘ ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک!

پچھلی ملاقات میں تم نے سلیم احمد کے ان مضامین کا مجموعہ طلب کیا تھا جو روزنامہ جسارت، کراچی میں شائع ہوئے تھے۔ آج میں نے اپنے کتب خانے سے وہ کتاب ڈھونڈ نکالی...... ’’اسلامی نظام، مسائل اور تجزیے‘‘۔ اب تم خود لے جاؤ یا اپنے شوفر کے ذریعے، مجھ سے یہ کتاب منگوالو!

کل تمہارا فون سننے کے بعد میں نے اپنے وہ دو مضامین جو آرٹس کونسل میں آٹھویں عالمی اردو کانفرنس (۹ر دسمبر ۲۰۱۵ء) اور نویں کانفرنس (۲ر دسمبر ۲۰۱۶ء) میں پڑھے تھے، مبین مرزا

صاحب کو برقی ڈاک سے بھجوادیے ہیں۔ ان مضامین کے عنوانات درجِ ذیل ہیں:

ا۔ ’’نعت اور ہمارے شعری روایت‘‘۔

۲۔ ’’اردو نعت اور جدید اسالیب‘‘۔

والسلام..................عزیزاحسن

منگل: ۷ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق: ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۸ء

پیارے صبیح رحمانی..........السلام علیکم!

اتوار (۱۶ر دسمبر ۲۰۱۸ء) کو جے پور، راجستھان سے آئے ہوئے ایک بزرگ جناب غلام جیلانی نجمی کے اعزاز میں، غریب خانے پر ایک شعری نشست رکھی تھی۔ نجمی صاحب کی آواز کا جادو خوب سر پہ چڑھ کے بولا۔ ان کی غزلیں بھی سنیں اور نعتیں بھی۔ دیگر شعراء میں معراج جامی، آسی سلطانی، شارق رشید، جمال محسن، فاروق احمد ذاکر، نعیم انصاری مہروی شریکِ محفل تھے اور یہ خاکسار عزیزاحسن بطور میزبان محفل میں حاضر تھا۔ شمشاد علی خاں نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

تم نے کسی کانفرنس میں میری شرکت نہ ہونے پر مجھ سے شکوہ کیا۔ تمہارا میرے رویے کے حوالے سے شکوہ بجا!......لیکن میرا یہ مؤقف ہے کہ کسی فلسفی، ادیب، اسکالر یا شاعر کو صرف کسی کانفرنس میں شرکت کی وجہ سے آج تک شہرتِ دوام نہیں مل سکی ہے اور نہ ہی کوئی موضوع کسی وقتی کانفرنس کے باعث ترویج واشاعت کے آسمان کو چھوسکا ہے۔

موضوعات کی ترویج واشاعت کا کام خاموش خدمت گارانِ ادب ہی کرتے ہیں اور الحمدللہ! میں، خاموش خدمت گارانِ نعت میں شامل ہوں۔ میرے استاد مرحوم پروفیسر وسیم فاضلی نے مجھے ’’قلم کی طاقت‘‘ کے حوالے سے بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ فرماتے تھے ’’لکھا ہوا لفظ موضوع اور مصنف کی بقا کا ضامن ہوتا ہے..........وقتی اور ہنگامی اجلاسوں کی حیثیت تو وقتی اور ہنگامی ہی ہوتی ہے‘‘۔

دسمبر کی ۸ تاریخ کو، فاران کلب میں، ڈاکٹر آفتاب مضطر کی نعتیہ کتاب ’’القاء‘‘ کی تقریبِ پذیرائی تھی۔ اس میں مجھے بھی کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع ملا۔ چناں چہ میں نے اس محفل میں نعتیہ موضوع کے دوام کا ذکر کیا اور اقبال کا وہ شعر پڑھا:

از اجل ایں قوم بے پرواستے   اُستوار از نَحنُ نَزَّلنا ستے

(مسلمان قوم، موت سے بے پروا ہے۔ کیوں کہ یہ، اللہ تعالیٰ کے پروگرام [بے شک ہم ہی نے نازل کی ہے، یہ کتابِ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں!] کے مطابق قرآن کی حفاظت کے عمل میں شریک ہے، قرآن سے وابستگی ہی اسے دوام سے ہم کنار رکھے گی!)

پھر حاضرین سے عرض کیا کہ آپ میں سے بیشتر اہلِ قلم ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ موضوع کا دوام ہی آپ کے فن کے دوام کا ضامن ہوسکتا ہے۔ نعت سے انسلاک رکھیے، ان شاءاللہ شہرتِ دوام بھی مل جائے گی!

جیسا کہ میں نے تمھیں بتایا تھا میں نے نعتیہ موضوع پر انگریزی زبان میں، ایک کتاب لکھنا شروع کردی ہے۔ اللہ کرے میں اس کام کو جلد نمٹا سکوں!

کتاب کا نام ابھی تک تو یہ ہے PREREQUISITES OF POITIC EXCELLENCE FOR NAAT. ....تم بھی اپنی رائے دو کہ نام کیا ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر سلیم اللہ جندران صاحب سے بھی مشورت رہے گی، ان شاءاللہ!

پرسوں تم سے بات ہوئی تو تم نے نعت رنگ، شمارہ ۲۸ کے حوالے سے میری رائے جاننا چاہی۔ تم تو نعت رنگ دے کر امریکہ چلے گئے۔ میں اپنی انگریزی کتاب کے لوازمے کی جمع آوری میں لگ گیا۔ لیکن محسوس ہوا کہ انگریزی کتاب کا کام تو ابھی وقت چاہتا ہے، اس لیے تمھیں پہلے ایک خط ہی لکھ دوں۔ چناں چہ میں نے نعت رنگ پر مکرر نگاہ ڈالی۔ تحقیق وتنقید اور فکروفن کے تحت تقریباً تمام ہی مضامین توجہ طلب ہیں۔ لیکن میری خاص دلچسپی کے موضوعات کو جن مضامین میں چھیڑا گیا ہے وہ ''اقبال: حرفِ نعت اور تشکیلِ افکار''، از مبین مرزا، ''نعتیہ شعری لفظیات کے تکنیکی زاویے'' از سلیم شہزاد، ''گوئٹے کی 'نظم نغمۂ محمدی' کا تنقیدی جائزہ'' از خان حسنین عاقب، ''نعت اور روحِ عصر''، شاہ اجمل فاروق ندوی، ''عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری پر عربی زبان وادب کے اثرات'' جہاں آراء لطفی، ''خورشید رضوی کی نعتیہ شاعری''، از ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ''ستیہ پال آنند کی نعتیہ شاعری کا اسلوبیاتی مطالعہ'' از ڈاکٹر اشرف کمال وغیرہ ہیں۔ بقیہ مضامین بھی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن میرا تنقیدی مزاج جن مضامین پر توجہ مرکوز کرنے کا داعیہ رکھتا ہے وہ یہی ہیں۔ ان مضامین کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔

سب سے اہم کام جو تم نے کیا ہے، وہ قلمی انٹرویوز کا ہے۔ مجھے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی اور

ڈاکٹر اسلم انصاری کے جوابات پسند آئے۔ سوال نمبر ۷ ''گزشتہ چھ دہائیوں میں بالعموم اور تین عشروں میں بالخصوص نعت کے جو تنقیدی اور تجزیاتی مطالعات سامنے آئے ہیں، انھیں آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟''۔ اس اسوال کے جواب میں ڈاکٹر قاسمی نے یہ کہہ کر نعت رنگ کے مدیر کو تحسینی صداقت نامہ عطا کردیا ہے...... ''اس سوال کے مضمرات میں یہ بات شاید مخفی ہے کہ رسالہ ''نعت رنگ'' نے اس صنفِ سخن کے فروغ اور اس پر تنقیدی مکالمہ قائم کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے اس پر واضح طور پر اظہارِ خیال کیا جائے''...... حالاں کہ ڈاکٹر صاحب نے اس زاویے سے رائے دینا مناسب نہیں سمجھا لیکن بین السطور اس حقیقت کا اعتراف کرلیا کہ تنقیدی اور تجزیاتی مطالعات میں نعت رنگ کا حصہ نمایاں ہے۔ آخری جملے میں تو ڈاکٹر صاحب کی زبانِ قلم پر وہ بات واضح طور پر آگئی۔ فرماتے ہیں ''شاید اس وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس سلسلے میں آپ کی اور آپ کے رسالے ''نعت رنگ'' کی ادبی اور تحسینی خدمات کو عرصہ تک نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا''۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ علم وفن کی دنیا کے اہم لوگ بھی نعت رنگ کی ادبی خدمات سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ اس کی اہمیت کا اعتراف کرنے میں بُخل سے کام نہیں لیتے۔ حالاں کہ ادبی دنیا کے بیشتر اہلِ قلم مذہبی اصنافِ سخن پر اتنی توجہ دینا شاید کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب نے سوال نمبر سات پر کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ تاہم انھوں نے سوال نمبر ۱۱ [انھوں نے نمبر ۱۰ دیا ہے] کا جواب دیتے ہوئے ''نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے ہونے والے اقدامات کے سلسلے میں نعت رنگ میں شائع ہونے والے مشوروں کو Consolidate کرنے کی بات کرکے یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ ''نعتیہ ادب کے فروغ میں سب سے اہم کردار نعت رنگ اور اس کے مدیر کا ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے ''فروغِ نعت کی کاوشوں میں رہنما اور ناخدا'' قرار دیا ہے۔

بہر حال نعتیہ ادب میں عام اہلِ علم کی دلچسپی اور ان کی جانکاری کے رویوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب ادبی دنیا کے main stream میں شامل اہلِ فکروفن بھی ''نعتیہ ادب'' کے فروغ میں اپنا فکری وزن ڈالنے پر آمادہ ہیں۔

مطالعاتِ نعت کے ذیل میں ''سیدنا محمد ﷺ'' پر چند باتیں...... ساختیاتی زاویے'' از ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ''غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ...... ایک مطالعہ'' از ڈاکٹر شبیر احمد قادری، میری توجہ کا مرکز بن سکے۔ ''کلیاتِ عزیز احسن پر ایک نظر'' از پروفیسر انوار احمد زئی، مجھے اچھا تو لگا............لیکن

اس کی تعریف میں میرے نفس کی ’’خواہشِ تحسین طلبی‘‘ کا عکس پڑ سکتا ہے اس لیے صرف پروفیسر موصوف کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں۔ اللہ انھیں سلامت رکھے!

ایوانِ مدحت میں شمس الرحمٰن فاروقی کی فارسی نعت خوب ہے۔ غالبؔ کی فارسی نعت کے تتبع اور اس کے مقطعے کی مکمل شعری بنت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فاروقی صاحب نہ صرف فارسی شعر گوئی میں دست گاہ رکھتے ہیں، بل کہ غالب کے شعری وجدان سے انسلاک کے ساتھ ایسے اشعار بھی تخلیق کر سکتے ہیں جو غالب کے لہجے کے عکاس ہوں۔ کاش فاروقی صاحب اپنا مدحیہ آہنگ بلند کرتے رہنے کا عزم کر کے نعتیہ ادب کی طرف متوجہ ہو سکیں!!!

جلیل عالی اور ریاض مجید صاحبان کے ’’گوشے‘‘ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کسی شاعر کی چند نعتیں یک جا شائع کرنے کی صورت میں، کسی مجلّے کی طرف سے، قارئین کو یہ پیغام دینا مقصود ہوتا ہے:...... ’’دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور نعتیں‘‘ .... اور مدحیہ کلام کے ان دونوں گوشوں سے یہ پیغام بڑی بلند آہنگی سے نشر ہو رہا ہے۔ نعتیہ ادب میں اسلوبیاتی نکھار اور ادبی شعور کا واضح رنگ، ایسی ہی نعتوں کے ذریعے سامنے آتا ہے۔

کل رات غوث میاں کا فون آیا۔ انھوں نے سعید وارثی کی رحلت کی خبر سنائی۔ دسمبر کی کسی تاریخ کو سہیل غازی پوری صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو تین دن قبل کاشف عرفان صاحب کی اہلیہ چل بسیں، رہے نام اللہ کا!..........اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَO

تم آج کل کینیڈا میں ہو۔ وہاں کی سردی کی خبریں سن کر تو مجھے کراچی میں سردی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ جو سردی برفانی ریچھ کے لیے موافق ہو وہ انسانوں کے لیے کتنی ناموافق ہو گی!!!.....تم اپنی صحت کا خیال رکھنا!!! اللہ تمھارہ حفاظت فرمائے (آمین)!

والسلام.....................عزیز احسن

بدھ: ۴؍ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ مطابق: ۱۱؍ جنوری ۲۰۱۹ء

پیارے صبیح رحمانی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

اب کے بھی تم نعت رنگ 29، مجھے پکڑا کر، بیرونی دنیا کی سیر یا نعت سرائی کے مقدس

مشن پر نکل گئے۔ میں نے نعت رنگ کی ورق گردانی شروع کی۔ الحمدللہ! اب نعتیہ ادب میں جدید تنقیدی رجحانات کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔ اسلوبیات جسے انگریزی میں Stylistics کہتے ہیں، ادب پاروں کے تفصیلی تجزیے کے لیے استعمال کیا جانے والا حربہ ہے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال نے یہ حربہ نعتیہ اشعار کے تجزیاتی مطالعے کے لیے آزمایا اور ایک پوری کتاب ’’معاصر اردو نعت کا اسلوبیاتی جائزہ‘‘ کے عنوان سے دنیائے نعت کو دیدی۔ یہ الگ بات کہ دانندہءفن صاحبان کی توقعات پوری نہ ہو سکیں اور یہ کتاب، بہ تمام و کمال Comprehensiveness کے معیارات کو نہ چھو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب سلیم شہزاد کی تنقیدی رگ پھڑکی اور انھوں نے پہلے تو کتاب کا پیش لفظ لکھنے والے پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ (سابق صدر شعبہءلسانیات، علی گڑھ یونیورسٹی، بھارت) کے تنقیدی اظہاریے کو ہدفِ نقد بنایا اور پھر کتاب کے مصنف کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ کام کی باتیں تو بتائیں لیکن اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کے بجائے درشتگی، اور طرزِ ذہن نشینی (Indoctrination) میں ہمدردانہ رویہ اپنانے کے بجائے ذرا سختی اختیار کر لی۔ اس کے باوجود سلیم شہزاد صاحب کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ کسی شاعر کے جزوی کلام کا نہیں، پورے متن کا مطالعہ/جائزہ/تجزیہ پیش کرنا ضروری ہے۔ میرے مطالعے میں ’’ادبی تنقید اور اسلوبیات‘‘ رہی ہے۔ اس میں گوپی چند نارنگ نے ’’اسلوبیاتِ میر‘‘، ’’اسلوبیاتِ انیس‘‘ اور ’’اسلوبیاتِ اقبال‘‘ کے زیرِ عنوان ان شعراء کے متن کا بڑا تفصیلی تجزیہ پیش کیا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر محمد اشرف کمال کی کتاب، نعتیہ ادب میں اسلوبیاتی تجزیے کی اولین کوشش کے طور پر ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ایک چراغ سے اور چراغ بھی روشن ہو سکتے ہیں۔ خود سلیم شہزاد صاحب کو چاہیے کہ اس حوالے سے کسی ایک شاعر کے مکمل متن کا اسلوبیاتی تجزیہ فرما کر علمی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

تمھارے جانے کے بعد ۴؍ نومبر ۲۰۱۹ء کو شعبہءاردو جامعہ کراچی میں ’’اردو نعت، تاریخ، موضوعات اور مباحث‘‘ کے زیرِ عنوان ایک مذاکرہ ہوا۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ اس میں کچھ علمی باتیں سننے کو ملیں۔ میں نے حسن عسکری کی حالی پر تنقید کا ذکر کر کے کچھ تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ مبین مرزا صاحب نے عسکری صاحب کی وکالت فرمائی۔ ڈاکٹر شمع افروز نے سعادت علی خاں رنگین (۱۱۷۰ھ/۱۷۵۷ء......۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) کی نعت گوئی پر مقالہ پڑھ کر چونکا دیا۔ کیوں کہ رنگین تو اپنی شاعری میں ’’معاملہ بندی‘‘ کے مضامین کی بُنت اور ’’ریختی‘‘ کی ایجاد کی بدنامی کے باعث، ثقہ

شعری روایات سے منسلک طبقات کی نظروں سے گر چکا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس نے حضرت کعب بن زُہیرؓ کے ''قصیدہء بانت سعاد'' کا اردو نظم میں ترجمہ بھی کر رکھا تھا۔ جو تا حال مدح نگاری کے دلدادگان کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ ڈاکٹر شمع افروز نے سعادت یار خاں رنگین کی نعت گوئی کی جہت کو متعارف کروا کے، نعتیہ ادب میں ایک اچھی تحقیقی مثال قائم کی۔

نئی نسل میں نعتیہ ادب سے دلچسپی کے آثار دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ نعتیہ موضوعات میں اب مذاکروں کے لیے فضا ہموار ہونا بھی خوش آیند ہے۔ آرٹس کونسل پاکستان میں بھی بارہویں عالمی اردو کانفرنس ہوئی۔ جمعہ ۶ ر دسمبر ۲۰۱۹ء کو ۲ ر بجے اجلاس ہونا تھا جو حسبِ معمول تاخیر سے شروع ہوا۔ مجلسِ صدارت میں افتخار عارف، تحسین فراقی اور ہلال نقوی تھے۔ نعت کے مقالہ نگاروں میں خاکسار عزیز احسن، تنظیم الفردوس اور طاہر سلطانی کے نام تھے۔ فراست رضوی نے مرثیہ گوئی پر مقالہ پڑھا۔ ڈاکٹر تنظیم الفردوس کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں۔ دنیائے نعت سے منسلک افراد کی تعداد بہت کم رہی جس سے دل ملول رہا۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو علمی مزاج سے ہم کنار فرمائے! ڈاکٹر تحسین فراقی سے علیک سلیک ہوئی۔ ان کی علمی سرگرمیوں سے تو میں واقف تھا لیکن بالمشافہ ملاقات کا شرف اس محفل ہی میں ہو سکا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بھی میری نیم علمی کاوشوں سے آگاہ ہیں۔

۱۸ ر جنوری ۲۰۲۰ء کو بعد ظہر ایک حمدیہ کانفرنس، آرٹس کونسل پاکستان ہی میں منعقد ہوئی ۔ اس میں میں نے ''اردو شاعری میں تخلیقِ حمد کے زاویئے'' کے عنوان سے مقالہ پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن وقت کی تنگی اور مقالہ نگاروں کی بہتات کے باعث چند کلمات کہہ کر اپنی حاضری لگوا دی۔ ڈاکٹر سہیل شفیق اور ڈاکٹر طاہر قریشی نے باری باری نظامت کے فرائض انجام دیے۔ ان حضرات نے مقالے بھی پڑھے۔ ایک صاحب (غالباً محسن علوی) مہمانوں کی نشست سے اٹھ کر شور مچانے لگے کہ میں دنیائے نعت کا حسان العصر ہوں ، مجھے اسٹیج پر بلایا جائے۔ لوگوں نے انھیں Accommodate کروا دیا۔ پھر وہ ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کی باری پر اپنی کرسی سے اٹھے اور ناظم ، ڈاکٹر طاہر قریشی سے کہنے لگے مجھے اپنی بات کرنے دو۔ انھیں کہا گیا کہ جناب آپ کا تو نام ہی مقالہ نگاروں میں نہیں ہے۔ تو انھوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں جدہ میں بہت زیادہ عزت سے نوازا جا چکا ہوں میرا حق ہے کہ مجھے اپنی بات کہنے دی جائے۔ بہر حال ان کی ناشائستگی اور Self prominence seeking کی کوشش سے فضا بڑی مکدر ہوئی اور انھیں مجلس سے بیک بینی و دو

گوش نکالنا پڑا۔ مجھے ان کے رویئے اور ان کے ساتھ ہونے والے سلوک پر دکھ ہوا۔ ان کی گفتگو سے معلوم یہ ہو رہا تھا جیسے کچھ حمد و نعت کے اشعار کہہ کر انھوں نے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر کوئی احسان کر دیا ہو۔ بہر حال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حمد و نعت کہنے والوں کو اخلاص اور عقلِ سلیم سے نوازے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ لوگ حمد و نعت سے منسلک رہ کر اپنی ذات کے لیے فوائد حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ایک صاحب نے ایک کتاب (اللہ والے..... کلیاتِ مناقب) دی جس میں صحابہ کرام اور چند بزرگانِ دین سے لے کر آج کے زندہ کچھ لوگوں کے بھی مناقب شامل ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے مناقب سے تو انھیں دنیاوی تعلقات بڑھانے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ البتہ آج کے سربرآوردہ لوگوں کے مناقب لکھنے سے انھیں کچھ نہیں تو اپنی P.R. کا میدان وسیع کرنے کا موقع ہی مل گیا ہوگا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ کتاب پر تقاریظ لکھ کر مصنف کی اختراعی مساعی پر اسے خراجِ تحسین پیش کرنے والوں تک نے یہ نہیں سوچا کہ لفظ ''مناقب'' کا اطلاق کس طبقے کے لیے کی جانے والی Devotional Poetry پر ہونا چاہیے؟؟؟ خالص دنیادار لوگوں کی تعریف میں لکھے جانے والے قصیدوں کو ''منقبت'' (جمع ''مناقب'') کہنے کا رواج چل پڑا تو یہ علمی دنیا اور تقدیسی شاعری کے لیے بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ کاش لوگوں کو عقل آ جائے!!!

بہر حال میں حمدیہ کانفرنس کا ذکر کر رہا تھا، وہاں مقالہ نگاروں میں شاکر کنڈان، ڈاکٹر طاہر قریشی، ڈاکٹر ریاض مجید اور ڈاکٹر شہزاد احمد کے علاوہ بیشتر مقالہ نگار حمد و نعت کے متخصصین نہیں تھے۔ بہر حال دنیاداری میں سب شامل تھے۔ خلوص میں کمی محسوس کرنے کے باوجود میں طاہر سلطانی کو دعا دیتا ہوں کہ انھوں نے یہ event کروا دیا۔

ارے بھائی! میں خط لکھنے کے شوق میں نہ جانے کس طرف نکل گیا۔ بات یہ ہے کہ میں گوشہ نشین آدمی، جب گفتگو کرنے کے موڈ میں ہوتا ہوں تو صرف تم ہی میں یہ حوصلہ پاتا ہوں کہ تم میری طولِ کلامی برداشت کر لو گے۔ اس لیے تمھیں کانفرنسوں کا حال سنانے کے بہانے دل کی باتیں کہہ دیں۔ حمد و نعت کی شعری و علمی سرگرمیوں میں اخلاص کی کمی دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔ بہر حال بات نعت رنگ کے مشمولات کی چل رہی تھی۔

اس مرتبہ، نعت رنگ میں، سب سے جاندار اور علمی Grandeur کی حامل تحریر احمد جاوید

صاحب کی ہے۔ میں نے اسے بار بار پڑھا ہے۔لیکن ایک موقع پر میں عبارت کو بار بار پڑھنے کے باجود سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔صوفیانہ لٹریچر میں متواتر باللفظ آنے والی ایک روایت کا عکس احمد جاوید صاحب نے جب اقبال کے درجِ ذیل شعر میں دیکھا تو فرمایا''یہ مضمون اقبال نے ایسا باندھا ہے کہ حرفِ آخر کہہ دیا''۔(نعت رنگ ۲۹،ص۲۹۴)......اقبال کا شعر ہے:

''لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب　　گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب''

اس شعر کی تعریف کرنے کے بعد حضرت احمد جاوید، فرماتے ہیں:

''خلقِ اول کے موضوع پر تین مختلف فقرے صریح بے خبری، غلط فہمی اور لاعلمی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ایک تو یہ کہ اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا، دوسرا یہ کہ سب سے پہلے قلم بنایا اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے میرا نور خلق کیا گیا''۔(ایضاً ص۲۹۴)اس عبارت میں ......''صریح بے خبری، غلط فہمی اور لاعلمی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیے جاتے ہیں''......جیسے الفاظ راویانِ حدیث کے حوالے سے کچھ تفصیل کے متقاضی تھے۔اس تفصیل کے نہ ہونے کے باعث یہ بیان محض ذاتی تاثر کی مثال بن کر رہ گیا۔اس لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس قسم کی احادیث تو متواتر بیان ہوتی رہی ہیں۔''سب سے پہلے میرا نور خلق کیا گیا'' والی حدیث کے راوی کی حیثیت نہ صرف بڑی مسلم ہے بل کہ ان کی روایت ان ہی الفاظ (**اول ما خلق اللہ نوری**) میں مسلسل حوالوں میں آتی رہی ہے۔اس کی کچھ تفصیل میں بعد میں عرض کروں گا۔ پہلے ایک اور جملہ ملاحظہ ہو جس نے مجھے خلجان میں مبتلا کر دیا:''نورِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ جل شانہٗ سے کلی یا جزوی عینیت کی نسبت نہیں دی جاتی تو یہ تصور ہر اس شخص کے لیے احساس اور خیال کی حیثیت سے وجد آور ہے جو تعلق بالرسول ﷺ میں سچا ہے۔بس شرط یہ ہے کہ اسے احساس اور خیال سمجھا جائے، عقیدہ نہ بنایا جائے''۔(ایضاً)

اس موقع پر مجھے علامہ احمد سعید کاظمی یاد آگئے، وہ فرماتے ہیں: ''حدیث (**اول ما خلق اللہ نوری**) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے نورِ پاک یعنی ذاتِ مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا......اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کا مادہ ہے۔ یا نعوذ باللہ! حضور کا نور اللہ کے نور کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے۔ **تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا**...... اگر کسی ناواقف شخص کا یہ اعتقاد ہے تو اسے توبہ کرنا

فرض ہے۔اس لیے کہ ایسا ناپاک عقیدہ خالص کفر وشرک ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ بلکہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسنِ الوہیت کا ظہورِ اول تھی، بغیر اس کے کہ ذاتِ خداوندی نورِ محمدی کا مادہ یا حصہ اور جزو قرار پائے۔ یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے جس کا سمجھنا ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا قرآن وحدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا۔البتہ نکتے اور لطیفے کے طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح شیشہ آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے لیکن آفتاب کی ذات یا اس کی نورانیت اور روشنی میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی اور ہمارا یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ شیشے کا نور، آفتاب کے نور سے ہے، اسی طرح حضور ﷺ کا نور، اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا اور آئینۂ محمدی نورِ ذاتِ احدی سے اس طرح منور ہوا کہ نورِ محمدی کو نورِ خداوندی سے قرار دینا صحیح ہوا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک یا اس کی کسی صفت میں کوئی نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی...........حقیقت یہ ہے کہ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور ﷺ کو پہنچا اور حضور ﷺ کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا''۔(مقالاتِ کاظمی، ج۱،ص63)۔حدیث کی تفہیم کے اس انداز سے احمد جاوید صاحب کا یہ اندیشہ دور ہو جانا چاہیے کہ: ''نورِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ جل شانہٗ سے کلی یا جزوی عینیت کی نسبت ہے''۔احمد صاحب کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ جن شعرا نے عینیت کی بات کی تھی اس پر صاحبانِ علم نے ان کی گرفت بھی کی ہے۔

''اس حدیث کی بنیاد پر عقیدہ نہیں بننا چاہیے'' والی بات بھی کچھ مبہم لگتی ہے۔ کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک پر تو ایمان لایا جائے، لیکن ان کی ذات کی نوری جہت پر عقیدے کی بنیاد نہ رکھی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کی نوری جہت پر تو قرآنِ کریم میں بھی اشارے ہیں۔ بیشتر مفسرین نے سورۂ مآئدہ کی آیت۔۱۵(**قد جآکم من اللہ نور**......الخ) میں آنے والے لفظ نور کی نسبت، ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم ہی کی طرف کی ہے۔اس ضمن میں تفسیرِ مظہری دیکھی جاسکتی ہے۔،ضیاءالقرآن میں تفسیرِ ابنِ جریر کی عبارت نقل کی گئی ہے''**یعنی بالنور محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم الذی انا ر اللہ بہِ الحق و اظھر بہِ الاسلام و محق بہِ الشرک فھو نور لمن استنار بہٖ** (یعنی نور سے مراد یہاں ذاتِ پاک محمد مصطفے علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔اسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابود کیا۔(ضیاء القرآن، جلد اول، ص۴۵۳)''تفسیرِ مَدارک میں ہے''یا نور سے مراد حضرت محمد ﷺ

ہیں۔ کیوں کہ ہدایت آپ ﷺ سے حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر آپ ﷺ کو سراج فرمایا گیا'' (ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، تفسیرِ مدارک، جلد اول: ص ۳۳۷)۔

تفسیرِ جلالین کی عبارت ہے: **قد جآکم من اللہ نور......ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم** ''(اللہ کی طرف سے تمھارے پاس روشنی [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم] آچکی ہے)'' (کمالین شرح جلالین، جلد دوم، ص ۴۲، ۴۴)۔ اسرار التنزیل میں ہے: [آپ] کتاب لائے ہیں وہ بھی نور اور ہدایت ہے آپ ﷺ کا وجودِ عالی بذاتِ خود نورِ ہدایت ہے'' (مولانا محمد اکرم اعوان، اسرار التنزیل، جلد دوم، ص ۱۶۹)۔

تفسیرِ احسن البیان (حافظ صلاح الدین یوسف) میں حدیثِ نورِ نبی کی تو بڑی سختی اور طنز آمیز زبان میں تردید کی گئی ہے لیکن قلم کی اولیت والی حدیث کو تسلیم کیا گیا ہے۔

نقل کیا: ''محدث البانی لکھتے ہیں: ''مشہور حدیثِ جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے بنی کا نور پیدا کیا، باطل ہے۔ کیوں کہ صحیح حدیث میں سب سے پہلے قلم پیدا کرنے کا ذکر ہے'' (تفسیرِ احسن البیان، دارالسلام پبلشرز، ریاض، ص 295)۔ اس تفصیل سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ بیشتر مفسرین نے ''نور'' سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک ہی مراد لی ہے۔ کچھ نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن مفسرِ احسن البیان نے ''سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ۝'' (روشن چراغ) کی تفسیر میں حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک ہی کو ''روشن چراغ'' کا مصداق تسلیم کیا ہے۔ ''جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسبِ ضیاء کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے''۔ (احسن البیان، ص 997)

تو ظاہر ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک کو نور قرار دینا بدعت نہیں اور جناب احمد جاوید بھی اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ''ایسا احساس اور خیال جو دین کا اعتقادی اور قانونی مطالبہ تو ہرگز نہیں ہے لیکن اس سے دینداری کے احوال میں گہرائی اور بلندی ضرور پیدا ہو سکتی ہے'' (نعت رنگ۔۲۹۔ ص ۲۹۴) اب ذرا مذکورہ احادیث کی روایات کی تفصیل بھی ملاحظہ ہوں، جن کے بارے میں احمد جاوید صاحب خیال فرماتے ہیں کہ ''جن کا قولِ رسول ﷺ ہونا یقیناً ثابت نہیں''۔ ''**والتعین الاول المشار الیہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر** ''(اور تعین اول کی طرف حضور کے قول **اول ما خلق اللہ نوری** میں اشارہ ہے

''۔ (مولانا غلام رسول سعیدی، مقالاتِ سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۸......بحوالہ: علامہ محمود آلوسی بغدادی، روح المعانی جلد ۱، ص ۵۱)۔ ''تفسیرِ روح المعانی اہل سنت کے تمام مکاتبِ فکر میں یکساں مقبول ہے۔ (ایضاً)

یہ حدیث، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس لیے ان کا درجہء ثقاہت بھی معلوم کر لیا جائے:

''امام احمد بن صالح مصری کہتے ہیں ''میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ نے حدیث میں کوئی شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا؟ انھوں نے فرمایا نہیں''۔ (علامہ سید احمد سعید کاظمی، مقالاتِ کاظمی، جلد اول، بزمِ سعید، ملتان، ص 61) اب وہ حدیث ملاحظہ ہو جو شیخ عبدالرزاق سے مروی ہے: ''یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجیے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی، فرمایا: ''اے جابر بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا''......(علامہ ابوالتراب محمد ناصر الدین ناصر، شرحِ درودِ تاج، پروگریسو بکس، لاہور، س۔ن۔ ص 571)

مولانا اشرف علی تھانوی نے ''نشر الطّیب'' کی پہلی فصل نورِ محمدی کے بیان میں نقل کیا ہے:

''عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھ کو خبر دیجیے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے ([نہ] بایں معنیٰ کہ نورِ الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا''۔ (مولانا اشرف علی تھانوی، نشر الطّیب فی ذکر النبی الحبیب، تاج کمپنی، کراچی، ص ۶)۔

اول ما خلق اللہ نوری کے بعد عقل اور قلم والی احادیث کا بھی احوال معلوم کر لیا جائے:

......**اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ القلم**...... بے شک اللہ نے پہلے قلم کو تخلیق فرمایا۔ (سنن ابی داؤد، باب فی القدر، تقدیر، جلد سوم، حدیث 4078، ضیا القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ص 426)۔ ''سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر لوح کو پیدا فرما کر قلم کو حکم فرمایا۔ لکھ دے (فتوحاتِ مکیہ، حصہ دوم، محی الدین ابنِ عربی، فتوحاتِ مکیّہ، مترجم: علامہ صائم چشتی، علی برادران تاجرانِ کتب، فیصل آباد، مئی 1991ء، ص ۲۷۷) ایک حدیث ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ ادھر منہ پھیرو تو اس نے ادھر منہ پھیر

لیا۔اس کو حکم دیا کہ اِدھر پیٹھ کر دو تو اس نے ادھر پیٹھ پھیر دی‘‘۔(شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، الفیصل ناشران، لاہور، اگست 2006، جلد اول، ص 91)

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ العقل...... یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔(محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، مترجم: علامہ صائم چشتی، جلد دوم: علی برادران تاجران کتب، فیصل آباد، مئی 1991ء، ص 202)............**اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ القلم**......**اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ العقل**. (شاہ سید محمد ذوقی، سِرِّ دلبراں، محفلِ ذوقیہ، کراچی، طبع پنجم: ۱۴۱۸ھجری، ص ۴۵۸)

’’سنن ابوداؤد‘‘ میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: **اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ القلم**...... سب سے پہلے اللہ نے جو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔(مدارج النبوت، جلد اول، ص ۲۲۹) سورہ قلم کی تفسیر میں لکھا ہے ’’حضرت عبادہؓ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔(تفسیر مظہری (اردو) حصہ ۱۲، ص ۲۶)۔

ان احادیث پر بھی محققانہ نظر ڈال کر وضاحت کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کس درجے کی ہیں؟؟؟

سوچنے کی بات ہے کہ صوفیانہ لٹریچر میں جو احادیث بیان ہوتی رہی ہیں ان کے راوی جو بھی ہوں لیکن ان سے فیض یافتگان بیشتر صاحبانِ حال رہے ہیں۔صاحبانِ حال کو علمِ حصولی حاصل ہو یا نہ ہو لیکن علمِ حضوری ضرور بالضرور حاصل ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ محی الدین ابنِ عربی نے علم کی تین اقسام بتائی ہیں: [۱]عقلی علم......[۲]علم الاحوال......[۳]علم الاسرار

[۱]عقلی علم...... یہ علم بقول شیخِ اکبر رحمۃ اللہ علیہ، فی البدیہہ یعنی بغیر غور وفکر...... یا دلائل جیسی کسی اور چیز میں غور وفکر کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔۔لیکن اس میں لغزش کا خطرہ ہے۔گویا یہ علم جزوی اور انتہائی ناقص ہے۔ [۲]علم الاحوال......اس کے بارے میں شیخِ اکبر فرماتے ہیں......علم احوال کی طرف سوائے اہلِ ذوق کے کوئی راستہ نہیں۔

[۳]علم الاسرار...... کے بارے میں شیخِ اکبر کی رائے ہے ’’اس علم [علم الاسرار] کا جاننے والا تمام علوم کو جانتا ہے اور ان میں ڈوبا ہوا ہے، دوسرے کسی علم کو جاننے والا اس جیسا نہیں اور نہ ہی کوئی علم اس علم سے اشرف اور اعلیٰ ہے......اور یہ علم بقیہ تمام معلومات پر حاوی اور محیط ہے‘‘۔(شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی، فتوحاتِ مکیہ، مترجم: علامہ صائم چشتی، علی برادران تاجر کتب، فیصل آباد، ۱۹۸۶ء، جلد اول: ص ۸۸۔۲۔ایضاً ص ۸۹

۳۔ایضاً ص ۹۰)

حدیث کی صحت کا معیار بھی شیخِ اکبر محی الدین عربی، نے واضح طور پر بتایا ہے:

’’ولی اس روح سے سنتا ہے جو اس پر حقیقتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے القاء کرتا ہے......اپنے رواۃ کے طریق سے کوئی حدیث صحیح ہوتی ہے اور وہ حدیث اس مظہر کا معائنہ کرنے والے مکاشف کو حاصل ہوتی ہے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ تو آپ ﷺ انکار کر دیتے ہیں اور اسے فرماتے ہیں کہ میں نے یہ نہیں کہا اور نہ اس کے ساتھ حکم دیا ہے۔پس وہ صاحبِ مکاشفہ اپنے رب کی دلیل سے اس حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے‘‘۔(فتوحات، سوم، ص ۳۲)

حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے بھی، اشارۃً، اس کا ذکر کیا ہے: ’’حضرت شیخ ابوالعباس مرسی سے مروی ہے کہ کہا اگر مجھ سے ایک لحظہ کے لے جمالِ جہاں آراء سیدِ عالم ﷺ پوشیدہ ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔یہ بھی حضورِ اکرم ﷺ کے سنن و آداب اور سلوک و مناہج میں دوامی مشاہدہ وحضور پر محمول ہے۔(عبدالحق محدث دہلویؒ، مدارج النبوت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست 2005ء، ص ۱۸۷) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موضوع احادیث کے باب میں بہت محتاط ہیں، فرماتے ہیں:

’’موضوع حدیثیں ایک بہت بڑا فتنہ ہے......لیکن جن کو خدائے پاک نے حدیث کی مہارتِ تامہ بخشی ہے وہ متابعات اور شواہد سے مدد لے کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ من گھڑت روایات ہیں‘‘۔(اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے وضع کی گئی ہیں)(حجۃ اللہ البالغہ، حصہ اول، ص 454،)

ان شواہد کے بعد، شیخِ اکبر محی الدین عربی، شاہ ولی اللہ اور دیگر صاحبانِ حال کی طرف سے اگر کچھ احادیث متواتر پیش کی جائیں تو ان روایات پر کوئی حکم لگانے سے قبل، ہمیں ذرا سوچنا ہوگا۔ایک نکتہ اور غور طلب ہے، کہ شرع شریف کی تشریح وتعبیر کے حوالے سے تو بیشتر احادیث نے صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتبِ حدیث میں بار پایا لیکن صوفیانہ مزاج کے مطابق احادیث اس قدر پوشیدہ کیوں رہیں کہ ان پر ’’با قاعدہ نظریہء صدور‘‘ ہونے کا گمان کیا گیا؟؟؟

اس کا ایک اجمالی جواب اُس روایت میں مل جاتا ہے جو سفرِ معراج کے حوالے سے مذکور ہوئی: ’’ذکرِ معراج میں ارشاد ہوا: [مجھے دو علم عطا کیے گئے] ’’ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر

کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا۔ اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی امت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔ (مدارج النبوت، ج ا، ص 230)

گویا زندگی کے عملی اور عبادات کی ادائیگی کے لیے جو علم ضروری تھا اس کا پہنچانا لازمی ٹھہرا اور جس علم میں معرفت کی خوشبو تھی اس کے لیے استعداد دیکھ کر کسی کو بتانے کی اجازت تھی۔ معرفت سے لبریز احادیث کے ضمن میں غالباً یہی سِرّ ہے جس کے باعث ان احادیث کے متون، عمومی مجموعہائے احادیث میں کم یاب ہیں۔ میرے اس خیال کو کچھ تقویت حضرت ابوھریرہ اور حضرت ابنِ عباس رضوان اللہ علیہما کی طرف منسوب ان احادیث سے بھی ہوتی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [میں نے] آنحضرت ﷺ سے [علم کے] دو تھیلے سیکھے، یعنی دو طرح کے علم حاصل کیے، ایک کو میں نے [لوگوں میں] پھیلا دیا اور دوسرے کو ......''اگر میں پھیلاؤں تو یہ میرا "بُلْعُوْمُ" (نرخرا) کاٹ ڈالا جاوے''۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۱۲۰، جلد اول صفحہ ۱۴۹)

اسی طرح سورہ طلاق کی آیت نمبر ۱۲ کے تفسیری نکات بیان کرتے ہوئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارضِ مثلھن ط یتنزل الامر بینھن لتعلموٓا** (الطلاق ۶۵، آیت ۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو۔ اس آیتِ کریمہ کی تشریح کے ضمن میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر میں اس کی تفسیر تمھارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کرلوں کہ جو میں تجھے بتلاؤں گا تو اس کا انکار نہ کرے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۵، ص 364)

(۱۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اسی قسم کی روایات نقل کی ہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۵۸۲)۔ کمالین شرح اردو جلالین میں بھی اس کا ذکر ہے۔ (کمالین شرح اردو جلالین، جلد ۶ ص ۵۵۹)۔

فتوحاتِ مکیہ میں بھی ہے: ''اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم مجھے کہو گے میں کافر ہوں۔

اور ایک روایت میں فرمایا: لرجمتمونی، یعنی تم مجھے سنگسار کردو۔ (فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم ص ۲۹۰)

اب گزارش ہے کہ اگر جناب احمد جاوید، مناسب خیال فرمائیں تو میری Indoctrination کے لیے، آسان زبان میں، کچھ تفصیل فراہم فرمادیں۔ اس سے صرف مجھے ہی نہیں، نعتیہ ادب سے

مسلک پورے طبقے کو فائدہ ہوگا۔ ان شاءاللہ!

دینی علوم سے بہرہ ور حضرات سے بھی گزارش ہے کہ موضوعِ زیرِ غور پر اپنی اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔ مجھے اپنے کم علم بلکہ بے علم ہونے کا اعتراف ہے۔

ڈاکٹر طارق ہاشمی نے ''مغرب کا نعتیہ بصری ادب'' اور ''اردو نعت میں تعظیمی بیانیہ'' پر فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے کمال کا ''حمدیہ قصیدہ'' لکھا ہے۔ ان کا موضوعاتی تسلسل اب کے بھی ''بر سبیلِ نعت'' کے عنوان سے خوب ہے۔ تم نے حمد کی شعری روایت پر تحقیق کا اچھا لوازمہ (Matter) فراہم کیا ہے۔ اللہ تمھیں خوش رکھے (آمین)۔ خان حسین عاقب نے سلیم شہزاد کی شخصیت اور ان کی کتاب کشفیہ پر خوب لکھا ہے۔ یہ مضمون پڑھ کر مجھے David Daiches کا یہ فقرہ یاد آ گیا

"The truth that the critic can know about a work, and precisely communicate, is part of the larger truth he can only suggest."

خط طویل ہوگیا۔ میں بھی میرؔ کے تتبع میں یہ کہہ کر بات ختم کرتا ہوں:

عیبِ طولِ کلام مت **کیجو** کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا

اتوار: ۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق: ۱۲ر اپریل ۲۰۲۰ء

بنام: سید شاکر القادری چشتی نظامی، مدیر سہ ماہی ''فروغِ نعت''، اٹک

محترمی و مکرمی سید شاکر القادری چشتی نظامی صاحب! ....السلام علیکم!

نعت کے فروغ میں آپ کی مساعیء جمیلہ کا اندازہ آپ کے سہ ماھی مجلّے ''فروغِ نعت'' کی تسلسل کے ساتھ اشاعتوں سے ہوا۔ آپ بہت اچھے شاعر بھی ہیں، اس لیے نعتیہ ادب کی تخلیقی نزاکتوں اور نعت کے مافیہ (Content) کی صداقت طلب ضرورتوں سے بھی آگاہ ہیں۔ ''نعت'' عوامی سطح پر نعت خوانوں کے ذریعے پہنچتی ہے اور عوام میں کلام سے زیادہ لحن کی خوبصورتی کو معیار کے طور پر قبول کیا جاتا ہے اس لیے نعتیہ ادب کی عظمت برقرار رکھنا محال ہوجاتا ہے۔ نعتیہ ادب کے فروغ میں جن شعراء نے بہت زیادہ دلچسپی لی، ان میں بھی نعتیہ ادب کی نزاکتوں کا خیال رکھ کر شعر کہنے والے شعراء کی تعداد بڑی محدود ہے۔ پھر ایک طویل مدت تک نعتیہ ادب کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کا کام بھی

نہیں ہوا تھا، اس لیے مدتوں نعت گو شعراء اپنے من مانے اسلوب میں نعتیں تخلیق کرتے رہے اور نعت خواں ان نعتوں کو پڑھ پڑھ کر عوام میں مقبولیت پاتے رہے۔ الحمدللہ! پاکستان میں ''نعت رنگ'' کے اجراء (اپریل 1995ء) سے یہ جمود ٹوٹا اور نعتیہ ادب میں بھی تنقیدی زاویوں سے بات ہونے لگی۔

نعتیہ ادب ہو یا عام ادب، سب کے فروغ میں ماہناموں، سہ ماہی یا شش ماہی رسالوں اور کتابی سلسلوں کا بڑا کردار ہوتا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی تحفیظ اور قرطاس پر بکھرے ہوئے خیالات کی پرکھ کا کام کتب اور رسائل کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ الحمدللہ! پاکستان میں نعتیہ صحافت کا ایک سنہرا عہد شروع ہوگیا ہے جس کے توسط سے نہ صرف نعتیہ ادب کو فروغ مل رہا ہے بلکہ شعری معیارات کی جانب توجہ دلانے سے خود شعراء میں ایک قسم کا تنقیدی شعور بیدار ہو رہا ہے۔ نعتیہ شعری متن بھی کتب کی صورت میں آج سے قبل اتنی بڑی تعداد میں منظرِ عام پر نہیں آسکا تھا جتنا اس عہد میں سامنے آرہا ہے۔

''فروغِ نعت'' کا اختصاص تو آپ نے پہلے شمارے ہی میں طے کر دیا تھا۔ مجھے آپ کی تحریر میں ویسا ہی جذبہ نظر آیا تھا جیسا ''نعت رنگ'' کے اجراء کے وقت صبیح رحمانی اور میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ مجھے آپ کی تحریر نے نئی فکری قوت عطا کی تھی۔ آپ نے لکھا تھا:

''بدقسمتی سے ہمارا شاعر اور ادیب، نعت کو ادب کی ایک مستقل صنف کے طور پر تسلیم کرنے میں ہچکچاتا ہے اور نعت کو محض اظہارِ عقیدت تصور کرتے ہوئے اس کے اشعار کو فن کی کسوٹی پر پرکھنے اور ان میں فنی محاسن و معائب تلاش کرنے کو اس مقدس جذبے کی توہین سمجھتا ہے جو ان کی تخلیق کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک عقیدت کے اظہار میں جذبے کی صداقت اور والہانہ پن چھوٹی چھوٹی فنی پابندیوں سے صرفِ نظر کر کے بھی معتبر ٹھہرتے ہیں...... فارسی میں ''نعت گو پوچ گو''، اور اردو میں ''بگڑا شاعر مرثیہ گو'' کے مقولے ایسے ہی لوگوں پر صادق آتے ہیں جن کی شعری صلاحیتیں کند ہو چکی ہیں مگر وہ بطور شاعر زندہ رہنے کے لیے نعت اور عقیدت کے نام پر بے کیف اشعار کے انبار تخلیق کرتے چلے جارہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو فنی کمزوریاں چھپانے کے لیے اپنے معتقدات کی آڑ مل جاتی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نعت لکھتے وقت مضامین و موضوعات کے علاوہ فنی اعتبار سے بھی اس سے کہیں زیادہ ریاضت اور محنت کی ضرورت ہے جو دوسرے اصنافِ ادب پر کی جاتی ہے۔'' (فروغِ نعت، شمارہ اول، جولائی، اگست ۲۰۱۳ء، ص 8)

آپ کا یہ موقف، بلاشبہ، نعتیہ ادب کی اصلاح کے لیے قلمی جہاد کا ایک واضح منشور ہے۔ میں تو اس موقف سے صد فی صد متفق ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے میرے تحقیقی مقالے کے کچھ ابواب ''فروغِ نعت'' میں شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا تو میں نے پورے مقالے کی Soft copy آپ کو فراہم کر دی تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ میں ایک طویل عرصے سے نعتیہ شعری لوازمے (Matter) کو تطہیری عمل سے گزار کے قبول کرنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ نعت کا مافیہ (Content) قرآن کریم، احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تاریخ و سیَر سے اخذ کیا جانا چاہیے۔ شاعرانہ جذبات اور عقیدت کو بھی مسلمہ عقیدے کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ بات وہاں بگڑ جاتی ہے جہاں حضورِ اکرم ﷺ سے کوئی غیر محقق بات منسوب ہو جاتی ہے یا تاریخی اعتبار سے کوئی بے سند قصہ شعری متن میں ڈھل جاتا ہے۔ جذباتِ عقیدت میں عبدہٗ و رسولہٗ ﷺ کو مقامِ عبدیت سے مقامِ معبودیت تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر جیسا کہ آپ نے خود فرمایا تھا کہ نعت گو شعرا کا ایک بڑا طبقہ، شعری ضرورتوں سے اعراض کرتا ہے۔ دنیائے سخن میں لفظ کی حرمت اور بنت کی موزونیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لیے اس ماحول میں جگہ بنانے کے لیے نعت گو شعراء کو متن کی استنادی شان کا خیال رکھتے ہوئے، فنی خوبیوں اور عروضی اوزان کی طرف بھی خاص توجہ دینی ہوگی۔

عربوں نے شعرا پر سخن گوئی سے قبل دوسرے شعراء کے ایک لاکھ اشعار یاد کرنے کی شرط عائد کر رکھی تھی۔ ایک لاکھ شعر کی بات تو ہوسکتا ہے مبالغہ آمیز لگے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ قدماء کے اشعار پڑھے اور سمجھے بغیر نہ تو زبان و بیان میں نکھار پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی شعریت میں اظہاری حسن و جمال کا ادراک ہوسکتا ہے۔ جبکہ ہمارے نعت گو شعراء میں بیشتر کا حال یہ ہے کہ صرف موزوں طبع ہونا ان کے لیے بڑا اعزاز ہے۔ انھیں نہ تو قدماء کا کلام پڑھنا ہے، نہ اپنے عہد کے ثقہ شعراء کی شاعری سے استفادہ کرنا ہے، نہ ہی دنیائے سخن میں عہد بہ عہد آنے والی فکری (Intellectual) تبدیلیوں کو دیکھنا ہے اور نہ فنی حسن (Artistry) پیدا کرنے کی شعوری تحریکوں سے کوئی سروکار رکھنا ہے۔ انھیں تو بس چند لفظ جوڑنے اور انھیں خوبصورت لحن سے یا تو کسی محفل میں خود پڑھنا اور داد سمیٹنا ہے یا کسی نعت خواں سے اپنا کلام پڑھوا کر شہرت حاصل کرنی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں جب ایک بڑا

طبقہ ''مدنی مدینے والے'' کہہ کہہ کر جھومے گا تو شاعری اور سخن فہمی کا عالم کیا ہوگا؟؟؟؟

فروغِ نعت کے جتنے شمارے اب تک میری نظر سے گزرے ان میں شعری معیار خاصی حد تک قابلِ لحاظ رہا ہے اور نعت کی تحقیق، تاریخ اور تنقید پر بھی جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں وہ جہت نما ہیں۔ ہاں کبھی کبھی کسی تحریر میں قابلِ گرفت اشعار پر وجد کرنے کی کیفیت نظر آتی ہے تو ان کی طرف بعض محبت ناموں میں اشارے بھی ہو جاتے ہیں اور آپ انھیں فروغِ نعت کے مشمولات میں داخل فرما کر ایک قسم کی تائیدی سند بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ رویہ نقدِ نعت کے لیے بہت اہم ہے۔ اختلاف کے پہلو جب نکلتے ہیں تو ان میں بھی سخن گفتنی کی گنجائش رہتی ہے، لیکن ناموزوں اشعار کی تحسین پر ناقد یا محقق کو بہر حال متوجہ کرتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعتیہ شاعری کی تنقیدی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے سخن فہمی کا ملکہ ہونے کے ساتھ ساتھ شعری بنت (یا عروضی شدبد) کی جانکاری بھی ضروری ہے۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ شعر کی تنقید بھی ایک مضبوط اور فن آگاہ شاعر ہی کر سکتا ہے، کوئی غیر شاعر، یا بہت کمزور شاعر یہ کام نہ کرے تو بہتر ہے۔

حضرت سید شاکر القادری صاحب! آپ نے رسالہ جاری کر کے ایک جہاد کا آغاز کیا ہے۔ نعتیہ شاعری کو پاکیزہ بنانے اور سنوانے کا داعیہ لے کر اٹھنا ایک عظیم خدمت اور رجعت پسند اور علم بیزار ماحول میں ایک جہاد ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نعت کی تنقید بڑا سنجیدہ اور نازک عمل ہے۔ اس کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ ایک زمانے میں ڈاکٹر پروفیسر فرمان فتح پوری مرحوم جیسا صاحبِ بصیرت انسان بھی نعت پر تنقید کا نام سن کر کہہ اٹھا تھا کہ:

''کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان نقطوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرۂ خیال و قلم سے خارج ہے۔ کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقیدِ مروجہ سے بلند ہو جاتے ہیں۔'' (نعت رنگ، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۲۹۷)

تاہم بعد میں میرے مضامین دیکھ کر مرحوم ہی نے مجھے اپنے دولت کدے پر حاضر ہونے کی دعوت دی اور نعتیہ تنقیدی موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کی ترغیب دی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے نعت گو شعراء میں اور نعت کے قارئین و سامعین میں تا حال ایسا شعور بیدار نہیں ہو سکا ہے کہ تنقید کا کھلے دل سے خیر مقدم کر سکیں۔ حالاں کہ نعت کے بہت بڑے

اور ادبی سطح پر سب سے پہلے قبولیت پانے والے شاعر حضرت محسن کاکوروی نے اپنا تخلیقی منشور اور نعتیہ بوطیقا (Poetics) اس شعر میں بیان کر کے تنقیدی بصیرت کا کھلا ثبوت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ آئندگاں کے لیے ایک راہ بھی متعین کر دی تھی:

رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا
کوئی حرفِ غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

فروغِ نعت میں علاقائی سطح پر نعت گو شعراء کا تعارف اور ان کے کلام کے تجزیاتی مطالعات پیش کرنے کی ادا مجھے بہت بھاتی ہے۔ اس طرح کے تعارف سے ایک طرف تو نعت گو شعراء کی دلجوئی ہوتی ہے اور ان میں نعت گوئی کے لیے تحریک پیدا ہوتی ہے، دوسری جانب نعتیہ شاعری کے تنقیدی جائزوں سے شعراء اور عام قارئین میں تنقیدی شعور پیدا ہونے کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ ''تذکرۂ نعت گویانِ اٹک'' اور ''گوجرانوالہ ریجن میں نعت گوئی کی روایت'' جیسے سلسلے جاری رہنے چاہئیں۔ آپ کا اختصاص فارسی گوئی بھی ہے جس کا پرتو آپ کے رسالے پر بھی پڑا ہے اور بہت اچھا تاثر قائم کر رہا ہے۔ ''قندِ فارسی'' کا گوشہ آپ کے رسالے کی جان ہے۔ آپ کے نام موصول ہونے والے خطوط میں نقد و انتقاد کی جھلک بھی ہوتی ہے اور قارئین کے تاثرات بھی۔ آپ نے بجا طور پر اس گوشے کا عنوان ''انتقاد و تاثرات'' رکھا ہے۔ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے عام و خاص اہلِ ذوق کے ساتھ مکالمہ بہت ضروری ہے۔ ''انتقاد و تاثرات'' کا گوشہ قارئین کی آراء کی بوقلمونی کے باعث بڑا جاندار لگتا ہے۔

حمدیہ و نعتیہ شاعری بھی آپ کے ہاں خاصی حد تک معیاری شائع کی جا رہی ہے۔ معراجیہ قصائد اور معراجیہ نعتیہ متون بھی خوب ہیں۔ تاہم معراجیہ سلسلے میں ضعیف روایات اور کمزور بنت بھی کہیں کہیں محسوس ہوتی ہے۔ اس ضمن میں تنقیدی نشتر چلنا ضروری ہے۔ بہر حال آپ کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ ''فروغِ نعت'' فروغِ شعورِ نگارشِ نعت کا باعث بھی ہو اور نعت گو شعراء اور نعت خواں حضرات کی کردار سازی میں سیرتِ رسول ﷺ کا رنگ پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بن جائے! (آمین بجاہِ سید الامین رسولِ اکرم ﷺ)

والسلام مع الاکرام............ڈاکٹر عزیز احسن

منگل: ۲۱ رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق: ۸ رمئی ۲۰۱۸ء

مکرمی ومحترمی سید شاکر القادری چشتی نظامی صاحب!...........السلام علیکم!

آپ سے مشروط وعدہ کیا تھا کہ خط لکھوں گا۔شرط صرف فرصت کے لمحات کے دستیاب ہونے کی تھی۔ بھائی! میں بغیر پڑھے کسی تحریر پر کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے تعریف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔نعت کے نام پر لکھی جانے والی ہر شعری تخلیق میرے نزدیک نہ تو شاعری ہوتی ہے اور نہ ہی نعت۔ جب تک وہ شعری اسالیب کے معیار پر پوری نہ اترے اور فکری اسقام سے پاک نہ ہو۔ میں شاعری کے لوازمات اور مقتضیات کی شد بد حاصل کرنے کے بعد خود کو بھی معمولی شاعر ہی سمجھتا ہوں۔ تاہم یہ کوشش ضرور کرتا ہوں کہ میری شاعری non-poetry کے کھاتے میں ڈال دینے کی چیز نہ بن جائے۔شرعی گرفت سے بچنے کی بھی مقدور بھر کوشش کرتا ہوں' کہ نعت صرف دنیاوی حدود میں رہنے والی وقتی شاعری نہیں ہے۔

پچھلے دنوں علی گڈھ یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کراچی آئے ہوئے تھے۔ میں نے انھیں ایک دن اپنے غریب خانے پر مدعو کیا اور ''نعت اور تنقیدی شعور'' کے حوالے سے ایک مذاکرہ ریکارڈ کروالیا۔ پروفیسر سحر انصاری اور پروفیسر انوار احمد زئی نے بھی گفتگو میں شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر اصلاحی کی گفتگو سے یہ تاثر ملا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں اس وقت نعت گوئی، نعت شناسی کے ادب کی تخلیق اور نعت خوانی کی محافل کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔لیکن ....لیکن پاکستانی معاشرہ ابھی تک اسلامی معاشرہ نہیں بن سکا ہے۔ان کی اس بات پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا:

ایسے اعمال ہیں اپنے کہ نہ پوچھیں آقا ﷺ   شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے ہم آپ کے ہیں

لمحہ فکریہ تو ہے کہ دینی ادب کی ترویج کا رجحان اور مذہبی اجتماعات کا یہ دریا آخر بے دینی کے خس و خاشاک کو اب تک بہا کر کیوں نہ لے گیا ؟......لیکن مایوسی کفر ہے۔اس لیے اصلاحی صاحب کے تاثر سے بددل ہو کر ہم نہ تو نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کا عمل روک سکتے ہیں نہ ہی نعتیہ محافل میں کمی کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں بیشتر شعراء اور ادباء نے ہمیشہ معاشروں میں خیر پھیلانے اور برائی کو روکنے کی کوشش ہی کی ہے۔لیکن ان کی خیر طلبی کا اجر انھیں آخرت میں تو مل سکتا ہے۔تاہم دنیا میں تا حال خاطر خواہ حد تک نہیں مل سکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبیوں سے بھی کہلوا دیا کہ ''ہم پر صاف صاف پیغام پہنچانے کے سوائے کوئی ذمہ داری نہیں ہے'' (یٰسٓ......آیت ۱۷)۔

اس کے باوجود مجھے یہ کہنا ہے کہ نعتیہ ادب سے منسلک حضرات کو ابھی اخلاصِ عمل کی بڑی ضرورت ہے۔نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے شعراء کو، نعتیہ ادب میں تحقیقی کام کرنے والوں کو اور نعتیہ ادب کی جانچ پرکھ کرنے کی سعی کرنے والے ناقدین کو بڑی ذمہ داری سے اپنے اپنے میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔کیوں کہ ادبی دنیا پر اب بھی دین بیزار طبقے کی اجارہ داری ہے۔حال ہی میں پاکستان آرٹس کونسل، کراچی میں بین الاقوامی اردو کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔اس میں ایک اجلاس نعتیہ ادب پر بھی تھا۔ یہ اجلاس' نعت کے حوالے سے بعض مخلصین نے بڑی کوششوں سے رکھوایا تھا۔ لیکن اس پر ادب کے ٹھیکیداروں نے بڑی ناک بھوں چڑھائی تھی۔ایک خاتون (جو خود ساختہ دانشور ہیں) نے تو چہرہ کتاب (Face book) پر نعت کے سیشن کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ تک لکھ دیا تھا:

''آرٹ کا آغاز یقیناً مذہب میں جڑیں رکھتا ہے۔ یا ہوسکتا ہے مذہب ہی آرٹ میں جڑیں رکھتا ہو۔کون کہہ سکتا ہے؟ لیکن درخت بھی جڑ میں رک کر نہیں رہ جاتا۔شاخیں پھیلتی ہیں اور جدا ہو جاتی ہیں۔آرٹ کی روحانیت کسی ایک مذہب اور اس کے تصور تک محدود نہیں۔ یہ ضیاء زمانے کی منافقانہ باتیں ہیں۔ان کو جاری رکھنا ضروری نہیں۔آہستہ آہستہ ہمیں آرٹ پر سے یہ سائے ہٹانے اور دور کرنے ہوں گے۔ اردو ادب کی سیکولر روایتوں کو واپس لانے کی ضرورت ہے۔ ایسا میرا خیال ہے''۔(میں ان خاتون کا خط منسلک کر رہا ہوں)۔

میں نے دل کڑا کر کے ان خاتون کے خط سے چند جملے یہاں نقل کیے ہیں۔ یہ بتانے کے لیے کہ مذہبی ادب تخلیق کرنے اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشش کرنے والوں کو ہوش آ جائے کہ تمہاری ادب شناسی سے لاپرواہی اور تخلیقی سطح پرستی جذباتیت نے آج تک نعتیہ ادب کو ادب کے main stream سے دور رکھا ہے۔ میں نے بارہا لکھا ہے کہ نعتیہ شاعری کو بہت زیادہ سنجیدگی سے تخلیق کرنے کی ضرورت ہے۔اس طرح کہ نہ تو اس کی ادبیت کا پہلو کمزور رہے اور نہ ہی شرعی تقاضوں کا خون ہو۔اگر ہر موزوں طبع شخص نعت کہہ کر خوش الحانی سے محفل میں پڑھ کر یا کسی نعت خواں سے پڑھوا کر اپنی کہی ہوئی نعت کو مشہور کروالے گا اور نعتیہ محافل میں کمزور کلام کی پزیرائی کا موجودہ نظام برقرار رہے گا تو معاف فرمائیے! آپ اور میں منہ تکتے رہ جائیں گے اور مذکورہ خاتون کے طرفدار ہماری ان کوششوں پر پانی پھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ہم نعتیہ ادب کو سنجیدہ اور ناگزیر ادبی حیثیت میں متعارف کروانے کے لیے انجام دے رہے ہیں۔

آرٹس کونسل میں جو اجلاس ہوا تھا اس میں خود نعت سے وابستہ بعض حضرات کی عاقبت نااندیشی کے باعث بڑی سبکی ہوئی۔ اجلاس میں مقالے پڑھنے تھے۔لیکن اسے مشاعرے میں convert کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ سامعین یہ باور کرلیں کہ نعت سے منسلک لوگوں کو صرف شاعری سے غرض ہوتی ہے۔علمی مباحث سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔دوسری بات یہ کہ ناظمِ محفل نے بڑی بے ترتیبی کا مظاہرہ کیا۔مقالہ پیش کرنے والوں کی حیثیت اور بات کی اہمیت کا انھیں اندازہ ہی نہیں تھا۔انھوں نے ایک ایسی خاتون کو سب سے آخیر میں مقالہ پڑھنے کی دعوت دی جن کی شناخت افسانوی ادب ہے۔نعتیہ ادب میں نہ تو ان کی کوئی شناخت ہے اور نا ہی اس قسم کی شناخت کرانے پر وہ خاتون مصر نظر آتی ہی۔

آپ نے فروغِ نعت کا شمارہ نمبر 8 معراج النبی ﷺ سے منسوب کیا ہے۔اس میں بیشتر لوازمہ بھی معراج سے متعلق ہے۔بڑی اچھی کوشش ہے۔اللہ قبول فرمائے۔

میں نے اسے جستہ جستہ دیکھا تو دو ایک نکات اظہارِ حق کے لائق نظر آئے چناں چہ وہی پیشِ خدمت ہیں۔ واضح رہے کہ صرف تحسین کرنا بہت آسان ہے اور دلجوئی کے لیے ضروری بھی۔لیکن حق کا اظہار کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے اس لیے، جو کوئی اور نہیں کرتا وہ میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں..........مذکورہ شمارے کے صفحہ 147 پر ضیاء القادری بدایونیؒ کے حوالے سے ڈاکٹر شہزاد احمد کا تحقیقی شذرہ ہے۔اس میں حضرت بدایونی کا مختصر کا سوانحی خاکہ بھی آ گیا ہے۔لیکن حواشی میں ڈاکٹر موصوف نے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے تحقیقی مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ڈاکٹر ریاض مجید کے تحقیقی مقالے ''اردو میں نعت گوئی'' اور ''تذکرہ نعت گویان اردو'' (حصہ دوم) از پروفیسر سید یونس شاہ گیلانی کا ذکر کر کے فرمایا ہے:

''مندرجہ بالا تینوں قابلِ ذکر تذکروں میں کہیں بھی تکلفاً ضیاء القادری بدایونی کی نعتیہ خدمات یا ان کا ذکر موجود نہیں''۔

اس عبارت سے متبادر ہے کہ موصوف نے تحقیقی مقالوں کو بھی تذکروں کی قبیل میں شامل کر دیا ہے۔حالاں کہ تذکرہ نگاری، تاریخ نگاری اور تحقیقی مقالہ لکھنے اور ان کے لیے منصوبہ بندی کرنے کے تقاضے الگ الگ ہیں۔تذکرہ نگار عہد بہ عہد شعراء و ادباء کی سوانح کے ساتھ ان کی شعری یا نثری خدمات کے حوالے سے کچھ معلومات فراہم کرنے کا پابند ہوتا ہے۔تحقیقی مقالہ ایک خاص

منصوبہ بندی اور synopsis کے تحت جامعات سے منظور شدہ حد بندیوں کے لحاظ سے لکھا جاتا ہے۔ اس لیے تحقیقی مقالے کو موضوع کی متعین حدود میں رکھنے کے لیے شعرا یا ادباء کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ تذکرہ نگار اور تاریخ نگار کے پاس انتخاب کا option نہیں ہوتا ہے۔ڈاکٹر شہزاد نے یہی غلطی اپنے تحقیقی مقالے میں بھی کی ہے کہ مذکورہ تحقیقی مقالوں کے علاوہ بھی کئی تحقیقی مقالے ''نعتیہ تذکرہ نگاری کی حامل کتب'' کے زیرِ عنوان تذکرہ نگاری کے کھاتے میں ڈال دیئے ہیں۔(اردو نعت پاکستان میں، بابِ ہفتم، صفحات 52-513)۔

پھر مجھے حیرت ہے کہ انھوں نے گیلانی کے تذکرے کا صرف حصہ دوم دیکھ کر یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ بقیہ کسی جلد میں گیلانی نے ضیاء القادری کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔میرے سامنے گیلانی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لیے میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس تذکرے کے کتنے حصے ہیں اور ان تمام میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں۔لیکن ڈاکٹر شہزاد نے حتمی طور پر ذکر کرتے ہوئے صرف حصہ دوم کا حوالہ دیا ہے۔ اس لیے مجھے قطعیت سے فیصلہ صادر کرنے پر حیرت ہے!......تذکرہ نگاری، تاریخ نگاری، تبصرہ نگاری اور تحقیقی مقالہ نگاری پر گفتگو بہت طویل بھی ہو سکتی ہے......اور میرا خیال ہے کہ کبھی اس موضوع پر قلم اٹھانا بھی پڑے گا،لیکن اس خط میں اتنی گنجائش کہاں کہ سب کچھ لکھ دوں؟

اب آیئے شعری لوازمہ کی طرف۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہر اعتبار سے تعریف سے ماوریٰ ہے۔سید بلاقی کے معراج نامے کے خطی نسخہ کا عکس، اس پر تحقیقی شذرہ (Shcolarly note) بڑی اہمیت کا حامل ہے اور تحقیقی کام کے لیے جہت نما ہے۔محسن کاکوروی کی مثنوی ''چراغِ کعبہ'' کا متن شائع کر کے بھی آپ نے بڑا کام کیا ہے۔دیگر شعراء کی تخلیقات بھی خوب ہیں۔لیکن توقیر احمد ملک نے ''معراجِ مصطفی ﷺ کے فکرِ اقبال پر اثرات'' کا تذکرہ کر کے ''اقبالیات'' کے اسکالرز کے لیے فکری جہت نمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔انھیں میری طرف سے مبارک باد پہنچایئے۔

ضیاء القادریؒ کے اشعار میں بھی کم از کم ایک شعر پر تفہیماتی انداز سے بات کرنا ضروری ہے۔

تھے فرشتوں میں یہ نغمے کہ شہِ عرش مقام　　آپ کی دید کا شائق ہے خداوندِ انام

شائق کے معانی ہیں شوق رکھنے والا، شوقین، مشتاق، آرزومند، طلبگار......اور یہ سارے مفاہیم انسانی بے چارگی اور نارسائی کی نشاندہی کرتے ہیں۔پھر دید کا شائق ہونے کا مطلب ہے کہ معراج

سے قبل اللہ تعالیٰ جو ''البصیر'' (ہر چیز کا ہر لمحہ بلا انقطاعِ نظر دیکھنے والا) ہے وہ حضور کو [نعوذُ باللہ] دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ شعراء کو ایسے بیانات دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

شمارہ نمبر 9 میں بیشتر شعری تخلیقات کا معیار اچھا ہے۔ اصلاحی اور تبلیغی نعتیہ مضامین کے حوالے سے درج ذیل تین اشعار مجھے زیادہ پسند آئے:

جادہء سرورِ دو عالم ہے یہ رہِ پاشکستگاں نہیں ہے (محمد عارف قادری)

شب کے زنداں سے رہائی پا نہیں سکتیں کبھی نامِ اقدس سے کریں جب تک نہ صبحیں اکتساب

(عباس ندیم قریشی)

کبھی یہ ہو نہیں سکتا فلاح کا ضامن نظامِ نو ترے اسوہ سے جو ہٹا ہوا ہے (سید اعجاز حسین عاجز)

سید جاوید رضا نے مطلع میں لفظ تمنا کا استعمال ٹھیک کیا ہے لیکن مقطعے میں اس لفظ کا استعمال انتہائی درجہ قابلِ گرفت ہے۔

رب کے محبوب کا جو کوئی تمنائی ہو دین و دنیا میں سدا اس کی پزیرائی ہو

اے رضا حب نبی آلِ نبی جن کو نہیں ان کے سجدوں کا کبھی رب نہ تمنائی ہو

اس طرح وہ لفظ جو مطلع میں بندوں کے لیے مناسب تھا۔ مقطعے میں اللہ کے لیے استعمال کرنے سے اللہ کی ذات کا استخفاف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی کسی بھی قسم کی عبادت کا تمنائی نہیں ہے۔ وہ تو خود فرماتا ہے:

''وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ o ''(اور اگر کوئی انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سب جہاں والوں سے۔ (الِ عمران، آیت ۹۷)۔ بھلا وہ بندوں کے سجدوں کا تمنائی کیوں ہونے لگا۔

ایک مصرع بھی ان کی نعت میں بے وزن ہے:

ع بخش دیئے جائیں تو کیوں خطرہء رسوائی ہو

یہاں ''دیئے جائیں'' کے بجائے صرف ''دے جائیں'' عروضی طور پر بحر میں سماتا ہے۔

شمارہ نمبر 9 میں شاہد کمال صاحب کی کہی ہوئی نعتیں مناسب ہیں لیکن ایک شعر منفی اثر مرتب کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

زوالِ عصر کی ساعت قریب آ پہنچی سنائی دینے لگی ہے نوائے پیغمبرؐ

اس شعر میں شاعر جو کہنا چاہتا ہے وہ پوری طرح نہیں کہہ سکا اور معانی مثبت کے بجائے منفی نکتے کی

طرف راجع ہو گئے ہیں۔ عمومی طور پر ہم کہتے ہیں کہ زوال کا وقت ہے کہ لوگ اسلامی اقدار سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں شاعر نبی علیہ السلام کے پیغام اور آپ ﷺ کی آواز کے عام طور پر سنائی دینے کو زوالِ عصر سے تعبیر کر رہا ہے؟؟؟ شعر کا مفہوم بہت اچھا بھی ہو سکتا تھا اور یقیناً شاعر نے اچھا مفہوم ہی ذہن میں رکھا ہوگا۔ یعنی حضورِ اکرم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قیامت قریب ہے۔ کیوں کہ لوگ دین سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ لیکن الفاظ اس مفہوم کو سہارنے سے قاصر ہیں۔ پھر یہ کہ وقتِ گزراں کو عصر کہتے ہیں اور عصر کا زوال نہیں ہوتا ہے۔ زوال انسانی بداعمالیوں کے باعث انسانی معاشروں کا ہوتا ہے۔ عصر اس زوال کے گواہ کے طور پر جاری و ساری رہتا ہے۔

بہر کیف مذکورہ شعر سے کوئی مثبت مفہوم بر آمد نہیں ہو رہا ہے۔

اصغر سودائی نے عجیب بات ''اللہ تعالیٰ'' سے منسوب کر دی۔ کہتے ہیں:

اپنے محبوب کو جب سامنے آتے دیکھا از پسِ پردہ یہ آئی لبِ قدرت کی پکار

مرحبا! احمدِ مختار، شہنشاہِ رُسل تجھ پہ قربان ہوں اک لاکھ تو چوبیں ہزار ص52

یہاں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ [نعوذ باللہ] پہلے حضورِ اکرم ﷺ کو دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ جب آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تب اللہ نے سامنے آتے دیکھا۔ پھر آخری شعر تو گویا اللہ تعالیٰ کی پکار کی ہو بہو تصویر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ میں اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کو پکارا تھا۔

سید صاحب! معراج کے حوالے سے اکثر شعراء نے بیان میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ امیر مینائی جیسا عالم بھی جوشِ جذبات میں خلافِ شرع بات کہہ گیا۔

احمد بھی تھے اور احمدِ بے میم بھی تھے آپ یکتائی کا جلوہ نظر آیا شبِ معراج

ہو جائیں امیر احمدِ بے میم پہ قربان خلعت احدیت کا بھی پایا شبِ معراج (ص21)

احمد اور احد کا فرق بالکل ختم ہو گیا جب ''احدیت کا خلعت'' بھی حضور علیہ السلام کو مل گیا۔

میں نے شمارہ نمبر 9 جستہ جستہ دیکھا ہے۔ معراجیہ لٹریچر میں اکثر شعراء ایسی ہی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض اشعار سے اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کو انسانی ملاقات کے انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کے ذکر میں حضورِ اکرم ﷺ کی عبدیت (سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ (پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو) کا ذکر کر کے

تمام شبہات اور خیال کے ٹامک ٹوئیے مارنے والوں کی بیخ کنی کر دی تھی۔ معراج کا سفر عقل وفہم سے بالا سہی لیکن اس سفر پر جانے والی مقدس ہستی ﷺ کی ''عبدیت''، مسلم ہے۔ یہ الگ بات کہ بقول اقبالؒ

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر　　　ما سراپا انتظار او منتظر

شاعری فی الاصل تخیلاتی چیز ہے۔ لیکن نعت میں تخیل کی پرواز کو شرعی احکامات کے آفاق کے اندر اندر رکھنا ضروری ہے۔ یہاں مجھے حالی یاد آ گئے جو کہہ گئے ہیں:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　　شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے　　　نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(مسدس حالی۔ صدی ایڈیشن، مرتبہ: ڈاکٹر سید عابد حسین، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون ۲۰۰۶ء، ص ۹۴)

الطاف حسین حالی نے ''مسدس مدو جزر اسلام'' لکھتے ہوئے معاشرے کی اس کمزوری کو سن 1297ھ اور 1879ء میں اس طرح paint کیا تھا۔ جہاں تک اسلامی ادب تخلیق کرنیوالے اور عشق نبوی کے دعویدار طبقے کا تعلق ہے تو یہ طبقہ آج بھی شریعت سے گریز پا ہے اور اس کیفیت میں دن بہ دن اضافہ ہی دیکھا جا رہا ہے۔ ویسے آپ کی محنت، لگن اور خلوص آپ کے شائع کردہ ہر شمارے سے مترشح ہے۔ مدیر کے لیے شعری اور نثری لوازمہ جمع کرنا اور اس کو شعری وشرعی sensor سے گزارنا انتہائی مشکل ہے۔ نعت رنگ میں بھی اس قسم کی اغلاط کا احتمال رہتا ہے۔

میں نے سوچا ہے کہ ''فروغِ نعت'' کے ہر شمارے کو بار بار پڑھوں اور ذرا تفصیل سے محاسن واسقام کی نشاندہی کروں تاکہ محاسن کی روشنی میں تخلیق کاروں، نقد نگاروں، محققوں کو کچھ آگے بڑھنے کی راہ ملے۔ اور اسقام کی نشاندہی سے ان حضرات کو قابلِ گرفت مضامین اور خیالات یا فکری زاویوں سے بچنے کی توفیق ارزانی ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی فرصت اور ایسا درک عطا فرمائے کہ حق کو حق جان کر اسے تسلیم کرنے اور باطل کو باطل سمجھ کر اسے رد کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ میں خود بھی اپنے فکری زاویوں کے لیے رہنمائی کا محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری کمزوریوں کو معاف فرمائے (آمین)! میں نے یہ خط بڑی عجلت میں لکھا ہے۔ اگر کوئی سہو ہوا ہو یا قصداً کوئی قابلِ اعتراض جملہ لکھ دیا ہو، تو پیشگی معذرت! والسلام مع الاکرام!......طالبِ دعا......عزیز احسن

منگل: ۸ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق: ۱۹ جنوری ۲۰۱۶ء

پیر: ۹ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق: ۱۶ ستمبر ۲۰۱۳ء

بھائی سید شاکر القادری چشتی نظامی صاحب!......السلام علیکم!

جمعرات کو کچھ کتابیں آپ کو بجوائی تھیں۔ ہو سکتا ہے اب تک مل گئی ہوں۔ مل جائیں تو مطلع فرمائیے!

اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' کی ان پیج کمپوزنگ بھی آج صبح برقی ڈاک سے آپ کے تین پتوں پر ارسال کر دی ہے۔ فروغِ نعت، شاکر قادری اور جنید نسیم سیٹھی۔ امید ہے اب آپ اسے اپنے مجلّے کی اشاعت میں بآسانی شامل کر سکیں گے!

''فروغِ نعت'' جب سے آپ کی طرف سے مجھے ملا ہے میں وقتاً فوقتاً اسے دیکھتا رہتا ہوں۔ بڑی اچھی کاوش ہے جس میں آپ کا مدیرانہ سلیقہ، جمالیاتی احساس، سخن فہمی کا ملکہ اور علمی مزاج منعکس ہے۔ نعتیہ ادب کو جس سنجیدہ علمی مزاج رکھنے والے افراد کی ضرورت ہے، آپ کی ذات ان میں سے ایک ہے۔ اسی لیے نعت کی خدمت کے لیے مبداء فیاض کی طرف سے آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ آپ قابلِ مبارک باد ہیں!!!

میں نے نعتیہ تخلیقات دیکھیں اور انہیں معیاری پایا۔ خاص طور پر ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، پروفیسر احسان اکبر اور آصف اکبر کی نعتیہ تخلیقات میں بیان کا سلیقہ اور اظہار کی طرفگی ہے۔ سید منظور الکونین بھی نعت کہتے ہیں، یہ جان کر خوشی ہوئی۔ لیکن ان کی نعت میں دو لفظوں کی طرف توجہ مبذول کروانی ہے۔　ع　اجل کے بعد بھی کیوں نہ کھلی رکھوں آنکھیں

ع　پھر اس کے بعد میں شدت سے بھینچ لوں آنکھیں

☆ فی الحال صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ لفظ ''نہ'' یک حرفی ہوتا ہے جبکہ مذکورہ مصرعے میں ''نا'' [دو حرفی] پڑھا جا رہا ہے۔ ☆☆ بھینچ کی جگہ ''میچ'' لوں آنکھیں ہونا چاہیے۔ آنکھیں میچی جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے شاعر موصوف نے میچ لکھا ہو اور کمپوزنگ میں بھینچ لوں آنکھیں ہو گیا ہو!

کتابوں پر تبصرے بہت عمدہ ہیں۔ تمام مبصرین قابلِ مبارکباد ہیں۔

ایک مشورہ اور حاضر ہے۔ شعراء کے نام نعت کے اختتام پر آنے چاہئیں اور درود شریف ''ﷺ'' اوپر۔ ہر نعت کا عنوان اگر ''نعت'' نہ بھی لکھا جائے تو صرف درود شریف لکھ دینے سے کام

چل جائے گا!

میں اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باعث تفصیلی تبصرہ نہیں کر سکا، اس کے لیے معذرت!......احباب سے میرا نیاز مندانہ سلام کہیے!

عزیز احسن

بنام: ڈاکٹر سراج احمد قادری، مدیر دبستانِ نعت، بھارت۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!...........السلام علیکم!

رمضان سے قبل میں نے ایک مضمون اور ایک نعتیہ قصیدے کا منظوم ترجمہ آپ کو بھجوادیا تھا۔ خط لکھنے کی نوبت اب آئی ہے۔ امریکہ سے جناب فیروز احمد سیفی کی طرف سے بھی حکم ملا تھا کہ میں کوئی خط لکھ دوں۔ چناں چہ آج یہ خط بھی لکھ رہا ہوں۔

''دبسانِ نعت'' کی ضخامت کے حوالے سے میرے کچھ تحفظات ہیں۔ میرے چچا عبدالرّؤف خان صاحب (ساکن جے پور، بھارت) کا بھی یہی خیال ہے کہ ضخامت، رسالے کے مطالعے میں رکاوٹ کا سبب ہے۔ ان سے آپ کی بھی بات ہوئی تھی اور آپ سے بھی انھوں نے یہی کہا تھا۔ بہر حال رسالے کے مافیہ (Content) سے اس کی ضخامت کا عیب (جسے خوبی ہونا چاہیے) چھپ گیا ہے۔ مافیہ اور متن واقعی لائق مطالعہ اور بعض مضامین تو نعتیہ شعری تخلیق کاروں، ناقدین، محققین اور نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت میں سرگرم افراد کے لیے نصاب کے طور پر بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر قابلِ قبول اور مذہبی حلقوں میں لائقِ اعتنا بنانے کے لیے شعری اور شرعی تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ زبان و بیان کی طرف دھیان دینا ہوگا...... کیوں کہ نعت ''افصح العرب ﷺ'' کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ نعتیہ شاعری کی طرف خصوصی توجہ دینے والے حضرات کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عام شاعری (General Poetry) میں زبان و بیان کے معیارات، عروضی معاملات، صنائع بدائع کے رموز اور اظہاری طرفگی کے اسالیب پر جتنا کچھ لکھا گیا ہے وہ اس شاعری کی عمومی قدر بڑھانے اور اس کے معیارات متعین کرنے کے لیے ہی لکھا گیا ہے۔ زبان کی آب یاری کے لیے اور اظہارات میں الفاظ کی تراش خراش کے لیے ناسخ، فائز دہلوی اور داغ دہلوی نے باقاعدہ توجہ دے کر اپنے اپنے تلامذہ اور عام شعراء کی رہبری کے لیے تحریری لوازمہ فراہم کیا ہے۔

میری خواہش ہے کہ، یہاں میں، زبان و بیان کی خوبیاں اجاگر کرنے کے لیے استادی شاگردی کے مقدس رشتوں سے منسلک طبقات کی، شاعری کو سنوارنے کی کاوشوں کی ایک جھلک دکھا دوں۔ میں نے ایک مضمون میں لکھا تھا:

''استادی شاگردی کا رشتہ تو اب کمزور ہوا ہے، کیوں کہ ہر شاعر اپنے آپ ہی کو استاد ماننے لگا ہے۔ اسے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ استادی شاگردی کا ادارہ قائم تھا تو زبان و بیان کے حوالے سے بعض اساتذہ اپنے شاگردوں کی رہنمائی کے لیے کچھ نکاتِ سخن پیش کرتے رہتے تھے مثلاً

ڈاکٹر ساجد امجد کے مقالے ''اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات'' سے ہمیں یہ معلو ہوا کہ تنقیدی اصولوں کی بازگشت، سب سے پہلے دیوانِ فائز دہلوی کے دیباچے میں سنی گئی تھی، جنھوں نے لکھا تھا:

''تمام اقسامِ شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو، قافیے درست ہوں، معنی لطیف ہوں، الفاظ شیریں ہوں، عبارت صاف ہو، یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو بیان میں تکلف نہ ہو، حروف زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں شاعر کے لیے لازم ہے کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو۔ تشبیہ کے قاعدوں، استعارے کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو۔ قدماء کی تاریخ اور نظم سے باخبر ہو اور حکماء کے کلام کا تتبع نہ کرے اور اپنی طبع سلیم سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے۔ جھوٹی تشبیہوں، مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے پرہیز کرے''۔

''ناسخ نے شاعری میں تازہ گوئی کی شعوری کوشش کی جس کو ان کے شاگردوں نے ایک تحریک کے طور پر آگے بڑھایا۔ ناسخ کی اصلاحات اور ان کی شاعری کے اختصاصی پہلوؤں کی نشاندہی رشید حسن خاں نے ''انتخابِ کلامِ ناسخ'' میں کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ''تاریخ ادبِ اردو'' (جلد سوم) میں کچھ تفصیل دی ہے۔

ناسخ کے عہد سے زبان کے لیے ریختہ کے بجائے ''اردو'' کا لفظ مقرر ہوا۔ اسی طرح غزل کے لیے ریختہ کے بجائے ناسخ نے لفظ 'غزل' کو رواج دیا۔ اسی طرح آئے ہے، جائے ہے، جیسی افعال کی صورتیں، نیز کسو، کبھو اور 'جا' [جگہ] کے لیے 'جائے' وغیرہ کے استعمال کی مثالیں بھی ناسخ کے ہاں نہیں ملتیں۔ ناسخ نے اپنے پیشرووں کے متروکات کے ترک کی سختی سے پابندی کی۔

پھر دنیائے سخن میں داغ دہلوی نے بھی زبان و بیان پر خاص توجہ دے کر فن کے اصولوں کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ اپنے شاگردوں کے لیے ایک ''ہدایت نامہ'' بھی نظم کر دیا تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنا کلام جانچنے کے قابل ہو جائیں۔اس ہدایت نامے میں اس عہد کے تنقیدی اصول بڑی خوبی سے نظم ہو گئے ہیں،مثلاً وہ لکھتے ہیں:

یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے	اہل دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا
مستند اہل زباں خاص ہیں دہلی والے	اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا
جوہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے	ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا
بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں	ایک کو ترک کیا ایک کو قایم رکھا
شعر میں حشو وزوائد بھی برے ہوتے ہیں	ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا
گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے	وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنٰی
استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ	اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا
اصطلاح اچھی مثل اچھی ہو بندش اچھی	روزمرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا
ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی بھی نہ ہو	ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا
عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے	وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا
لف ونشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے	اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بے جا
ایک مصرعے میں ہو تم دوسرے مصرعے میں ہو تو	یہ شتر گربہ ہوا، میں نے اسے ترک کیا
شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی	گر عروض اس نے پڑھا ہے وہ سخنور دانا
مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد	دین، اللہ کی ہے، جس کو یہ نعمت ہو عطا
بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام	اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا
گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر	کسب فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا
پند نامہ جو کہا داغ نے بے کار نہیں	کام کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئے گا

اس ہدایت نامے میں داغ نے جو نکات بیان کیے یعنی،فصاحت کا ہونا،شعری بندش میں چستی کا ہونا استعارے اور تشبیہات کا برمحل استعمال،روزمرہ کی نگہداشت،لف ونشر مرتب اور غیر مرتب کا استعمال،،ردیف کا چست اور درست بیٹھنا،قافیے کا درست ہونا وغیرہ تو محاسن میں

شمار کئے جاتے تھے،اور شتر گربہ،عروضی سقم،حرف کا دبنا یا گرنا،عیب تعقید،عیب تنافر کا شعر میں ہونا عیب سمجھے جاتے تھے''۔

اقتباس طویل ہو گیا۔لیکن یہ ضروری تھا کہ آج نعتیہ شاعری کی طرف رجوعِ عام کی پُر کیف فضا میں فن،زبان اور شعری نزاکتوں کی طرف دھیان دلانے کے لیے اساتذۂ کرام کی کاوشوں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔نعتیہ متن (Text) کو پرکھنے کے لیے قرآنِ کریم،احادیثِ نبوی، سیرتِ نبوی،تاریخِ اسلام اور احترامِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے قرآنی احکامات کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ دبستانِ نعت میں ''نعت کی تنقید......اہمیت،مسائل اور امکانات'' جیسے موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔شاہ اجمل فاروق ندوی (نئی دہلی) اس ضمن میں مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر حافظ کرناٹکی (شیموگہ) کی تحریر ''نعت کی لفظیات'' لائقِ توجہ ہے۔لیکن اس میں کمزور اشعار اور اوزان سے عاری مصرعے بھی آ گئے ہیں۔شعری بنت کا ضعف بھی محسوس ہو رہا ہے۔تاہم صاحبِ مضمون نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ ''جہاں تک ممکن ہو سکا ہے عشقِ رسول کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی سے کام لیا ہے،غالباً نعتیں کہنے والے شعرا بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عشق اور جنگ میں سب جائز ہے'' (صفحہ 151)

مجھے کئی مصرعے کھٹکے لیکن صرف چند ایک کی نشاندہی کر دیتا ہوں:

کبریا کی طرح لاثانی ہے تو..........(حیات لکھنوی.....ص150)

کبریا،اللہ تعالیٰ کے اسم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔یہ غلط العام ہے۔اساتذہ بھی اس غلطی سے نہیں بچ سکے ہیں۔''کبریا'' کے ضمن میں،میرے مقالے میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہی یہاں پیش کر دیتا ہوں:

''کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ''اللہ'' کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔شعراء نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ''کبریا'' کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔حالاں کہ یہ صرف صفت ہے اسمِ صفت نہیں ہے۔قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

ا۔وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآ ءُ فِی الْاَرْضِ ط۲۔وَ لَهُ الْکِبْرِیَآ ءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ص
ا۔اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔(سورۂ یونس......آیت ۷۸)۲۔اور اسی کو
سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔(سورۂ جاثیہ......آیت ۳۷)

قرآن کریم کی درج بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو
نہیں۔اللہ کے لیے ''اکبر'' بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ کہا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی
''کبریا'' کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔حالاں کہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی
بزرگی، عظمت، شان وشوکت، جاہ وجلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے
جو اس لفظ کے بالکل درست استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

''میرؔ ناچیز مشتِ خاک اللہ ان نے یہ کبریا کہاں پائی''

ان حقائق کی روشنی میں ''کبریا'' کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیئے''۔
کبریا کی طرح لا ثانی ہے تو......حیات لکھنوی کا مصرع......لفظ کبریا کے حوالے سے بھی لائق اصلاح
ہے اور خیال کے حوالے سے بھی۔کیوں کہ اس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرح حضور اکرم ﷺ کو
لا ثانی کہہ دیا ہے۔حالاں کہ یہاں ضروری تھا کہ وہ ''مخلوق میں لا ثانی'' کا مفہوم پیدا کرتے۔
جاوید ششٹ کے دو اشعار دیئے گئے ہیں۔ایک میں ''ترے اور تری'' کا استعمال ہوا ہے دوسرے
شعر میں ''تم'' آیا ہے۔اس طرح عیبِ شتر گربہ ہو گیا۔اگر یہ اشعار غزل کے ہر شعر کی طرح علاحدہ
علاحدہ بھی ہوں تب بھی دونوں کی یکجائی سے مذکورہ عیب نمایاں ہو رہا ہے۔مزید برآں

عرفانِ نظر تم سے ملا احمد بے میم کثرت اسی وحدت کی ہی تکرار کرے ہے

یہاں شاعر نے احمدِ بے میم کہہ کر حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے برعکس آپ ﷺ کو ''احد'' کے
درجے پر پہنچا دیا ہے۔دوسرے مصرعے کا مفہوم واضح نہیں ہے۔وحدت کی تکرار سے کثرت کا تصور
عجیب ہے۔یعنی کائنات کی ہر شے بشمول موالیدِ ثلاثہ (جمادات، نباتات، حیوانات) اپنی اپنی سطح پر
ایک اکائی ہے اور یہ ''اسی وحدت'' کی تکرار ہے۔یعنی ذاتِ واجب الوجود اس کثرت میں تقسیم ہو گئی
ہے۔یہ تصور گمراہ کن ہے۔
خود صاحبِ مضمون نے جو اپنا شعر لکھا ہے وہ ایک لفظ کے غیر محتاط استعمال کا نمونہ ہے:

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتہ

یہاں لفظ ''ذریعے'' صرف ''ذریے'' پڑھا جا رہا ہے۔یائے معروف اور عین کی آوازیں مخفف ہو گئی
ہیں۔غالب نے کہا تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

ویسے تو میں نے تقریباً ہر مضمون جستہ جستہ دیکھا ہے۔لیکن بعض مضامین بالاستعاب پڑھنے کی کوشش
کی ہے۔سلیم شہزاد (مالیگاؤں) کا مضمون ''حمد کی شعریات'' پُر مغز ہے۔مجھے ان کے اظہاریے
سے مکمل اتفاق ہے:
''حمد ایک شعری صنف کے طور پر قبول کرنے میں اکثر وہ ناقدین تکلف محسوس کرتے ہیں جو ادب و
مذہب کے رشتے پر یقین نہیں رکھتے، اگرچہ خود ادب یعنی شعر، قصہ، ڈراما وغیرہ دنیا بھر کی زبانوں
میں مذہب کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور بے مذہب ناقدین اس تاریخی ثقافتی مظہر سے ہرگز ناواقف
نہیں'' (ص86)۔راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر ''شاعری اور مذہب'' کے عنوان سے کچھ لکھا
ہے جو میری کتاب ''حمد و نعت کے معنیاتی زوایئے'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا مضمون ''فارسی ادب کا اولین قد آور نعت گو شاعر'' بہت
خوب ہے۔لیکن چوں کہ اب فارسی کا چلن عام نہیں ہے اس لیے مجھ ایسے کم علموں کے لیے فارسی
اشعار کا اردو میں ترجمہ کر دیا جاتا تو تفہیم کے حوالے سے، مضمون میں، جان پڑ جاتی۔ڈاکٹر محمد اسمٰعیل
آزاد فتح پوری ہی نے ''حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف'' کے
عنوان سے متعدد مقالوں کا اجمالاً تعارف کروایا ہے۔یہ جان کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ بھارت میں
پی ایچ ڈی کی سطح پر حمد و نعت پر بڑے اہم موضوعات پر تحقیق ہو چکی ہے۔ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری
اس علمی کام کے محرک بھی ہیں اور نگرانِ کار بھی۔ ڈاکٹر صاحب کی شریکِ حیات نے بھی ''اردو نعتیہ
شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے یہ
اعزاز لائقِ رشک اور باعث مسرت ہے۔ڈاکٹر قریشہ نے ''ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ
شاعری کا تقابلی مطالعہ'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا اور انھیں 2002ء میں دکتورِ ادب (Ph.D) کی
سند تفویض ہوئی۔اس مقالے کے بابِ ہفتم کے ذیل میں ایک مصرع،
یہ عہد عہدِ [نعتِ] رسولِ کریم ہے (نعت کا لفظ کمپوزنگ میں نہیں آ سکا ہے) ......شہاب الہٰ

آبادی کے نام سے منسوب ہوا ہے، جبکہ یہ مصرع کراچی کے ایک معروف شاعر ''غیاث الہٰ آبادی'' مرحوم کا ہے۔ راقم الحروف کے مرحوم سے گہرے مراسم تھے۔ پہلے یہ مصرع میں نے اپنی مرتبہ کتاب ''جواہر النعت'' کے مقدمے (مطبوعہ 1981ء) میں نقل کیا تھا۔ بعد ازاں وہ تحریر، میری کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' (مطبوعہ 1998ء) میں بعنوان ''نعت کے علمی و ادبی افق'' شامل کر دی گئی تھی۔ شہاب الہٰ آبادی سے میں واقف نہیں ہوں۔ یا تو الہٰ آباد کے مقامی اشتراک کی وجہ سے یہ مصرع ان سے غلط منسوب ہو گیا ہے یا شاید توارد کا شاخسانہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غیاث الہٰ آبادی ہی کا نام شہاب الہٰ آبادی لکھ دیا گیا ہو۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے ''سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کا تجزیہ'' خوب کیا ہے۔ مراٹھی نعت کا اردو منظوم ترجمہ کر کے انھوں نے کمال کیا ہے۔ پروفیسر مولا بخش نے ''اقبال سہیل اور موجِ کوثر: نام محمد کا شعری وظیفہ'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں اچھے نکات پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر حقانی القاسمی کا مضمون ''مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ تجربے'' بھی مختصر ہونے کے باوجود اہم ہے۔ ''پیغمبرِ اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا کراجِ احترام'' از ڈاکٹر راہی فدائی، قابل قدر تحقیقی کاوش ہے۔ ''چندر بھان خیال کی طویل نظم ''لولاک'' (کے حوالے سے) از شارق عدیل، ایک لائقِ ستائش تجزیاتی مضمون ہے، جس کے ذریعے شاعر کا تعارف بھی ہو رہا ہے اور اس کے فن کی خوبیاں بھی اجاگر ہو رہی ہیں۔ یہ مضمون، مضمون نگار کی محنت اور ناقدانا صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ زیرِ تبصرہ نظم کے جو شعری نمونے مضمون میں پیش کیے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر موصوف (چندر بھان خیالؔ) ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ شارق عدیل نے یہ لکھ کر اپنے قاری کے دل میں چندر بھال خیالؔ کی نظم کا بھرپور مطالعہ کرنے کی لگن پیدا کر دی ہے:

''مذکورہ نظم چھ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر باب کی موضوعی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے چار بحور کا کاستعمال کیا گیا ہے جو کسی بھی معمولی شاعر کی سوچ کا نتیجہ نہیں ہو سکتا'' (ص213)

ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری نے ''دبستانِ نعت'' کے مشتملات پر سیر حاصل گفتگو کر کے اپنی ناقدانہ صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی رائے نپی تلی ہے اور نقدِ نعت کے ضمن میں رجحان ساز بھی۔ ضخیم رسالے کا تمام تحریری لوازمہ ترتیب وار پڑھنا اور ہر تحریر پر تبصرہ کرنا بڑا دشوار کام تھا جسے مضمون نگار نے بخوشی انجام دیا۔ اللہ انھیں خوش رکھے (آمین)

بھائی باتیں تو بہت سی ہیں۔ جستہ جستہ پڑھنے سے بھی محسوس ہوا کہ کئی مضامین توجہ طلب ہیں۔ لیکن ہر مضمون پر رائے دینے کا حوصلہ اور وقت کہاں سے لاؤں؟ سارے خطوط بھی اچھے ہیں۔

آپ نے اداریے میں ریاض حسین چودھری کا ایک شعر نقل فرمایا ہے:

محشر کے دن بھی حرفِ سخن محترم ہوا   محشر کے دن بھی نعت حوالہ بنی ریاض

شعر بہت اچھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''قیامت''.....شاعر کی زندگی ہی میں قائم ہو گئی تھی اور شاعر کو نعت گوئی کا صلہ یہیں عطا کر دیا گیا تھا۔ اس بیان میں شاعرانہ سچائی (Poetic reality) تو ہو سکتی ہے۔ واقعاتی سچائی قطعی نہیں ہے۔ میں ایسے اشعار کو قابلِ گرفت سمجھتا ہوں جن میں کوئی شاعر، دنیائے آب و گل میں، حشر کے احوال بیان کرتے ہوئے اپنی کامیابی کا اعلان کرے۔ اس موضوع پر میں نے متعدد بار لکھا ہے۔

دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی) نے ایم۔اے (اردو) میں نعتیہ ادب کو بطورِ نصاب شامل کر لیا ہے۔ یہ خبر نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت میں مصروف طبقات کے لیے بڑی دل خوش کن ہے۔ آپ نے صفحہ 765 پر جو تفصیل دی ہے اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ان شاء اللہ اب نعتیہ ادب بھی اردو کے طلبہ کے لیے مطالعاتی موضوعات میں نمایاں رہے گا۔ پاکستان اور بھارت میں شائع ہونے والے نعتیہ جرائد، رسائل، مجلّے، کتابی سلسلے.....نعتیہ ادب کی تحقیق اور تنقید میں منہمک طالبِ علموں کے لیے معاون لوازمہ فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ہندو پاک کے نعتیہ ادب کے محققین اور اسکالر حضرات و خواتین کو چاہیے کہ وہ نعتیہ جرائد کا مطالعہ جاری رکھیں۔ میں اپنی کتب کے متون (Texts) بھی ایسے طلبہ کو ان۔پیج کی شکل میں فراہم کر سکتا ہوں۔

والسلام مع الاکرام.....[ڈاکٹر]عزیز احسن

منگل: ۱۱رشوال المکرّم ۱۴۳۹ھ : مطابق: ۲۶رجون ۲۰۱۸ء

بنام: سرور حسین نقشبندی۔ مدیر ''مدحت'' لاہور۔

سرور حسین نقشبندی صاحب!

السلام علیکم!

حضرت علامہ ریاض سہروردی کی یاد میں منعقد ہونے والے مشاعرے میں آپ نے

مدحت کا شمارہ 7-6-5 عطا فرمایا تھا۔ علمی انداز کا گرانقدر لوازمہ اس میں دیکھا اور کئی مضامین اور منظومات پڑھ ڈالیں۔ آپ کے اور آپ کے ادارے کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے (آمین)!

یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے نعتیہ منظومات کے ساتھ حمدیہ منظومات کو بھی لائقِ توجہ مقدار میں شامل کیا ہے۔ بیشتر شعری لوازمہ قابلِ ستائش ہے۔ مقالات میں ''پاکستانی نعتیہ ادب میں قرآن مجید اور احادیثِ رسول ﷺ سے ماخوذ اسمائے رسول ﷺ'' بڑا اہم مضمون ہے۔ دونوں مضمون نگار (ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ ...... ناظرہ پروین) اتنی اچھی کاوش پر قابلِ مبارک باد ہیں۔ ایسے مضامین کے مطالعے سے شعراء کو نعتیہ شاعری کرتے ہوئے ''متن'' [TEXT] اور نفسِ مضمون کو استنادی شان دینے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر مجاہد احمد نے ''حضرت عباس بن عبدالمطلب اور نعتیہ شاعری ......مقدمہ'' بڑے اہتمام سے لکھا۔ لیکن حضرت عباس کی ایک نعت کے صرف سات اشعار پیش کرنے کے لیے انھوں نے اپنی تحریر کا عنوان ذرا زیادہ بھاری بھرکم بنا دیا۔ ''نعتیہ شاعری'' اور پھر ''مقدمہ''! لفظ مقدمہ دیکھ کر تو ایسا محسوس ہوا کہ شاید یہ کسی کتاب کا مقدمہ ہے۔ لیکن پوری تحریر میں کسی کتاب کے لیے لکھے جانے کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ معلوم ہوا کہ تحریر ''خود مکتفی'' ہے۔ تحریر بہت جامع ہے، تحقیقی لوازمہ سمیٹے ہوئے ہے اور بلاشبہ لائقِ تحسین ہے پھر بھی اس میں ''عنوان'' کا سا Grandeur ذرا کم ہے۔

پروفیسر جمشید اعظم چشتی نے ''فضل اللہ عمید لویکی (سنامی) کا تعارف ان کے اشعار کی روشنی میں خوب کرایا ہے۔ اسی طرح مرزا محمد رفیع سودا کی نعت کے عنوان سے سودا کی نعت گوئی کا تعارف ڈاکٹر شاہد اشرف نے بھی خوب کروایا ہے۔ ڈاکٹر شہزاد احمد نے ''نعتیہ ادب میں پی ایچ ڈی مقالات کی روایت'' کے عنوان سے مضمون لکھا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ ہر مقالے کے مافیہ سے بھی مختصراً متعارف کروا دیتے۔ ایک بات البتہ میں نے بڑی حیرت و استعجاب کے تاثر کے ساتھ نوٹ کی کہ انھوں نے صرف اپنے دوستوں کو متعارف کروانے کے لیے ان کے عام مضامین کو ایسے مقالات کی فہرست میں جگہ دیدی جن پر مقالہ نگاروں کو ڈاکٹریٹ کی سند نہیں مل سکی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خود پی ایچ ڈی کی سند حاصل کر لینے کے باوجود موصوف کو پی ایچ ڈی کے لیے لکھے جانے والے مقالات کی شرائط اور طریقِ کار کی بالکل آگاہی نہیں۔ حالاں کہ مبتدی بھی جانتا ہے کہ پی ایچ ڈی کی سند کے

لیے پہلے کسی یونیورسٹی میں رجسٹریشن کروایا جاتا ہے، جہاں ایک ''خاکہ'' پیش کر کے اس کی منظوری لی جاتی ہے۔ پھر کسی سینئر اسکالر یعنی پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی نگرانی میں مقالہ تیار کیا جاتا ہے اور اس تصدیق نامے کے ساتھ کہ یہ مقالہ پہلے سے لکھے ہوئے مقالات کی نقل نہیں ہے، کسی جامعہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ پھر زبانی امتحان ہوتا ہے اور سند تفویض کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہزاد نے تین ایسے مقالوں کی نشاندہی کی ہے جن پر ان کے بقول پی ایچ ڈی کی سند عطا نہیں ہو سکی۔ راجا رشید محمود کا مقالہ ''اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ''، عارف منصور کا مقالہ ''دبستانِ کراچی کی نعتیہ شاعری'' اور رشید وارثی کا مقالہ ''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ''۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ڈاکٹر شہزاد احمد نے جس عنوان کا ایک مقالہ راجا رشید محمود سے منسوب کیا ہے اسی عنوان پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر اِفضال احمد انور نے 2007 میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کر لی ہے۔ خود زیرِ تبصرہ تحریر میں اس مقالے کا ذکر موجود ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی یونیورسٹی میں بیکوقت دو حضرات کسی ایک موضوع پر تحقیق کرنے کے لیے رجسٹریشن کروا سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ بصورتِ دیگر یہ ماننا پڑے گا کہ راجا رشید محمود صاحب نے اپنا مقالہ ڈاکٹر افضال احمد انور کو دیدیا اور انھیں سند مل گئی۔ یہ بات مان لی جائے تو ڈاکٹر افضا احمد انور کے کام پر حرف آتا ہے۔ البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ راجا صاحب کو سند تفویض نہ ہو سکی کیوں کہ انھوں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے اور راجا صاحب سے مایوس ہو کر یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے وہی موضوع ڈاکٹر افضا احمد انور کو دیدیا ہو۔ اس منظر نامے میں اگر حقیقت ہے تو اس میں راجا صاحب کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اور اگر یہ قصہ محض افسانوی ہے تو تہمت کا انداز ابھرتا ہے۔ اصل معاملے پر تو راجا رشید محمود صاحب ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر شہزاد احمد نے اپنے مضمون میں یہ لکھ کر ''ناگزیر وجوہات کی بنا پر سند تفویض نہ ہو سکی'' راجا صاحب کے قد کو چھوٹا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے جو بالکل مناسب نہیں۔

عارف منصور کے حوالے سے جو کچھ انھوں نے لکھا اس میں صداقت ہے۔ لیکن ان کے مقالے کا ذکر پی ایچ ڈی کی سند کے لیے کامیاب مقالات کے ساتھ کرنا بہرحال محلِ نظر ہے۔

ڈاکٹر شہزاد نے رشید وارثی کے مضامین کے مجموعے کو ایسی کتب میں شمار کیا ہے جن کو پی ایچ ڈی کی سند نہ مل سکی۔ حالاں کہ رشید وارثی نے اپنی کتاب کے ''مقدمہ'' میں خود لکھ دیا تھا کہ:

''زیرِ نظر کتاب ''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ......شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں'' میرے ان تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کراچی میں 1995 سے اب تک شائع ہوتے رہے ہیں'' (رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ......شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں، ص13)

خود مصنف کی غایتِ تصنیف جاننے کے بعد بھی اس کی تحریر کو ''پی ایچ ڈی کی سند کے لیے مقالہ'' تصور کیا جائے اور علمی موضوعات پر لکھتے ہوئے اس خیال کا برملا اظہار کیا جائے تو اسے سوائے اس کے کیا نام دیا جاسکتا ہے کہ مضمون نگار اپنے دوستوں کے قد بڑھانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

یہ باتیں میں نے اس لیے لکھ دی ہیں کہ کسی بھی لکھاری سے ذمہ دارانہ تحریر کا مطالبہ کرنا ہر قاری کا حق ہے، اور میں ''مدحت'' کا ایک ادنیٰ سا قاری ہوں۔ پھر تحقیق کی دنیا میں ریکارڈ درست رکھنے کے لیے سچائی کا اظہار بھی لازمی ہے۔

الحمدللہ! ایک بات بڑی اچھی ہوئی۔ ڈاکٹر شہزاد احمد کے مضمون کے فوراً بعد راقم الحروف کی تحریر کو جگہ مل گئی جس کے ذریعے پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور کے تحقیقی مقالے ''اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ'' کا تعارف کروایا گیا ہے۔ میری تحریر کی روشنی میں، راجا رشید محمود اور پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور کے موضوع کی یکسانیت کا جو قضیہ ڈاکٹر شہزاد احمد نے چھیڑا تھا اس کو بالکل صحیح تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد احمد نے اپنے مضمون میں راقم الحروف کے مقالے کے ناشر کا ذکر نہیں کیا صرف یہ لکھ دیا : ''اے 12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی''۔ حالاں کہ کتاب کے سرورق اور اندرونی صفحات میں جلی حروف میں ''نعت ریسرچ سینٹر، کراچی'' درج ہے۔

سرور حسین صاحب! نورین طلعت عروبہ کی حمد نگاری' پر آپ نے خوب لکھا ہے۔ حمدیہ شاعری میں ذہنِ انسانی سے ماوریٰ ذات کے لیے جذبہء صادقہ کی فنی نمود ہوتی ہے۔ اس لیے بیشتر شاعری سپاٹ اظہار کی آئینہ دار ہوجاتی ہے۔ لیکن نورین طلعت عروبہ نے قرآن واحادیث نیز تاریخ وسیَر کی تلمیحاتی کرنوں سے اپنے اشعار کو روشن کرلیا ہے۔ مجھے آپ کے مضمون میں مثال کے طور پر نقل کیے ہوئے بہت سے اشعار پسند آئے۔ مثلاً

ابرہہ جیسا کوئی ظالم حد سے گزرے جب ... اپنا کام دکھائے میرا طاقت والا رب

جو ثور میں مکڑی نے ترے حکم سے تانا ... یادوں کے حوالے اسی جالے سے جڑے ہیں

شاعرہ کی دعا بھی خوب ہے:

کر اس میں اضافہ کہ مرا علم ہو ایسا ... کوئی بھی حوالہ ہو میں قرآن سے لکھوں

نسائی شرم وحیا کا اظہار عروبہ کی شاعری کا طرہء امتیاز ہے:

میری زینت مرے مولا نے حیا سے کرکے ... کافروں سے مری پہچان جدا رکھی ہے

بھائی نقشبندی آپ نے اچھی شاعرہ کے اچھے شعری عمل (Poetic work) پر اچھا مضمون لکھا ہے۔

آمنہ محمود کا انگریزی مضمون 'The Chinese Emperor Poem'........... The One-Hundred Word Tribute to Muhammad'

خاصے کی چیز ہے۔ انگریزی اشعار بھی متاثر کن ہیں اور اردو ترجمہ بھی خوب ہے۔ ہونگ وو (Hong Wu) کے اشعار کے پس منظر میں مضمون نگار نے قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی اور اسلامی شاعری کے حوالے دے کر یہ بات ثابت کردی ہے کہ خیر کے جذبات میں دنیا بھر کے انسان فطرت کے قریب ہیں اسی لیے ان کے اظہاریوں میں یکساں رنگ وآہنگ کے نقوش ملتے ہیں۔ حضورِ اکرم کی تعریف کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی فکر وخیال کی پاکیزگی کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ انگریزی مضامین شامل کرنے کا سلسلہ جاری رکھیے۔

پیر نصیرالدین نصیر کی نعت گوئی کے حوالے سے گوشہ بہت خوب ہے۔ حفیظ تائب، نعتیہ شاعری کے لیے خود ہی وقف نہ تھے بلکہ انھوں نے بہت سے شعراء کو اس جانب متوجہ کرکے اچھی نعتیں کہلوائیں۔ نعت گو شعراء کو سراہنے میں بھی وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ پیر نصیرالدین نصیر کی شاعری کے جوہر سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے تائب صاحب کا مضمون ''دیں ہمہ اوست اور نصیرالدین نصیر کی نعت'' لائقِ توجہ ہے۔ ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے اپنے مضمون میں یہ لکھ کر گویا پیر نصیر کی شاعرانہ صلاحیتوں کا مکمل احاطہ کرلیا ہے کہ ''قسّامِ ازل [نے] پیر صاحب کو الفاظ وتراکیب کو اپنے حق میں موم کرنے کی جو آسانیاں عطا کی تھیں، انھوں نے ان سے خوب خوب استفادہ کیا۔ وہ اردو نعت کے موسمِ ربیع کے ایک اہم فرد تھے، وہ تادمِ واپسیں، نصیرِ نعت رہے''۔ بقیہ مضامین بھی یادنگاری کے ضمن میں اچھی نگارشات کے مظہر ہیں۔ پروفیسر فیض رسول فیضان، سید توقیر بخاری، ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ کے ساتھ ساتھ شخصیت کے حسین پہلوؤں پر گفتگو کرنے والے حضرات، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر اسحاق قریشی نے یادنگاری کا حق ادا کردیا۔ ڈاکٹر سید قمر علی زیدی نے اس موضوع کو چھیڑا ہے جو

میرے دل میں پیر نصیر الدین کی عظمت و قدر و منزلت کا منارہء بلند تعمیر کرنے کا سبب بنا۔یعنی پیر صاحب کی کتاب ''نام ونسب''۔ یہ کتاب روایتی فضیلت طلب لوگوں کے لیے واقعی نا قابلِ قبول تھی۔لیکن پیر صاحب کے عزمِ مصمم اور استقلال نے انھیں اپنے موقف سے دستبردار ہونے سے بچائے رکھا۔ زیدی صاحب نے پیر صاحب کے والدِ گرامی کی طرف سے بھی دباؤ آنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ بڑا سبق آموز ہے:

''مجھے میرے والد نے وقتِ تہجد طلب فرمایا اور مجھے اپنے موقف سے شفقتِ پدری کا حوالہ دیتے ہوئے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ میں ادب و حیرت کا امتزاج بنا اپنے والد کو دیکھتا رہا، معاً میرے تصور میں حضور رسالت پناہ ﷺ کا سبز گنبد ابھرا اور کائناتِ خیال میں ہم کلامی کا سلسلہ شروع ہوا تو میرے ضمیر نے معاونت کی اور میرے ذہن ولب ''لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین'' کے الفاظ کی زد میں تھے اور آنکھوں سے غیرت ومحبت کے غماز آنسو بہتے ہوئے میرے والد سے مودبانہ انکار کر رہے تھے''۔

زیدی صاحب نے یہ واقعہ لکھ کر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ کی حبِ رسول ﷺ کی کیفیات اور حق پر قائم رہنے کے عزم کی تصویر کشی کر دی ہے۔اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے! اسی گوشے میں جسٹس (ر) نذیر احمد غازی اور ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری کے تاثراتی مضامین بھی ہیں اور واقعتاً لائقِ تحسین۔

بھائی سرور حسین! آپ نے اس three in one شمارے میں بہت کچھ جمع کر دیا ہے۔ منظومات کا ذکر کروں تو میرا یہ خط چھوٹے موٹے کتابچے کی صورت اختیار کر لے گا۔

والسلام..................ڈاکٹر عزیز احسن

جمعہ: ۲۰ر ذی الحج ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۳ر ستمبر ۲۰۱۶ء

نعتیہ صحافت اور ''نعت نیوز''

(عصری صحافتی معیارات کی روشنی میں)

میں لفظ نعت کے حروف میں ''ن'' کو نقش، ''ع'' کو عکس اور ''ت'' کو تام سے تعبیر کرتا ہوں۔یعنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے جو ''نقش'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کا سب سے پہلے تخلیق فرمایا تھا اس نقش کا عکس لفظوں میں اتارتے ہوئے اسے ''تام'' یعنی مکمل بنانے کی شاعرانہ کوشش ہی ''نعت'' ہے۔نیوز کا انگریزی لفظ نارتھ، مشرق، مغرب اور جنوب کی تمام سمتوں سے ملنے والی اطلاعات کی نشاندہی کرتا ہے۔نعت سے نیوز کے لفظ کا انسلاک بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضورِ اکرم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا اسمِ گرامی کائنات کی ہر سمت میں جلوہ پیدا کر رہا ہے۔اور ایسا کیوں نہ ہو؟...... کہ حضور نبیء کریم ہی کی ذات تو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔

پاکستان، عاشقانِ رسول ﷺ کی سرزمین ہے۔اس ملک کی تخلیق ہی مذہبی بنیادوں پر ہوئی اور ایک ہی نعرہ اس کے وجود کی ضمانت بن گیا۔لا الہٰ الا اللہ......اور اس نعرے کی تکمیل ''محمد رسول اللہ'' کے نام نامی سے ہوتی تھی اس لیے یہی کلمہ کائنات کی روح بھی ٹھہرا اور پاکستان کے وجود کی نشانی بھی..........لیکن پاکستان میں پہلے پہل شعر و ادب کی دنیا میں ایسے لوگوں کا غلبہ رہا جو اپنے لکھے ہوئے لفظ کو مذہبی رنگ دینے سے گریزاں تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ ''ترقی پسند'' نہیں بلکہ ''رجعت پسند'' کہلائیں گے......انہیں اپنے جہل پر علم کا گمان تھا۔حمایت علی شاعر کے بقول

ع......اک عمر سے ہے جہل پہ اپنے گمانِ علم

بہر حال اب کچھ عرصے سے یہ فضا بدل گئی ہے اور الحمدللہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ گیا ہے، تو نعت کا غلغلہ چہار دانگِ عالم میں اس طرح پھیلا ہے کہ زمانہ حیران ہے۔الحمدللہ یہ کام پاکستان ہی میں ہونا تھا، سو ہوا اور ہو رہا ہے۔اللہ کا فیصلہ جب دنیا میں مشہود ہوا یعنی ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' تو دنیا بھر میں نعت کا چرچا ہوا اور پاکستان ہی کو اس میدان میں رہنمائی کا منصب ملا۔اب دنیا میں نعتیہ شاعری بھی زیادہ ہونے لگی۔نعتیہ محافل بھی سجنے لگیں۔نعتیہ محافل کی وڈیو سی ڈیز بھی تیار ہونے لگیں۔نعت خوانوں کا حلقہ بھی وسیع ہوا اور نعت خوانوں کی انفرادی وڈیو سی ڈیز بھی منظرِ عام پر آنے

لگیں۔ فطری بات ہے کہ جب کوئی کام پھیلتا ہے اور اس کے ذریعے شہرت، دولت، عزت اور وجاہت میں اضافے کے مواقع بھی عام اور سہل ہونے لگتے ہیں۔ تو پر خلوص طبقے کے علاوہ ابن الوقت اور دنیاوی اغراض کے بندے بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگتے ہیں۔ بعض صورتوں میں محض سادہ لوحی کے باعث بھی کچھ افراط وتفریط کی صورتیں سامنے آنے لگتی ہیں۔ چناں چہ نعت گوئی میں اور پھر نعت خوانی میں اور نعتیہ محافل کے انعقاد میں اور سی ڈیز کی تیاری میں دنیاداری کا عنصر بھی بدرجۂ اتم داخل ہونے لگا۔ ایسی صورت میں اللہ رب العزت نے نعت گوئی کی حدود اور اس کا تقدس (Sanctity) برقرار رکھنے کے لیے کچھ لوگوں کو نعت کی تنقید کا کام سونپ دیا جس کے مظاہر پہلے پہل ''نعت رنگ'' کے کتابی سلسلے میں دیکھے جانے لگے۔ بعد ازاں اس روش کو دوسرے کتابی سلسلوں میں بھی بار ملا۔ ''نعت نیوز'' نے بھی یہ فرضِ کفایہ ادا کرنے میں تنقیدِ نعت اور تنقیدِ نعت خوانی کا بیڑا اٹھایا اور یقیناً قابلِ قدر مضامین شائع کیے۔

''نعت نیوز'' کے مافیہ (content) کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس کے مدیر کے پیشِ نظر نعت ایک پوری کائنات ہے جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ان پھولوں کی ہر زاویے سے تصویر کشی کرنا محمد زکریا شیخ اشرفی کی ذمہ داری ہے اور الحمدللہ یہ خود اختیاری ذمہ داری محمد زکریا شیخ اشرفی نے اور ان کی پوری ٹیم نے خوب خوب نباہی ہے۔ ان لوگوں نے ''نعت نیوز'' کو آئینۂ جہاں نما بنادیا ہے۔ اس میں نعت کے کثیر الجہات زاویوں اور سرگرمیوں کی عکاسی کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ بعض معاملات پر گفتگو کا دروازہ وا کیا گیا ہے۔ اختلافی معاملات بھی چھیڑے گئے ہیں۔ خلوص پر مبنی مشورے بھی دیئے گئے ہیں۔ گو کتابی سلسلے کا مزاج ''ڈائجسٹ'' کے مزاج سے ہم آہنگ ہے لیکن بیشتر مضامین کا مزاج علمی ہے۔ ایسے علمی مضامین ''نعت رنگ'' کی آمد سے قبل بہت کم لکھے گئے تھے۔ ''نعت نیوز'' میں نعتیہ محافل، میلاد شریف کے جلسوں اور آڈیو، وڈیو سی ڈیز کے منظر نامے کے علاوہ ایسے علمی مضامین کی کمی نہیں جن سے عشاقانِ نعت کو علمی مواد ملے گا اور فکری تغذیہ (food for thought) بھی میسر ہوگا۔ نعت نیوز کے مضامین کی اہمیت ہی کے پیشِ نظر ایک قدم آگے بڑھ کر ان چار شماروں کا اشاریہ تیار کروالیا گیا ہے جو ''نعت نیوز'' کے سہ ماہی رسالے کی صورت میں منظرِ عام پر آنے سے قبل اشاعت پذیر ہو چکے تھے۔ اشاریہ سازی کا تحقیقی دنیا میں بڑا نام اور کام ہے۔ محققین کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ان کے موضوع سے متعلق لوازمہ (matter) کی فراہمی اور

ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر

اس کی دستیابی کا ہوتا ہے۔ اشاریہ نویس یہ اکتا جانے والا، غیر دلچسپ کام کر کے محققین کو بڑی جدوجہد اور تگ ودو سے بچا لیتے ہیں۔ کتابوں میں بھی اشاریہ اسی لیے دیا جاتا ہے کہ کتاب خواں کوئی خاص نکتہ دیکھنے کے لیے پوری کتاب کی ورق گردانی سے بچ جائے۔ وہ کم وقت میں یہ جان سکے کہ اس کے موضوع سے متعلق، اس کتاب میں جس کی خواندگی میں وہ مصروف ہے، کوئی نکتہ مل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اشاریہ اسے کوئی حوالہ دیتا ہے تو وہ صرف متعلقہ حصہ دیکھ کر اپنے مفید مطلب کوئی نکتہ اخذ کر لیتا ہے ورنہ پوری کتاب کی خواندگی کے وقت طلب اور دقت طلب مرحلے میں داخل ہونے سے قبل ہی وہ اس کتاب کو واپس شیلف میں رکھ دیتا ہے۔ یوں محقق اپنے موضوع سے ہم رشتہ مواد کی فراہمی میں آسانی محسوس کرتا اور اشاریہ نگار کو دل سے دعائیں دیتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے تو بیشتر کتابیں تو اپنے نام ہی سے موضوع کی طرف اشارہ کر دیتی ہیں، لیکن رسائل، مجلّے اور ڈائجسٹ وغیرہ میں شائع ہونے والے مضامین کی اشاریہ سازی اس لیے ضروری اور اہم ہو جاتی ہے کہ ان کے موضوعات متعین نہیں ہوتے ہیں اور ان میں چھپنے والا بیشتر لوازمہ محققین کی نظر میں براہِ راست نہیں آپاتا۔ البتہ اگر اشاریہ مل جائے تو کوئی بھی محقق متعلقہ رسالہ، مجلّہ اور ڈائجسٹ دیکھ کر اپنا مفیدِ مطلب لوازمہ حاصل کر سکتا ہے۔ میں اس موقع پر اپنے دل کا چور بھی ظاہر کر دوں۔ دراصل ابتداء میں، میں نے نعت نیوز کو محض ایک خبر رساں، اخبار کی طرح کا پرچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن حسن بہرحال اپنی جانب متوجہ کر ہی لیتا ہے۔ پہلے تو اس کتابی سلسلے کا حسنِ صوری ہی جاذبِ توجہ بنا۔ پھر اس کے مضامین کی فہرست دیکھی تو آنکھیں روشن ہوگئیں۔ کیسے کیسے مضامین اور کیسی کیسی قیمتی آراء اس کتابی سلسلے کی زینت بنی ہیں۔ نعت گوئی کے حوالے سے صائب مشوروں پر مبنی مضامین بھی ان شماروں میں لکھے گئے ہیں اور نعتیہ محافل کو خلوص کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے بہتر اور مبنی بر اخلاص تجاویز بھی دی گئی ہیں۔ پبلسٹی کے لحاظ سے بھی نعت نیوز کسی بھی اچھے سے اچھے پبلسٹی آرگن سے پیچھے نہیں ہے۔ کتابت، طباعت اور تصاویر کی اشاعت کے حوالے سے بھی نعت کی دنیا میں اس کتابی سلسلے کا ایک مقام ہے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ یہ کتابی سلسلہ صرف نعت کے حوالے سے خبریں دینے کا ہی پابند نہیں رہا بلکہ حمدیہ ونعتیہ شاعری کے اچھے نمونے بھی پیش کرتا رہا ہے۔ اشاریہ نگار نے جن چار شماروں کا اشاریہ مرتب کیا ہے اس میں اپریل ۲۰۰۶ء، اگست ۲۰۰۶ء، نومبر ۲۰۰۸ء اور فروری/مارچ

۲۰۰۹ء کے شمارے منتخب کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں یہ کتابی سلسلہ ایک باقاعدہ سہ ماہی رسالے کی صورت میں منظرِ عام پر آنے لگا اس لیے اس سہ ماہی رسالے کا اشاریہ بعد میں کبھی مرتب کیا جائے گا۔

طارق بن آزاد نے اس اشاریئے کو اس نہج پر مرتب کیا ہے کہ اس اشاریئے کے ذریعے کتابی سلسلے کے علمی ذخائر سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھنے والے محققین کو ایک نظر میں اپنے مطلوبہ لوازمے تک رسائی کا اشارہ مل جائے۔ اگر کسی کو مضمون کا عنوان معلوم ہے تو وہ مضمون کے عنوان کے لحاظ سے دی گئی معلومات کی روشنی میں استفادہ کرسکتا ہے۔ مضمون نگار کا نام معلوم ہے تو اس کے سامنے اس مضمون نگار کی جملہ تحریروں کا احوال موجود ہے جس میں سے وہ اپنا مطلوبہ اور پسندیدہ مضمون بآسانی تلاش کرسکتا ہے۔ اشاریہ نگار نے یہ بھی کمال کیا ہے کہ منظومات کا اشاریہ بھی دے دیا ہے، تصاویر کا بھی اور سی ڈیز کا بھی ناموں کے ساتھ اندراج کر دیا ہے۔

منظومات کا اشاریہ شعراء کے ناموں کے ساتھ ہے۔ منثورات یعنی مقالات و مضامین کا اندراج بلحاظِ مصنفین بھی ہے اور بلحاظِ موضوعات بھی یعنی مضامین کے عنوانات کے تحت بھی ہے۔ کتابوں کا تعارف بھی اس کتابی سلسلے میں بڑے علمی وقار اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ کروایا گیا تھا، چناں چہ ایسے تبصروں کا اشاریہ بھی بلحاظ کتب اور بلحاظِ مصنفین و مرتبینِ کتب بھی دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک جہت تبصرہ نگاروں کی بھی ہے۔ تبصرہ نگاروں کے نام سے بھی ایک اشاریہ دیدیا گیا ہے تاکہ اگر کسی کو تبصرہ نگار ہی کا نام معلوم ہو اور کچھ بھی یاد نہ ہو تو وہ اپنی اسی معلومات کے ذریعے اصل مواد تک رسائی حاصل کر لے۔ مراسلات کو شخصیات کے ناموں کے بجائے ان مقامات کے حروف ہجا کے تحت رکھا گیا ہے جن مقامات سے وہ مراسلے موصول ہوتے رہے۔ اس طرح مراسلوں کی خواندگی کے شوقین حضرات شہروں یا مقامات کے ناموں سے اپنے مطلوبہ مراسلے تک پہنچ سکتے ہیں۔ مصاحبوں (انٹرویوز) کے سلسلے میں بھی یہ التزام برتا ہے کہ باعتبارِ شخصیات بھی اندراجات کیے ہیں اور باعتبارِ شعبہ جات بھی۔ تعارف کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تعارف باعتبارِ شخصیات، تعارف باعتبارِ شعبہ اور تعارف باعتبارِ قلم کار۔ اسی طرح طارق بن آزاد نے گفتگو کے زیرِ عنوان شائع ہونے والی تحریروں کو بھی تین حصوں میں تقسیم کر کے سہ ابعادی معلومات فراہم کی ہے۔ یعنی گفتگو باعتبار شخصیت، گفتگو باعتبار موضوع اور گفتگو باعتبار مکالمہ نگار۔ جو تحریریں کسی ایک عنوان کے تحت رقم

نہیں ہوئی تھیں انہیں متفرقات کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔ پھر کارکردگی و جائزہ کو بھی تنظیم اور قلم کار کے ذکر سے الگ الگ سرخیوں کے تحت رکھا گیا ہے۔ رحلت کے لیے بھی دو عنوانات دیئے گئے ہیں ایک باعتبار شخصیت، دوسرے باعتبار قلم کار۔ انگریزی کی تحریریں بھی حروف ہجا کے تحت اشاریے کا حصہ بنی ہیں۔ سی ڈیز کو باعتبارِ البم اور باعتبار پرفارمر، اشاریے کی زینت بنایا گیا ہے۔ نعت نیوز میں شائع ہونے والی رپورٹس کو شادی خانہ آبادی، سانحہءِ ارتحال، محافل، مشاعرہ، مقابلہ جات، شخصی اور دیگر کے عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے اور قلمی تعاون کرنے والے قلم کاروں کا حروفِ ہجا کی ترتیب سے اشاریئے میں ذکر موجود ہے۔ آخر میں گوشہءِ تصاویر کی بھی اسی ترتیب سے کھتونی عمل میں لائی گئی ہے۔

اشاریہ نویسی ایک مکمل فن ہے جسے سائنٹیفک بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ حال ہی میں محمد سہیل شفیق نے ''نعت رنگ'' کا اشاریہ مرتب کیا تھا جس میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے مقدمہ لکھ کر اشاریہ سازی کی تاریخ پر روشنی ڈالی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہفت روزہ ''الہلال'' کلکتہ کے اشاریئے کو ہندو پاک میں کسی جریدے کا پہلا اشاریہ قرار دیا تھا۔ خود ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری متعدد اخباروں اور رسائل کے اشاریے مرتب کر چکے ہیں۔ پروفیسر سفیر اختر حیدر آباد سندھ سے نکلنے والے جریدے ''الرحیم'' اور لاہور سے شائع ہونے والے ''رحیق'' کے اشاریے مرتب کرنے کے علمی کارنامے انجام دے چکے ہیں۔

اب طارق بن آزاد نے یہ خشک، محنت طلب اور غیر دلچسپ علمی خدمت انجام دی ہے جس سے مستقبل کے محققین استفادہ کریں گے اور یہ کام طارق بن آزاد کی علمی خدمات کا جاوداں صدقۂ جاریہ ہوگا۔

میں نے نعتیہ شاعری کی تدوین اور تخلیق و تحقیق میں بہت تاخیر سے حصہ لیا۔ یعنی میں نے اپنی عمر کے تقریباً چونتیس سال گزرنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں ''جواہر النعت'' مرتب کی تھی اور الحمدللہ اس کا ''مقدمہ'' لکھنا میرے لیے نعتیہ ادب سے مسلسل انسلاک کا سبب بن گیا۔ لیکن جب میں نے نعتیہ ادب کی تخلیق، تحقیق، ترویج و اشاعت اور نعت خوانی کے فروغ کے لیے کوشاں نوجوانوں کو دیکھا تو میرا دل باغ باغ ہوگیا اور مجھے علامہ اقبال کا یہ مصرعہ یاد آ گیا

ع جوانوں کو پیروں کا استاد کر

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ کراچی میں جو نوجوان نعت کے حوالے سے بڑا نمایاں کام کر رہے ہیں انہوں نے بڑی کم عمری میں اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ رئیس احمد، سید صبیح الدین صبیح رحمانی، ابرار حسین، غوث میاں، طارق بن آزاد، نعت نیوز کے مدیر محمد زکریا شیخ اشرفی، صاحبزادہ تسلیم صابری وغیرہ ہم سے میں اسی لیے متاثر ہوں کہ جو کام میں نے بڑی عمر میں شروع کیا تھا اس کی طرف یہ حضرات بہت کم عمری میں مائل ہوئے اور خاصی حد تک کارہائے نمایاں انجام دینے کی سعادت پانے میں کامیاب ہوگئے......ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

''نعت نیوز'' کا کام اور اس کے جمالِ صوری و معنوی کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس کتابی سلسلے نے جو بعد میں سہ ماہی رسالہ بن گیا، ایک انفرادی شان سے جلوہ گر ہو کر آسمان صحافت پر نعتیہ ادب، نعتیہ محافل، نعتیہ آڈیو وڈیو سی ڈیز اور نعت سے منسلک شخصیات کے احوال کے اندراج سے نعتیہ صحافت میں ایک نئی اور انتہائی جدید روش قائم کر دی ہے۔

میرے سامنے ماضی میں دنیائے صحافت میں نمودار ہونے والے بہت سارے رسائل موجود ہیں......تاہم ''نعت نیوز'' ان سب میں منفرد ہے۔ اس انفرادیت کے نقوش ''نعت نیوز'' کے سائز سے لے کر اس کے مضامین کے تنوع اور معلومات کے دائرے کی وسعت تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کتابی سلسلوں، رسائل، یا مجلوں کا تذکرہ ہوا ان میں بیشتر علمی مواد اور نعت کے ارتقاء کی تاریخی معلومات پر مشتمل تھے۔ نعت رنگ بھی نعت کی تنقید اور تحقیق سے متعلق کتابی سلسلہ ہے.....لیکن ''نعت نیوز'' جدید صحافتی شان کے ساتھ ''ڈائجسٹ'' کی طرح موضوعات، معلومات اور مقاصد کے دھنک رنگ پہلو لیے ہوئے ہے، جس کا اشارہ ہم اس کتابی سلسلے کے اشاریے کے حوالے سے کر چکے ہیں۔

دراصل ہر تخلیق اپنے تخلیق کار کی طبیعت کا آئینہ ہوا کرتی ہے۔ ''نعت نیوز'' بھی اپنے مدیر محمد زکریا شیخ الاشرفی، کی فکری، ادبی، علمی، صحافتی اور میڈیا سے منسلک رہ کر حاصل ہونے والی عصری صحافتی دانش کا آئینہ ہے۔ محمد زکریا شیخ الاشرفی، ایک نعت خواں بھی ہیں، Qtv. میں اور دیگر t.v. چینلز پر نعت سے متعلق بہت سے معلوماتی پروگرام بھی پیش کر چکے ہیں اور تا حال اسی قسم کی سرگرمیوں میں منہمک ہیں۔ ماشاء اللہ نعتیہ منظر نامے پر بھی نظر رکھتے ہیں اور عصری صحافتی ضرورتوں کی جان کاری بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی multi-facet شخصیت کے اظہار کا وسیلہ ''نعت نیوز'' کو بنا

دیا ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ انہیں دنیائے نعت کے روشن ستارے ''سید صبیح الدین صبیح رحمانی'' کی سرپرستی حاصل ہے اور ان کا کتابی سلسلہ شیخ اعظم الحاج سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی، سجادہ نشین آستانہء عالیہ اشرفیہ حسینیہ، سرکار کلاں، کچھوچھہ شریف، انڈیا، کے ''فیضانِ نظر'' کا رہین منت ہے۔ میں اپنے معروضات کو علمی گواہی فراہم کرنے کی غرض سے پروفیسر محمد اکرم رضا کی ایک تحریر سے اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

''نعت نیوز، باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن کے جملہ لوازم سے آراستہ ہے ۔خوب صورت ٹائٹل، آفسٹ کاغذ، متعدد رنگین صفحات۔ یہ رسالہ صحیح معنوں میں اسم با مسمیٰ ہے۔ نعت کے حوالے سے چند مضامین اور پھر نعت نگاروں اور نعت خوانوں کا تذکرہ، شخصیاتی مضامین، انٹرویوز، نعت سیمینار روداد، وہ خوش بخت لوگ جو فروغ نعت، ترویج ثنائے مصطفےٰ ﷺ کے لیے مصروفِ عمل ہیں ان کی داستان ہائے شوق۔ غرضے کہ نعت کے فروغ کے حوالے سے نعتیہ صحافت جو کردار ادا کر سکتی ہے 'نعت نیوز' میں اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے''۔ (ص۲۵۲ نعت رنگ ۱۹)۔

نعت نیوز کے صفحات پلٹتے ہوئے یہ احساس شدت اختیار کر رہا ہے کہ میں کچھ تحریروں سے بھی اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ یہ وہ تحریریں ہیں جو پہلے کہیں اور شائع ہوئی تھیں اور جب مدیرِ نعت نیوز کی نگاہِ انتخاب ان پر پڑی تو وہ اس کتابی سلسلے کی زینت بن گئیں۔ ان تحریروں کے اقتباس سے وہ خوشبو ضرور محسوس کی جا سکے گی جو مدیرِ نعت نیوز کے تنقیدی شعور، بیدار مغزی اور اصلاح پسند طبیعت کے پر اخلاص پھولوں سے پھیل رہی ہے۔ علامہ شہزاد مجددی ایک نوجوان عالم دین، نعت گو شاعر اور دینی اور تخلیقی ادب کے سنجیدہ قاری ہیں۔ انہوں نے ایک مضمون بعنوان ''محفل نعت میں حاضری کے آداب'' لکھا جو لاہور کے ماہنامہ ''سوئے حجاز'' میں شائع ہوا تھا۔ محمد زکریا شیخ الاشرفی کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے جھٹ اسے اپنے کتابی سلسلے کے اولین شمارے کے لیے چن لیا۔ یہ شمارہ اپریل ۲۰۰۶ء میں منصہء شہود پر آیا تھا۔ علامہ مجددی نے نعت کی محافل میں خلوص اور نظم کی کچھ کمی پائی تو منتظمین، حاضرین اور سامعینِ محافلِ نعت کو کچھ نصیحتیں کیں۔ ویسے تو ان کا پورا مضمون ہی قابل مطالعہ ہے لیکن یہ نکات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس لیے میں وہ تمام نکات یہاں نقل کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

''برائے منتظمین: (۱) نام وری اور مقابلے کی خواہش نہ ہو۔ (۲) دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو (۳) دورانِ انتظام خود کو درود وسلام میں مشغول رکھیں (۴) محفل کے انعقاد کا ارادہ کرتے ہی اس کی قبولیت کے لیے دو رکعت نماز پڑھیں۔ اور بعد میں شکرانے کے نوافل ادا کریں (۵) محفل کے انعقاد کا قصد کرتے وقت منت مانیں کہ اس کے بحسن وخوبی انعقاد پر کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں گے (۶) انتظامات میں کسی متبع سنت اور متقی عالم کو رہنما بنائیں (۷) محفل میں پڑھی جانے والی نعتوں کی نقول پہلے سے لے کر کسی شعر فہم عالم کو دکھائیں (۸) اور کسی پیشگی منظوری کے بغیر کوئی کلام نہ پڑھنے دیں (۹) پیشہ ور نعت خوانوں کو مدعو نہ کریں (۱۰) اور ایسے نعت خوان جو خود حضور ﷺ کی نافرمانی کا چلتا پھرتا اشتہار ہیں انہیں محفل میں دعوت دینا، رسول اللہ ﷺ کو غضبناک کرنے کے مترادف ہے (۱۱) دنیاداروں کو ہرگز مہمان خصوصی نہ بنائیں (۱۲) خواتین کو شرکت کی دعوت نہ دیں کیوں کہ تمام فقہا کے نزدیک مردوں کا لحن عورتوں کے کان میں پڑنا گناہ ہے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم کسی عورت کو بے پردہ مجلس میں نہ آنے دیں...... برائے حاضرین، سامعین: ا۔ سب سے پہلے اپنے دلوں میں یہ یقین پیدا کریں کہ ہم ایک عظیم دینی سعادت حاصل کرنے آئے ہیں۔ کوئی بھی دینی سعادت ادب اور ہیبت کو غالب رکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے محفل میں شرکت کی خاطر گھر سے نکلتے ہی خود کو صلوٰۃ وسلام میں مشغول کردیں اور باوضو رہنے کا اہتمام کریں یہ بات ہر حال میں مدنظر رکھیں کہ ہم رب ذوالجلال کے حبیب اعظم ﷺ کی ثناء میں شریک ہونے آئے ہیں۔ اللہ رب العلمین ہمیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے حقوق پہچان کر ان کی ادئیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین''۔

ایسے ایسے نہ جانے کتنے جواہر پارے ان چار شماروں میں موجود ہیں جن کا اشاریہ تیار کروایا گیا ہے۔ سہ ماہی رسالے کی صورت میں آنے والے شمارے بھی کم وقیع نہیں ہیں۔ ان چند اقتباسات سے اس مجلّے کا علمی وقار، تحقیقی مزاج اور عصرِ حاضر میں صحافت کی ستھری روایت ڈالنے والا رجحان مترشح ہے۔ نعتیہ محافل کی کثرت، نعت گو شعراء کی بسیار نویسی، نعتیہ صحافت کی ترویج کی مسلسل نمود، اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تمام سرگرمیوں میں خلوص کا عنصر داخل کرنے کی سعی بلیغ بھی ساتھ ساتھ ہی کی جاتی رہے۔ ورنہ ہماری نعت گوئی بھی نام وری اور فی زمانہ حکومتی سطح کے انعامات کے حصول کے خیال سے زیادہ چمک رہی ہے اور نعتیہ محافل بھی بیشتر دنیاداری کا عنصر لیے

ہوئے ہوتی ہیں۔ بعض پیشہ ور نعت خوانوں کے بارے میں تو سنا گیا ہے کہ وہ بھاری رقمیں طلب کرتے ہیں اور بڑے نخروں سے محافل میں ''پرفارمنس'' کے لیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی پرفارمنس سے خلوص کے بجائے ''نوٹ خوانی'' کا جذبہ ٹپکتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں علامہ شہزاد مجددی کی تجاویز بعض لوگوں کو گراں تو گزریں گی لیکن ان کی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کرنے اور ان پر واقعتاً دل سے کاربند ہوجانے سے معاشرے میں سدھار کی راہیں بھی ہموار ہوسکتی ہیں اور پوری قوم اللہ کے غضب سے بھی بچ سکتی ہے۔

میں ذاتی طور پر فوٹوگرافی کو نمود ونمائش کا ذریعہ جانتا ہوں۔ تاہم یہ عصری صحافت کا جزوِ لاینفک ہے اس لیے اس سے بچنا محال ہوتا ہے۔ صحافتی ضرورت کے تحت جب فوٹوگرافی کو قبول کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو فوٹوگرافی کے معیار کا خیال بھی آتا ہے اور پھر مجلوں، رسائل اور اخبارات میں شائع ہونے والی تصاویر سے موازنہ اور مقابلہ بھی ناگزیر ہوجاتا ہے۔ نعت نیوز نے اس ذیل میں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے۔ اس میں چھپنے والی تصاویر معیار کے لحاظ سے کسی بھی اچھے رسالے میں چھپنے والی تصاویر سے کم نہیں ہیں۔ نعت کی دنیا میں یہ معیار برقرار رکھنے والا غالباً یہ واحد رسالہ ہے۔ نعت ایک کائنات ہے۔ اس کائنات میں داخل ہونے والا ہر سیارہ اپنی اپنی چمک دکھلا کر جلد یا بدیر نگاہوں سے اوجھل ہوجائے گا...... لیکن اس کے وجود سے حبِ رسالت مآب ﷺ کی جو روشنی پھوٹ رہی ہوگی وہ قیامت کے بعد بھی قائم رہے گی۔ جنتیوں کی خواہش کے مطابق عطا فرمانے کا وعدہ اس طرح بھی پورا کیا جاسکتا ہے کہ نعت کہنے والے، نعت سننے والے نعت کی محافل سجانے والے اور نعت کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں پرخلوص کوششیں کرنے والوں کا ہجوم ہو اور اس ہجوم میں جبریل علیہ السلام، اللہ کے حکم سے، اشارہ کریں اور عین اسی طرح کہیں جیسی کہ خواہش کی گئی تھی ......یعنی

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ

تو محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کی سماعت کرنے والوں میں ہم ایسے ادنیٰ نعت کے خدمت گزار بھی شامل ہوں۔ اس بزم تک رسائی میں آج کے نوجوان نعت کے خدمت گزار ہماری رہنمائی بھی کرسکتے ہیں۔ اللہ اخلاص عمل کی توفیق بخشتا رہے (آمین)!

منگل ۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷ رستمبر ۲۰۱۱ء

مصاحبہ......شاکرالقادری کے ساتھ

سوال: آپ کا نام، پیدائش، تعلیم، پیشہ اور خاندانی پس منظر

جواب: نام: عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان (یوسف زئی)۔

پیدائش: جے پور، راجستھان (بھارت) 31 /اگست 1947 ء۔ پاکستان کی طرف والدین کی ہجرت مئی 1948 ء۔ خاندانی پیشہ جواہرات (اصلی پتھروں کا کاروبار)۔ میری ساتوی پشت کے دادا گھمنڈ خان مردان یا صوابی سے ہندوستان کے علاقے چَو رِیہ (راجستھان) گئے جہاں انھیں زمینیں دی گئی تھیں۔ میرے دادا امیر خان اپنے علاقے کو چھوڑ کر جے پور آ گئے اور یہیں پر انھوں نے معروف یوسف زئی، جوہری خاندان میں شادی کر لی۔ جے پور آ کر امیر خان صاحب نے پولیس میں نوکری کر لی اور 1938 ء میں جے پور کی ایک جامع مسجد کے دروازے کو کشادہ کرنے کی مہم میں ہندوؤں سے مسلمانوں کا جھگڑا ہوا۔ حکومت کی طرف سے گولی چلی۔ میرے دادا نے اس دن چھٹی کی اور روزہ رکھ کر جمعہ کی نماز ادا کرنے گئے۔ مسلمانوں پر گولی چلنے پر انھوں نے اپنی لاٹھی سے قریب کھڑے ہوئے سپاہیوں کو نشانہ بنایا تو ہندو سپاہیوں نے ان پر گولی چلا دی اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ پاکستان آ کر میرے والد نے کراچی میں سکونت اختیار کی اور چھوٹے موٹے کاروبار کر کے گزر بسر کرتے رہے۔ میرا بچپن لالوکھیت (لیاقت آباد) میں گزرا پھر ہم لوگ وہاں سے ناظم آباد چلے گئے۔ آج کل میری رہائش گلستانِ جوہر، کراچی میں ہے۔

سوال2: ادبی سفر کا آغاز کب اور کیسے کیا؟

جواب: میرے گھر میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ البتہ خاص خاص مواقع پر گھر کے اندر میلاد شریف کی محافل منعقد کی جاتی تھیں جن میں سب گھر والے مل کر کچھ نعتیں پڑھ لیتے تھے۔ تھوڑی بہت نثر بھی پڑھ لی جاتی تھی جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی تھیں۔ میرے چچا عبدالوحید خان مرحوم، نثر پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ میرے بڑے ماموں جان عبدالحفیظ جے پوری، اکثر اسلامی کتب پڑھتے تھے اور شاہنامہء اسلام کی غالبًا چاروں جلدیں ان کے پاس تھیں۔ ایک جلد (دوم) میری خالہ رابعہ خاتون کے پاس تھی۔ میں شاہنامہء اسلام ترنم سے پڑھتا تھا۔ آٹھویں جماعت تک آتے آتے (1964) میں تُک بندی کرنے

لگا تھا۔ ایک دو نعتیہ اشعار بھی کہہ لیے تھے۔

سوال3: آپ کے اساتذہ میں کون کونسی شخصیات شامل ہیں

جواب: میں نے جب تک بندی کی ابتداء کی تو میرے بڑے ماموں جان عبدالحفیظ جے پوری کو استاد بنایا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ جو کچھ بھی از قبیلِ شعر ذہن کے پردے پر ابھرے، اسے لکھ لیا کرو۔ آٹھویں، نویں اور میٹرک کی کلاسوں میں مختلف اساتذہ نے اردو پڑھائی۔ ان میں کوکب شادانی اور محمد احمد نقوی نے مجھے خصوصی توجہ سے نوازا۔ اس طرح میرا شعری ذوق پڑھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے اپنے ایک ہم جماعت امیر حسن کے والد جنابِ حسن احسانی مراد آبادی (تلمیذ احسان دانشؔ) کی خدمت میں حاضری کا شرف ملا اور پھر کئی برس تک ان سے اصلاح لیتا رہا۔ ان کے ہاں اکثر حضرت احسان دانش آتے رہتے تھے۔ چناں چہ ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ سٹی کالج ناظم آباد، کراچی، میں کامرس میں داخلہ لیا تو فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر میں اردو پڑھائی گئی۔ اساتذہ میں پروفیسر شمیم، پروفیسر انور خلیل اور پروفیسر وسیم فاضلی صاحب، وقتاً فوقتاً کلاس لیتے رہے۔ وسیم فاضلی صاحب نے اردو کیا پڑھائی میرے دل و دماغ پر چھا گئے۔ وہ مجھ سے اتنی شفقت فرماتے تھے کہ کلاس سے باہر بھی اکثر مجھ سے ادبی موضوعات پر گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ ان کی گفتگو کا انداز اس قدر پُرکشش ہوتا تھا کہ ان کا کہا ہوا لفظ لفظ ذہن پر ثبت ہو جاتا تھا۔ بی کام (پارٹ ون) میں اگرچہ فاضلی صاحب ہمیں نہیں پڑھاتے تھے، لیکن میں کلیہءفنون میں ان سے ملنے چلا جاتا تھا۔ ان کے ہی مشورے سے میں نے شعبہءتجارت میں بزمِ ادب کا ڈول ڈالا اور اس سال مجھے بزمِ ادب کا صدر بنا دیا گیا۔ فاضلی صاحب کی سرپرستی میں وہاں ایک مجلّہ ''شعور'' بھی نکالا جس کا مدیر بھی میں تھا اس مجلّے میں سٹی کالج پر میری طویل نظم شامل تھی۔ اس نظم کی مکمل اصلاح فاضلی صاحب نے ہی فرمائی تھی۔ بزمِ ادب کامرس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو اس میں ''ادب اور شعور'' کے عنوان سے ایک مذاکرہ رکھا گیا جس پر گفتگو کے لیے پروفیسر مجنوں گورکھپوری اور رئیس امروہوی کو دعوت دی گئی تھی۔ اس طرح ان بزرگوں سے بھی نیاز مندی کی سعادت حاصل ہو گئی۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا جس میں ماہر القادری مرحوم بھی شریک تھے۔ چناں چہ بعد میں متعدد بار ان کے دولت کدے پر بھی حاضری دی اور بہت کچھ سیکھا۔ بی۔ کام کرنے کے بعد مجھے اپنی بہن کو فاضلِ اردو کا امتحان دلوانے کے لیے اس کا نصاب پڑھانا پڑا۔ پھر اورئینٹل کالج میں بہن کو داخلہ بھی دلوا دیا۔ وہاں حضرت فدا خالدی

دہلوی، تلمیذ و جانشینِ بیخود دہلوی، عروض پڑھاتے تھے۔ میں نے ان کی رباعیات کی ایک کتاب دیکھ رکھی تھی۔ چناں چہ اپنی ہمشیرہ کے توسط سے ان سے ملا اور پھر بقول ماہر القادری:

ایک شام ان کے کوچے سے گزرا تھا میں — پھر یہی روز کا مشغلہ ہوگیا

فدا خالدی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ذوقِ شعر گوئی کو نکھارنے میں بڑی معاونت فرمائی۔

سوال 4: آپ شعر و ادب کی کون کونسی اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں

جواب: شعر کی اصناف دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ہیئتی (Form) اور موضوعاتی (Thematic)۔ میں نے ہیئتی اصناف میں غزل، قطعہ، مسدس، مثنوی، آزاد نظم، ہائکو وغیرہ میں اکثر طبع آزمائی کی ہے۔ موضوعاتی اصناف میں، حمد، نعت، منقبت اور اصلاحی نظموں کی طرف رجحان رہا ہے۔

سوال 5: آپ تحقیق، تنقید یا تخلیق کس طرف رجحان رکھتے ہیں۔

جواب: اگر یہ تعلی آمیز جواب نہ سمجھا جائے تو کہوں گا کہ میں ہر سہ ادبی ابعاد (Dimensions) کی سیر کا شوق رکھتا ہوں۔ رجحان کی ترجیحات میں ترتیب وار تخلیق، تنقید اور تحقیق کا (اول تا سوم) نمبر آتا ہے۔

سوال 6: آپ کی تصانیف (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ) ڈاکٹر عزیز احسن، ایک تعارف ملاحظہ کیجیے۔

سوال 7: آپ نعت گوئی کی طرف کیسے مائل ہوئے، محرکات کیا تھے، اگر اپنی اولین نعت کے کچھ اشعار یاد ہوں تو عنایت کیجیے۔

جواب: بچپن میں مجھے نعت خوانی کا شوق تھا۔ اسکول کے زمانے میں، میں اور معروف نعت خواں سعید ہاشمی ہم جماعت تھے۔ نعت پڑھتے پڑھتے شعر کہنے کا ذوق بھی پروان چڑھ گیا۔ پہلے پہل غزلیں کہیں لیکن نعتیہ اشعار بھی ہوتے رہے۔ باقاعدہ نعت کہنے کی تحریک ایک جذباتی حادثے کے بعد 1976ء کے اواخر میں ہوئی۔ ایک مشاعرے میں بلایا گیا تو وہیں ایک قطعہ کہہ کر سنا دیا:

چادرِ زیست پہ عصیاں کے اگر داغ نہ ہوں — یا نبی ﷺ آپ کے اوصافِ حمیدہ لکھوں
فہمِ قرآن کی توفیق میسر ہو اگر — میں بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کا قصیدہ لکھوں

سوال 8: حالیہ تخلیق ہونے والے شعری ادب کے حوالے سے تخلیق ہونے والی نعت سے کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب: شعری ادب میں تو ہر صنف شامل ہے جس میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ شاعر کی فطرت

میں شعر گوئی شامل ہوتی ہے لیکن زبان و بیان کے معیارات وہ اپنی محنت سے سیکھتا ہے۔ مطالعہ، مشاہدہ، مشق اور ریاضت سے معیاری شعر کہنا سہل ہو جاتا ہے۔ فی زمانہ معیاری ادب کی تخلیق کے لیے جس محنت اور انہماک کی ضرورت ہے وہ نئی نسل میں کم نظر آتی ہے۔ نعتیہ شاعری میں غیر معیاری تخلیقات کی شرح زیادہ بڑھ گئی ہے۔ سرکاری انعامات کے حصول کے لیے بعض لوگ خود بھی لکھ لیتے ہیں اور دوسروں سے لکھوا کر بھی کتابیں پیش کر دیتے ہیں۔ انعامات کی تقسیم میں بھی، اکثر، شعری و شرعی معیارات نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ نعت خوانی کے لیے انتہائی غیر معیاری نعتیں بھی منتخب کی جاتی ہیں جن میں سستی جذباتیت اور غیر معیاری زبان ہوتی ہے۔ فلمی دھنوں پر بھی نعتیں مرتب کر کے محافل کو گرمایا جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں نعتیہ ادب کی تخلیقی رفتار سے تو کسی حد تک مطمئن ہوں لیکن معیار کے حوالے سے اطمینان کے بجائے تشویش بڑھ رہی ہے۔ اللہ کرے نعت گو شعرا کو نعتیہ ادب کی تقدیس کا ادراک ہو سکے!

سوال 9: آپ نعت گوئی اور اس حوالے سے تحقیقی اور تنقیدی کام کی طرف کب اور کیسے مائل ہوئے؟

جواب: بات دراصل یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے نعتیں پڑھتا تھا۔ گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول، لیاقت آباد نمبر ۴، کراچی، میں ہر سال جلسہ سیرت النبی ﷺ منعقد کیا جاتا تھا۔ میں اور سعید ہاشمی، دونوں، پانچویں جماعت میں تھے۔ ہم دونوں نے نعت پڑھنے کے لیے مقابلے میں حصہ لیا لیکن ہم Select نہیں ہوئے۔ عزیز الٰہی کسی بڑی جماعت کا طالبِ علم تھا، اس نے نعت پڑھی اور پہلا انعام حاصل کیا۔ مجھے وہ نعت اتنی اچھی لگی کہ میں نے گھر آ کر اپنی یادداشت کی بنیاد پر پوری نعت کاغذ پر منتقل کر لی اور عزیز الٰہی کے لحن میں مختلف محافل میں وہ نعت پڑھتا پھرا۔ جب میں سٹی کالج میں بارہویں جماعت کا طالبِ علم تھا تو پروفیسر وسیم فاضلی صاحب کے سامنے، قمر جلالوی کی مذکورہ نعت کا ایک شعر پڑھ دیا۔ اس پر انھوں نے مجھے ٹوکا کہ اس شعر میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے۔ میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔ شعر یہ تھا:

محمد عرش پر بیٹھے ہیں چپ، خالق یہ کہتا ہے — تمھارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے

بس پھر کیا تھا۔ میں نے نعتیہ شاعری پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کی روش اپنالی۔ 981ء میں، میں نے ایک نعتیہ انتخاب ''جواہر النعت'' مرتب کیا جس کا مقدمہ بھی خود لکھا۔ اس مختصر تحریر کی پسندیدگی کا یہ عالم میں بھول نہیں سکتا کہ ایک اخبار [جنگ، کراچی] میں تبصرے کے لیے کتاب دی گئی تو چند دن بعد یعنی

7/جون 1982ء کو وہ تحریر اخبار میں نظر آئی۔ 1995ء میں صبیح رحمانی نے کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا اجرا کیا، اس کتابی سلسلے میں میرا مضمون ''نعتِ نبی ﷺ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں'' شائع ہوا۔ اس مضمون کو دیکھ کر پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور کئی دیگر اہلِ علم نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس طرح نعتیہ ادب میں تنقیدی تحریروں کے ذریعے میرا Contribution بڑھتا چلا گیا۔ 2012ء میں اللہ کے فضل سے میں نے ''اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا اور جامعہ کراچی سے مجھے ڈاکٹریٹ کی سند عطا کر دی گئی۔

سوال 10: کیا آپ کی نگاہ میں نعت ایک باقاعدہ ادبی صنف ہے؟

جواب: اردو کی ابتدائی شعری تخلیقات سے آج تک جتنی بھی کتابیں ادبی منظرنامے کا حصہ بنی ہیں ان میں سے بیشتر کی ابتداء حمد و نعت سے ہوئی ہے۔ مقدمین اساتذۂ سخن کی مثنویاں ہوں یا دواوین سب کے سب حمد و نعت کے ابتدائیوں سے مزین ہیں۔ اس لیے یہ سوال کرنا کہ نعت باقاعدہ ادبی صنف ہے کہ نہیں؟، میرے لیے محلِ نظر ہے۔ اگر یہ طے ہو جائے کہ وہ تمام کتب جن کا آغاز حمد و نعت سے ہوا، ادبی کتب نہیں تھیں، تب تو یہ بات بھی تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نعت ادبی صنفِ سخن نہیں ہے۔ بصورتِ دیگر، نعت، از خود ادبی صنفِ سخن ٹھہرتی ہے۔ یہ اور بات کہ مقدار کے اعتبار سے یہ صنف آج کل زیادہ بار آور ہو رہی ہے، قدیم ادوار میں اس کی تخلیقی رفتار ذرا سست تھی۔ دراصل ادبی، غیر ادبی کا سوال تو پاکستان بننے کے بعد دین بیزار حلقوں کی جانب سے اٹھایا گیا تھا۔ کیوں کہ پاکستان کے ابتدائی ادبی منظرنامے پر ان کی چودھراہٹ قائم ہو گئی تھی۔ اشتراکی کوچہ گرد ہر اس صنف کو گلے لگانے کو تیار تھے جو مذہب سے دوری کا سبب بنتی ہو۔ نعت چوں کہ براہِ راست مذہبی حوالہ رکھتی ہے اس لیے پاکستان کی ابتدائی ادبی سرگرمیوں میں اس کو پذیرائی نہیں ملی۔ آج کی فضا نعت کے حق میں اس قدر سازگار ہے کہ یہ پورا عہد ہی تخلیقی وفور کے اعتبار سے نعتیہ تخلیقات کی برسات کا عہد ہے۔ اب کون مائی کا لال اسے ادبی صنف ماننے سے انکار کر سکتا ہے؟

سوال 11: آپ کے نزدیک نعت کے لیے مناسب ترین فارمیٹ کیا ہے؟

جواب: نعت کی خوبی یہ ہے کہ ہیئتی اعتبار سے نعت کا موضوع کسی بھی صنفِ سخن کا حصہ بن سکتا ہے۔ نعت کی یہ ہمہ رنگی ہی دراصل اس کا حُسن ہے۔ ویسے غزل کی فارم میں، مقدار اور معیار کے اعتبار سے کچھ زیادہ نعتیں کہی جاتی رہی ہیں۔ غزل اس لیے مقبول صنف ہے کہ اس کا ہر شعر حافظے میں اپنی

معنویت کے ساتھ محفوظ ہو جاتا ہے۔ گویا نعتیہ غزل کا ہر شعر ایک دو مصرعوں کی چھوٹی سی نظم ہے جو بچوں اور بڑوں کی یادداشت کا حصہ بن جاتی ہے۔ نعت خوانی میں بھی بیشتر نعتیہ غزلیں ہی پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن نعتیہ کینوس پر معانی سے لبریز کوئی بڑی تصویر بنانے کے لیے غزل کے بجائے نظم کا فارمیٹ موزوں ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شاعر اپنے مزاج اور تخلیقی قوت یا صلاحیت کے دائرے میں رہ کر ہی شعر کہتا ہے۔ اس لیے جو فارمیٹ جس کے لیے ذہنی مطابقت رکھتا ہے وہ استعمال ہوتا ہے۔ اس ضمن میں کوئی فارمیٹ اوپر سے تھوپا نہیں جا سکتا۔ نعتیہ شاعری کے لیے کسی فارمیٹ کی تعیین کا خیال ہی محالات میں سے ہے۔

سوال 12: آپ نعت گوئی کو زمانی اعتبار سے کتنے ادوار میں تقسیم کرتے ہیں؟

جواب: نعتیہ شاعری دنیا کی ہر زبان میں ہوتی رہی ہے، ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی......ان شاء اللہ! اس لیے ماضی، حال اور مستقبل کے تینوں زمانوں کی مناسبت سے اس صنفِ سخن کی تخلیقی سرگرمیوں کو بھی ماضی بعید، ماضی قریب، حال اور مستقبل کے پیمانوں سے ناپا جا سکتا ہے۔

سوال 13: اردو زبان و ادب کی تاریخ کے حوالے سے نعت کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا جا سکے گا؟

جواب: اس سوال کا جواب پچھلے سوال کے جواب سے مربوط ہے۔ اردو میں بھی متقدمین، متوسطین اور عصرِ حاضر کے حوالے سے زمانی ترتیب قائم کی جا سکتی ہے۔ ویسے اردو کے ادبی مورخین نے بیشتر نعتیہ ادب کو علاحدہ سے Discuss نہیں کیا ہے۔ اس کی وجوہات کیا تھیں، اس پر بات کی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی۔ تاہم اب ادبی تواریخ میں نعتیہ ادب کو زیرِ بحث لانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

سوال 14: آپ تقسیمِ ہند سے پہلے اور بعد کی نعت گوئی کو کس انداز سے دیکھتے ہیں؟

جواب: تقسیمِ ہند سے قبل، نعتیہ مشاعرے تو ہوتے تھے اور نعتیں بھی تخلیق ہوتی تھیں لیکن ان میں حضورِ اکرم ﷺ کے صوری محاسن کا بیان غالب تھا۔ مدینے جانے کی آرزو بھی تقریباً ہر نعتیہ تخلیق کا زیور تھی۔ کیوں کہ سفری سہولتیں کم تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں کے شعرا کو نعت گوئی کا نیا شعور عطا فرما دیا اور یہاں نعت گوئی کی باقاعدہ ایک تحریک شروع ہو گئی۔ اب تو، نعتیہ ادب کی تخلیق کے حوالے سے، پاکستانی شہروں میں، بڑے بڑے مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب یہ صنفِ سخن، ادبی حوالوں سے پرکھی بھی جا رہی ہے اور شعوری طور پر حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے مضامین بھی

نعتیہ ادب کا وافر حصہ بن رہے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر عہد میں مختلف عوامل کے زیرِ اثر، علمی مزاج بدلتا رہتا ہے۔اسی طرح تخلیقی رجحانات بھی متغیر ہوتے رہتے ہیں۔نعتیہ شاعری میں بھی متغیر فضا کے اثرات کے تحت، قدیم سے جدید اور جدید سے جدید تر رجحانات کے لونی عکس shades دکھائی دینے لگے ہیں۔

سوال 15: آپ کی نظر میں برصغیر کی کن کن شخصیات نے نعت گوئی کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا؟

جواب: یوں تو نعت گوئی ہر شاعر کے لیے وجہِ افتخار رہی ہے۔تاہم نعتیہ ادب کی ترویج میں حصہ لینے والی نمایاں شخصیات میں مومن خاں مومن، حافظ پیلی بھیتی، لطف بریلوی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا خاں بریلوی، محسن کاکوروی، الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، کیف ٹونکی، اقبال احمد خاں سہیل اعظم گڑھی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی وغیرہم شامل ہیں۔نعت کے عہدِ جدید میں تو اس قدر نام ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔ عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، خورشید رضوی، شاہ حسن عطا، فدا خالدی دہلوی، حافظ مظہرالدین، حافظ لدھیانوی، ادیب رائے پوری، سرو سہارنپوری، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، بشیر حسین ناظم، مظفر وارثی، قمر وارثی سے صبیح رحمانی تک سارے ہی نام لیے جاسکتے ہیں۔

سوال 16: تقسیمِ ہند کے بعد کس دور میں نعت گوئی نے سب سے زیادہ فروغ پایا؟

جواب: سیاسی تاریخ کے ہر دور کو کسی نہ کسی حکمران کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ادبی تاریخ میں نمایاں رجحانات اور پُر اثر ادبی تحریروں کی عددی کثرت کے حوالے سے بھی کسی عہد کو اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ادبی رجحانات کی ترویج و اشاعت کے نمایاں پہلوؤں کے واضح خدوخال جس عہد میں بھی ابھرتے ہیں وہ عہد اس صنف کی ترویج کا عہد کہلاتا ہے۔نعتیہ ادب کی ترویج کا رجحان تو پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی پیدا ہوگیا تھا، لیکن اس رجحان کو قوت، جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں ملی۔ مجھے یاد ہے کہ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد اکادمی ادبیاتِ پاکستان میں، ربیع الاول شریف میں، نعتیہ مشاعرہ منعقد کرنے کی بات ہوئی تو اس وقت کے صدر نشین نے نعتیہ مشاعرے کے proposal کو ZIA-UL-HAQ'S LEGACY (ضیاء الحق کی میراث) کہہ کر بڑی حقارت سے رد کردیا تھا۔ پاکستان آرٹس کونسل، کراچی میں انٹرنیشنل اردو کانفرنس میں نعتیہ ادب کے لیے ایک اجلاس منعقد کرنے کی بات چلی تو یہاں ایک خاتون نے نعت کو ضیاء الحق کی منافقانہ روایت

کا نام دیدیا تھا۔ بہرحال اس منفی رجحان کے باوجود نعتیہ ادب پھل پھول رہا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ پاکستان میں سرکاری سرپرستی کا خیال اس وقت کے حکمران کو آیا تو نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کی سرگرمیاں بڑھتی چلی گئیں۔نعتیہ ادب کے فروغ کے حوالے سے پاکستان میں جب بھی کوئی بات ہوئی، ضیاء الحق کے ذکر کے بغیر نہیں ہوسکے گی۔

سوال 17: نعت پر ہونے والے تاریخی تحقیقی اور تنقیدی کام سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب: الحمدللہ! اب نعتیہ ادب پر پاکستان کی مختلف جامعات میں ایم۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی کام ہونے لگا ہے۔اس کام میں دشواریاں بھی ہیں، کیوں کہ نعتیہ ادب کی تحقیق کو شرعی اور شعری سطح پر بھرپور طریقے سے پرکھنے اور طلبا کی رہنمائی کرنے والے اسکالرز کی کمی ہے۔ بیشتر اسکالرز بہت مضبوط علمی اور ادبی حوالہ رکھتے ہیں۔لیکن نعت کے شرعی پہلوؤں کی آگاہی کے معاملے میں ذرا کمزور ہیں۔اس کے برعکس جو اساتذہ دینی علوم پڑھاتے ہیں انھیں شعر کے ادبی پہلوؤں کا ادراک نہیں ہوتا لہٰذا وہ شرعی اعتبارات سے تو نعتیہ ادب کو کسی حد تک پرکھ لیتے ہیں اور اس ضمن میں اپنے شاگردوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں لیکن مقالوں میں پیش کردہ شعری نمونوں میں ادبی اسقام کی نشاندہی نہیں کرتے۔شعبہ ہائے اردو کے علاوہ جن شعبوں میں نعتیہ ادب پر مقالے لکھے اور پیش کیے جاتے ہیں ان میں درج اشعار میں عروضی، لسانی اور ادبی شعور کا فقدان نظر آتا ہے۔ایسی صورت میں تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کام سے مطمئن ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اس صنف کی ترویج و اشاعت کے اعلیٰ معیارات کے تصورات پر فاتحہ پڑھ لیں...... ہاں ان سرگرمیوں کو سراہا جاسکتا ہے۔ممکن ہے تحقیقی کام کی رفتا بڑھے تو نعت کے شرعی و شعری دونوں پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول ہوجائے اور معیارات بھی بلند ہوجائیں!

سوال 18: نعت کے فروغ میں رسائل اور جرائد کا کیا کردار ہے۔آپ کی نظر میں اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کرنے والے مجلّے کونسے ہیں؟

جواب: نعتیہ ادب کی ترویج بھی عام ادب کی ترویج کی طرح، وسائل و ذرائع پر منحصر ہے ادبی رسائل ہمیشہ سے شعر و ادب کی ترویج کے حوالے سے نرسری کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ پاکستان کے ادبی پرچوں میں اسّی کی دہائی سے نعت نظر آنے لگی تھی۔ یہ رجحان ترقی پذیر ہے۔اس لیے بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ ادب کے فروغ میں رسائل و جرائد کا کردار، کلیدی ہے۔ پاکستان کے

کئی شہروں سے نعتیہ کتابی سلسلے اور رسائل شائع کیے جا رہے ہیں۔ یہاں ان کی ناممکمل فہرست دینا مناسب نہیں۔ کیوں کہ تمام رسائل و جرائد کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔ جس جریدے کا نام رہ گیا اس کے مدیر کو میری نیت پر شبہ ہوگا! یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ سب ہی اپنی اپنی بساط کے مطابق فروغِ نعت میں حصہ لے رہے ہیں۔

سوال19: آپ دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں نعت کا کینوس کتنا وسیع دیکھتے ہیں؟

جواب: نعت میں زندگی سنوارنے کے لیے ہر اچھا اور مثبت خیال پیش کیا جا سکتا ہے۔ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان سے قبل کے نعت گو شعراء نے یہ راہ سجھائی ہے کہ اپنی ذات (نفس) اور معاشرے کی بہتری یا اصلاح کے لیے اور برائی کی مذمت اور خیر کی تحسین کا ہر خیال شعرِ عقیدت کا جزو بن سکتا ہے۔ جس طرح غزل اپنے لغوی معنی (عورتوں کے ساتھ بات چیت اور عشق بازی) سے نکل کر زندگی کے مسائل کی تخلیقی سطح پر اشاراتی و علامتی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے، نعت بھی مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے دائرے کو آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وسعت دیتے ہوئے، زندگی کی اصلاح، صالح اقدار کی ترویج اور انسانی معاشرے کے لیے خیر کے دعوتی نظام کی علامت بن سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ رجحان نظر آتا ہے۔ مثلاً

اللہ اللہ کے نبی سے   فریاد ہے نفس کی بدی سے
دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی   لاج آئی نہ ذروں کی ہنسی سے
شب بھر سونے ہی سے غرض تھی   تاروں نے ہزار دانت پیسے
تجھ سے جو اٹھائے میں نے صدمے   ایسے نہ ملے کبھی کسی سے
تو نے ہی کیا خدا سے نادم   تو نے ہی کیا خجل نبی سے
کیسے آقا کا حکم ٹالا   ہم مر مٹے تیری خودسری سے

درجِ بالا اشعار میں صرف مطلع اور آخری دو اشعار ''نعتیہ'' ہیں بقیہ اشعار میں اصلاحِ نفس کا احوال تعلیماتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عکس بن گیا اور یوں یہ مضامین نعت میں شامل ہو گئے۔

نعت گو شعرا کی توجہ، اصلاحِ نفس کے مضامین کی طرف مبذول کروانے میں حضرت امام شرف الدین بوصیریؒ بھی پیش پیش رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

والنفس کالطفل ان تهمله شب علی

حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

(نفس کی عادتیں تو بچوں والی ہیں۔ جب تک اس کا دودھ چھڑایا نہ جائے گا وہ دودھ پیتا ہی رہے گا)۔

ان معتبر حوالوں کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت پوری زندگی کے مثبت پہلوؤں کے اظہار کی متقاضی ہے اور اس طرح (برائیوں کے خلاف) مزاحمتی ادب کا بہترین نمونہ پیش کرتی رہی ہے اور کر سکتی ہے۔

سوال20: آپ کے نزدیک نعت کے موضوعات کیا ہو سکتے ہیں اور کیا نعت کی صنف موجودہ زمانے میں درپیش انسانی مسائل کا احاطہ کر کے ان کا حل پیش کر سکتی ہے؟

جواب: اس سوال کا جزوی جواب تو پچھلے جواب کا حصہ بن چکا ہے۔ انسانی مسائل استغاثے کی شکل میں ہمیشہ سے پیش کیے جاتے رہے ہیں، اب بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ اصلاحی نظمیں بھی حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے ذکر کے ساتھ نعتیہ ادب کا حصہ بنائی جا سکتی ہیں۔ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے حافظ شیرازی کا مشورہ پیشِ نظر رکھنا ہوگا:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار   بگزارند و خمِ ابروئے یارے گیرند

(میرے نزدیک مصلحت اسی میں ہے کہ میرے دوست سارے کام چھوڑ چھاڑ کے محبوب کی زلف کے خم کی طرف مشغول ہو جائیں۔ گویا تمام تر توجہ محبوب کی ذات وصفات کو سمجھنے اور اس کے اشارات و کنایات کو فکر و خیال کا محور بنانے پر مرکوز ہو جائے......اور یہ محبوب، کائنات کی سب سے افضل ذات، ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے)۔ ایسی صورت میں زندگی آمیز اور زندگی آموز ہر خیال، ہر تصور اور ہر احساس، نعت کا متنی (Textual) مرقع بن سکتا ہے۔ شکیل احمد ضیاء نے بھی غزل کے ایک شعر میں بڑی خوبصورت بات کی ہے جو ذہنی و فکری سطح پر اپنا کر نعتیہ مضامین کا دائرہ وسیع کیا جا سکتا ہے:

یا کرے اُس کا تذکرہ ہر شخص   یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

سوال 21: کیا نعت گوئی میں مبالغہ کی گنجائش ہے۔ اگر ہے تو کس حد تک۔ نہیں تو کیوں؟

جواب: نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پہلے ہی فرما دیا ہے:

''هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ''............ ''کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے''۔ (مشکوٰۃ شریف، باب البیان والشعر، حدیث نمبر: ۴۷۸۵/۳، جلد دوم، صفحہ ۴۱۲......روایت کیا اس کو مسلم نے)۔

اس لیے نبی علیہ السلام کے ارشاد کے بعد مبالغہ حرام ہو گیا۔ واقعاتی حقائق، ماحولیاتی صورتِ حال،

شاعر کی اپنی ذاتی احوالی کیفیت، خواب کا بیان، مدینے کو جنت سے افضل قرار دینا، جبریل علیہ السلام کو دربان بنا دینا، نبی علیہ السلام کو اللہ کے عرش پر بٹھا دینا...... یہ سب ناجائز ہے۔ ایسا بیان جس میں شاعرانہ خوبی ہو اور کوئی معروف حقیقت مسخ نہیں ہو رہی ہو تو poetic reality کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔

سوال22: کیا نعت میں تو، تیرا اور تجھے جیسے الفاظ کا استعمال درست ہے؟

جواب: شاعری کی زبان اور نثر کی زبان میں بڑا فرق ہے۔ نثر میں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے تو، تیرا اور تجھے ایسے ضمائر کا استعمال حرام ہے۔ تاہم شاعری کی اپنی ضرورتیں ہیں، اس لیے اگر توہین یا تنقیص و استخفاف کا کوئی پہلو برآمد نہ ہو رہا ہو اور صرف والہانہ محبت کا اظہار ہو رہا ہو تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر پروفیسر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرما چکے ہیں جو نعت رنگ، شمارہ ۴ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب ہم نبی کریم ﷺ کی ذاتِ فلک مرتبت کے لیے ''آپ'' کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب استعمال کرتے ہیں......اور جب یہ بزمِ کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے تو یہ سارے القاب، یہ آداب، یہ سارے لفظ، ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں۔ ''تو'' میں...... یہ چھوٹا سا یک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمالِ مصطفٰی (ﷺ) ہوتا ہے اور ہماری حیرانی۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں بلکہ سپردگی کی منزل ہوتی ہے''۔ (نعت رنگ شمارہ ۴، مئی ۱۹۹۷ء، صفحہ ۵۳)۔

یہاں تو صرف لفظ ''تو'' پر بحث کی گئی ہے لیکن اس لفظ کے حوالے سے وجود پانے والے تمام ضمائر پر اس کا اطلاق ہوگا!

سوال23: کیا نعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دوسرے انبیا سے تقابل درست ہے؟

جواب: اگر دوسرے انبیا علیہم السلام کی شان کا استخفاف نہیں ہو رہا ہو تو جائز ہے۔ مثلاً ماہر القادری کہتے ہیں:

جہاں سب ہیں وہاں تو بھی ہے موجود — جہاں تو ہے وہاں کوئی نہیں ہے

یا

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں — سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

اس طرح کے اشعار سے کسی نبی کی توہین کا امکان نہیں ہے۔ اس لیے اگر تقابلِ رُسُل علیہم السلام کا مضمون باندھنے کا خیال آئے تو اس قرینے سے باندھا جائے کہ کسی نبی کی شان میں گستاخی کا پہلو نہ نکلے۔

سوال24: بعض شعرا نے مدینہ کو جنت پر ترجیح دی ہے۔ ایسا کرنا آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

جواب: مناسب نہیں ہے۔ کیوں کہ جنت کی تمنا کرنے کی دعائیں بھی سکھائی گئی ہیں اور خود حضورِ اکرم ﷺ بھی جنت ہی میں تشریف فرما ہوں گے۔

سوال25: کیا محض تخیل اور فنِ شعر گوئی میں مہارت کے بل بوتے پر نعت کہی جاسکتی ہے یا اس کے لیے کچھ اضافی عناصر کی بھی ضرورت ہے۔ اگر ہے تو وہ عناصر کیا ہیں؟

ادب کی دو قسمیں ہیں۔ معلوماتی ادب اور تخلیقی ادب جسے انگریزی میں (1)Literature of knowledge اور (2)Literature of power معلوماتی اور مؤثر ادب کہتے ہیں۔ نعتیہ ادب دونوں اقسام کا مشترک ادب ہے۔ کیوں کہ اس میں نبی علیہ السلام کے حوالے سے بات ہوتی ہے اس لیے آپ ﷺ کے مقام و مرتبے کی آگاہی لازمی ہے۔ یہ آگاہی، قرآنِ کریم، احادیثِ رسول ﷺ، آثارِ صحابہ، سیرتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، تاریخ کی درست اور انتہائی محتاط انداز کی سچی معلومات کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔ نعت کے متنی (Textual) تقاضے اس طرح کی آگاہی کے بغیر پورے نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ساتھ ہی شعر گوئی کے لیے زبان و بیان کے خوبصورت استعمال کا سلیقہ، فصاحت و بلاغت کے آداب، زبان کے محاوروں کا درست ادراک ہونا بھی لازمی ہے۔ سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ نبی ﷺ کی ذات سے سچا قلبی لگاؤ، آپ ﷺ کی اتباع کی آرزو اور اخلاصِ نیت ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ تفصیل کے لیے میرا مضمون ''مدحتِ مصطفٰی ﷺ کے متنی تقاضے'' مطبوعہ فروغِ نعت، اٹک، دیکھا جاسکتا ہے۔ مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شعریت کے لیے پُرکشش اسالیب اور شریعت کے لیے علمِ راسخ...... جب اس نوعیت کے ذہنی، فکری اور وجدانی تقاضے پورے ہوجائیں تب نعت ہوتی ہے۔

سوال26: فروغِ نعت کے سلسلہ میں آپ سوشل میڈیا جیسے اہم ذریعۂ ابلاغ کے کردار کو کیسا پاتے ہیں؟

جواب: ہر ذریعہء ابلاغ کا مثبت استعمال جس طرح زندگی کے اور معاملات کے لیے لازمی ہے۔ نعت

کے لیے بھی لازمی ہے۔

سوال 27: اگر نعت خوانی کی طرف آئیں تو کیا آپ موجودہ دور میں ہونے والی نعت خوانی سے مطمئن ہیں؟

جواب: نعت خوانی حضور اکرم ﷺ کی محبت کے جذبے کو عام کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لیکن فی زمانہ یہ خود ایک مقصد کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہی اگر مقصد بن جائے تو نتائج اچھے نکلنے کی امید رکھنا مناسب نہیں۔ مطمئن ہونا تو دور کی بات ہے، میں بیشتر نعت کی محافل کے انداز سے متفق نہیں ہوں۔

سوال 28: نعت خوانی کی محافل تبلیغ کا اہم ذریعہ ہیں کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں، اگر ہاں تو کیا آج کے دور میں ہونے والی محافل نعت اس ضرورت کو پورا کرتی نظر آتی ہیں؟

جواب: تبلیغ کا ذریعہ بننے کے لیے محافلِ نعت کو انتہائی سنجیدگی اور احترام کے ساتھ، دعوتِ دین کے ضمن میں مواعظِ حسنہ کے اہتمام کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن آج کل صرف لحن اور دھن کے سہارے سستی جذباتیت سے لبریز کلام پڑھا جاتا ہے اس لیے ان محافل سے سیرت وکردار پر اچھا اثر مرتب ہونے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ آج کل ان محافل پر Entertainment event کا گمان ہوتا ہے۔ بیشتر محافل میں شرکت کرنے والوں کی نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ بجلی بھی چوری کی استعمال ہوتی ہے۔ نعت خواں حضرات بھی زیادہ تر نوٹ خواں بن جاتے ہیں۔ اخلاص سے بھرپور محافل کا اچھا اثر بھی مرتب ہوتا ہے لیکن ایسی محافل خال خال ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔

سوال 29: کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نعت خوان حضرات نے اسے باقاعدہ کمرشلائز کر کے ایک کاروبار کی شکل دیدی ہے؟

جواب: صدفی صد درست۔ نعت خواں حضرات میں سے بیشتر صرف نوٹ کمانے کی غرض سے شریک ہوتے ہیں۔ مالی منفعت جہاں بھی پیشِ نظر ہوتی ہے، وہاں اخلاص معدوم ہو جاتا ہے اور جب اخلاص معدوم ہوتا ہے تو عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔

سوال 30: کیا موجودہ دور میں ہونے والی محافلِ نعت۔ نعت کو ادبی سطح سے دور نہیں لے جا رہی ہیں؟

جواب: نعتیہ محافل میں سستی جذباتیت کو ہوا دینے کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہاں، معیاری کلام پیش کرنے سے نعت خوانوں کو خسارے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس لیے ادبی سطح سے بہت نچلی سطح کا کلام خوش

الحانی سے پیش کرنے ہی کا رواج عام ہو چلا ہے۔ استثنائی صورتیں (Exceptional cases) بھی ہیں لیکن بہت کم۔ دراصل ادبی سطح پر نعت کی عدم قبولیت کے رجحانات کو پروان چڑھانے میں ایسی محافل ہی کا دخل ہے۔ جب خوش الحانی سے پڑھی جانے والی غیر معیاری نعتیں عوام وخواص کی سماعتوں سے مس ہوں گی تو عوام ہی خوش ہو سکیں گے۔ خواص تو معیار کی پستی پر سر پیٹ لیں گے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ادبِ عالیہ کی تخلیق میں دلچسپی رکھنے والے شعرا، غیر معیاری نعتوں کی شہرت کے باعث اس کوچے سے گریز کی راہ اختیار نہ کریں؟

سوال 31: آپ کی نظر میں ایک نعت خوان کو کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: نعت خوانی کو قُوتِ لا یموت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ نعت خواں کو چاہیے کہ پہلے وہ حصولِ رزق کا کوئی باوقار ذریعہ ڈھونڈے۔ پھر خلوص کے ساتھ محافل میں شریک ہو۔ معیاری کلام کا انتخاب کرے۔ اس پر ان شاء اللہ رزق کی برسات ہوگی!...... میں نے نعت خواں سے خطاب کے زیرِ عنوان کچھ اشعار کہہ رکھے ہیں، وہی ملاحظہ ہوں:

نعت خواں سے خطاب!

اپنے افعال سے ظلمت کی علامت نہ بنا
شعرِ مدحت تو ہے فی الاصل چراغِ روشن

پیروی سنتِ آقا ﷺ کی ہے لفظوں کی جلا
نعت خواں! مدح، نہ بن جائے شکم کا ایندھن

نعت پڑھنے میں تقدس کا رہے خاص خیال
ذکرِ حق، ساز کی دھن کے نہ مشابہ ہو جائے

جیب ہو گرم تو دل میں ہو خشیت کا اثر
حظ، ترا نفس، تری شعبدہ بازی سے نہ پائے

مرکیاں خوب لگا، ہو جو ترنم میں جمال
لیکن اس فن کو کسی گیت کی دھن سے نہ ملا

نعت کو فلم کے گیتوں کی دھنوں پر نہ الاپ
اپنا فن صرف کسی راگ کی صورت نہ دکھا

ہو جو اخلاص تو ہر حرفِ ثنا میں مضمر
تیرے جذبے کا اثر دل کا جہاں بدلے گا

انقلاب آئے گا دنیائے دلِ سامع میں
اور کچھ تیرا بھی اندازِ بیاں بدلے گا

باغِ طیبہ میں بھی پہنچے گی یقیناً اک دن
طِیبِ اخلاص جو پھیلے گی تری محفل سے

پھر ترا نام بھی ہو گا صفِ مداحاں میں
جب بھی نکلی تری آواز شکستہ دل سے

سوال 32: نعت خوانی میں غیر ضروری موسیقیت کا غلبہ اور راگ داری کو آپ کس انداز سے دیکھتے ہیں؟

جواب: پچھلے سوال کے جواب میں میرا نقطۂ نظر واضح ہو گیا ہے۔ اسی سے رجوع کیجیے۔

سوال 33: آپ نعت گوئی اور نعت خوانی کی اصلاح کے لیے کونسے اقدامات تجویز کرتے ہیں؟

جواب: نعت خوانی کے لیے تو میری تجاویز کی منظوم صورت آپ نے ملاحظہ فرمالی ہے۔ اب شعراء کے لیے بھی ایک نظم حاضر ہے:

شاعرِ نعت سے خطاب:

یہی کہنا ہے مجھے شعر کے کاریگر سے — شعرِ مدحت کو کسی بیتِ عمومی سے نہ ناپ
کسی قوال کی خاطر نہ عقیدے کو بگاڑ — ہو نہ اشعار سے گیتوں کے ترنم کا ملاپ
شعر، پھر شعر ہے جذبے کی زباں بولتا ہے — لیکن اس جذبے میں اخلاص کی خوشبو بھی تو ہو
تیرے اشعار کو مل سکتی ہے اس در کی زکوٰۃ — مدح کے شعر میں سچائی کا پہلو بھی تو ہو
شاعرِ نعت نبیﷺ! سوچ سمجھ کر کچھ لکھ — چند سکوں کے لیے لفظ کی حرمت سے نہ کھیل
رزق مل جائے گا آقاﷺ کی ثنا کرنے پر — لیکن اس فن کے لیے اُنﷺ کی شریعت سے نہ کھیل
دلِ مضطر نے یہ اشعار کہلوائے عزیزؔ — حرفِ اظہار سے گرمی کا اثر پیدا ہے
نعت گو میں بھی ہوں، اِس کا بھی میں رکھتا ہوں خیال — دل ہو خود ہی سے مخاطب یہ مرا منشا ہے
لوگ جو رزقِ ثنا پاتے ہیں، سن لیں وہ اگر — ان کے دل پر بھی ہو کچھ میری نصیحت کا اثر
خیر کی سمت ہی جاری ہو سخن کا بھی سفر — پھر تو مل جائے مجھے میری گزارش کا ثمر
ساری دنیا پہ برس جائے وہ رحمت کا سحاب — وار دوں میں بھی عزیزؔ اپنی عقیدت کے گلاب

شعراء نعتیں لکھیں لیکن اپنی نیت کو ٹٹولتے رہیں۔ سرکاری یا پرائیویٹ اداروں سے انعامات لینے کی غرض سے نعت کہنا یا ٹی وی چینلز پر نعت سنانے کے خیال سے نعت گوئی کا مشغلہ اختیار کرنا بہت زیادہ سود مند نہیں ہو سکتا۔ نیت کے کھوٹ سے شہادت پانے والے کو بھی آخرت میں نقصان ہی ہوگا۔ اس سے زیادہ کہنا ضروری نہیں۔ علامہ شہزاد مجددی نے کیا خوب کہا ہے:

نازک ہے مزاج اس کا بہت نظم و غزل سے — ہے نعتِ نبیﷺ صنف ذرا اور طرح کی

سوال 34: آپ اردو زبان میں نعت گوئی کا مستقبل کیا دیکھتے ہیں؟

جواب: اردو میں نعتیہ ادب کا درخشاں عہد شروع ہوا ہے۔ ان شاء اللہ یہ گلشن کھلا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ قرآن کی حفاظت امتِ مسلمہ کے توسط سے ہی ہوتی رہے گی۔

اس لیے قرآن اور صاحبِ قرآن جنابِ رسولِ مقبولﷺ کے حوالے سے جو کام بھی اخلاص پر مبنی ہوگا وہ زندہ و پائندہ رہے گا۔ نعت میں لکھے جانے والے حروف ہمیشہ روشن و رخشاں رہیں گے۔ نعتِ نبیﷺ کی موجودگی کے باعث زبان کی بھی حفاظت ہوتی رہے گی......ان شاء اللہ!

سوال 35: فروغِ نعت کے سوشل میڈیا گروپ ''فروغِ نعت'' کی کارکردگی کو کیسا پاتے ہیں؟

جواب: میں اپنی مصروفیات کے باعث فروغِ نعت کی ایسی کسی کارکردگی سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکا ہوں۔ اس لیے صرف دعا کر سکتا ہوں۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے اور اس کام میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے (آمین)!

سوال 36: نعت گو حضرات کے لیے کوئی پیغام؟

نعتیہ شاعری صرف دنیا میں ہی نہیں عقبیٰ میں بھی اپنا نقش قائم کرتی ہے۔ ویسے تو ہر لکھا ہوا لفظ یا بولا ہوا جملہ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ لیکن نعتیہ تخلیقات کا ریکارڈ مدینہ منورہ میں بھی کسی نہ کسی طور ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ صاحبانِ حال بتاتے ہیں کہ نعت گو حضرات کے ناموں کی فہرستیں بھی مدینے میں مرتب کی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں نعتیہ ادب تخلیق کرنے کے لیے عبادت میں مشغولیت جیسی سنجیدگی درکار ہے۔ زیادہ حدِ ادب!

سوال 37: اپنے نعتیہ کلام میں سے کچھ عطا کیجیے:

جواب: نعتیہ اشعار پیشِ خدمت ہیں:

مدح کب تک شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم! شنیدہ لکھوں
کاش وہ وقت بھی آئے کہ میں دیدہ لکھوں
دولتِ درد عطا ہو مرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو
آپ کی نعت میں باقلبِ تپیدہ لکھوں
کاش وہ چشمِ کرم میری طرف بھی ہو جائے!
میں بھی حسّانؓ کے لہجے میں قصیدہ لکھوں
چادرِ زیست پہ عصیاں کے اگر داغ نہ ہوں
یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اوصافِ حمیدہ لکھوں
فہمِ قرآن کی توفیق میسر ہو اگر

میں بھی سرکارِ دو عالمﷺ کا قصیدہ لکھوں

نعت لکھنا ہی وظیفہ مرا بن جائے عزؔیز

جب لکھوں لذّتِ دیدار چشیدہ لکھوں

....

☆☆ نعتیہ ادب کے حوالے سے تو بہت سی باتیں ہوگئیں۔نعتیہ محافل میں نوٹ نچھاور کرنے کی رسم پر کراہیت کا اظہار کرنا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں۔نعت خوانوں کے پڑھے جانے والے غیر معیاری کلام پر سامعین کا جھومنا بھی چوں کہ حظِ نفس کی علامت ہے اس لیے میں اس کی مذمت کرنا بھی لازمی خیال کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ سب کو ریا کاری سے محفوظ فرمائے۔آج کل نعت خوانی کی محافل میں قوالی کا سا انداز اپنایا جا رہا ہے،اس کی روک تھام ضروری ہے۔

عزؔیز احسن

اتوار:۴؍ذی الحج ۱۴۳۸ھ مطابق:۲۷؍اگست ۲۰۱۷ء

....

ڈاکٹرعزؔیزاحسن......ایک تعارف

نام : عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان (یوسف زئی پٹھان)

قلمی نام : عزؔیزاحسن

پیدائش : ۱۴؍شوال المکرّم ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۱؍اگست ۱۹۴۷ء (جے پور، بھارت)..........(میٹرک سرٹیفکیٹ کے مطابق تاریخِ پیدائش:۴؍جون ۱۹۴۹ء)

پاکستان آمد : مئی ۱۹۴۸ء..........تعلیم :میٹرک (1966)،بی۔کام (1970) (زبانوں کی تحصیل کے شوق میں بی کام کے بعد، فاضل اردو 1971 اور فاضلِ فارسی 1974 کے امتحانات بھی دے ڈالے)، ایل،ایل،بی (1978) ایم۔اے (تاریخ اسلام)، جامعہ کراچی (1985)،ایم۔فل (اقبالیات)،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (2008ء)، پی۔ایچ۔ڈی (اردو) جامعہ کراچی۔(2012)۔

تصانیف: ۱۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید) ۱۹۹۸ء ۔۔۲۔تیرے ہی خواب میں رہنا (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء۔۔۳۔نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید) ۲۰۰۳ء، ۴۔ کرم ونجات کا سلسلہ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۵ء۔۔۵۔ہُنر نازک ہے (تنقید) ۲۰۰۷ء۔۔ ۶۔شہپرِ توفیق (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۹ء۷۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید) ۲۰۱۰ء ۔۔۸۔رموزِ بیخودی کا فنی وفکری جائزہ (مقالہ:ایم۔فل [اقبالیات]) ۲۰۱۱ء۔۔۹۔ امیدِ طیبہ رسی (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۱۲ء۱۰۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ: پی۔ایچ۔ڈی) ۲۰۱۳ء۔۔۱۱۔ پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، جولائی ۲۰۱۴ء ۱۲۔ تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) دسمبر ۲۰۱۴ء ۔۔۱۳۔نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، (تنقیدی مضامین) ۲۰۱۵ء

۱۴۔حمد ونعت کے معنیاتی زاویے (تنقیدی مضامین) فروری 2018ء......۱۵۔تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) اشاعتِ دوم: ستمبر ۲۰۱۸ء

۱۶۔نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے۔جون ۲۰۱۹ء ۱۷۔حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں۔ستمبر ۲۰۲۰ء

عزیزاحسن کے علمی وتخلیقی سرمائے کی تدوین:

۱۔ڈاکٹرعزیزاحسن اور مطالعاتِ حمد ونعت......مرتبہ: صبیح رحمانی 2015ء۲۔ڈاکٹرعزیزاحسن کی ادبی تحریریں ،مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز 2016ء

۳۔کلیاتِ عزیزاحسن......مرتبہ: صبیح رحمانی 2017ء۴۔ڈاکٹرعزیزاحسن اور اردو کا ادبی تناظر......مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز، مارچ ۲۰۲۰ء

۴۔ڈاکٹرعزیزاحسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظُر،مرتبہ: ڈاکٹر داؤدعثمانی،فروری ۲۰۲۱ء(پیشِ نظر)

تالیفاتِ ڈاکٹر عزیزاحسن:ا۔جواہرالنعت (نعتیہ انتخاب)۱۹۸۱ء۔۲۔ م ص (نعتیہ مجموعہ) فدا خالدی دہلوی،۱۹۸۳ء۔۳۔آتش احساس (مجموعہءغزلیات) فدا خالدی دہلوی ۱۹۸۴ء۔۔۴۔خوابوں میں سنہری جالی ہے (نعتیہ مجموعہ) صبیح رحمانی،۱۹۹۷ء، ۵۔قصرِ بلند،یعنی مطالعہءقرآن،ایچ،ایچ،امام اکبرآبادی،۲۰۰۱ء ......۶ سبد گل،ایچ،ایچ،امام اکبرآبادی،۲۰۰۱ء۔۷۔بحرِ شناسائی،(فارسی کلام) حضرت سیدظہورالحسنین شاہ ظاہر احسنی،یوسفی تاجیؒ،۲۰۱۴ء

ڈاکٹرعزیزاحسن کے علمی وہ تحقیقی کاموں پر تحقیق:

☆مقالہ ایم فل: مقالہ نگار:احمدنواز،نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر میمونہ سبحانی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد......سیشن 2017-2015ء(15 ستمبر 2018ءکوسند عطا کی گئی)

☆مقالہ ایم فل: ’’کلیاتِ عزیزاحسن،فکری وفنی جائزہ۔مقالہ نگار: رفعت ناصر،نگرانِ مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید،رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی،فیصل آباد۔سیشن :2019-2017ء(26 ستمبر 2019ءکوسند عطا کی گئی)۔مطبوعہ۔ناشر: نعت اکادمی، پوسٹ بکس نمبر 25،فیصل آباد،11 جنوری 2020ء

ادبی سرگرمیاں:

☆ تاحیات رکن: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

☆رکن: قائدِاعظم رائٹرز گلڈ پاکستان۔

☆ڈائرکٹر: نعت ریسرچ سینٹر،کراچی۔

☆نگراں: نعت رنگ، مدیر: صبیح رحمانی

☆معاون مدیر: کتابی سلسلہ ’’سفیرِ نعت‘‘ مرتبہ: آفتاب کریمی،کراچی۔

اعزازات: ☆ اعترافِ خدمات ایوارڈ 2014ء برائے شعبہءتحقیق وفروغِ نعت (بیادشاہ انصار الٰہ آبادی) منجانب: ادبستانِ انصار کراچی، پاکستان۔

☆ایوارڈ برائے حسنِ خدمات،حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کانفرنس،2014ء

☆بہترین نقادایوارڈ،نعت ریسرچ سینٹر،(لیڈز) برطانیہ،2016ء

☆ڈاکٹر عبدالقدیرخان بُکس ایوارڈ برائے 2006ء سے 2018ءتک لکھی جانے والی کتب۔مقالہ برائے پی ایچ ڈی (کتاب: اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ......ڈاکٹر عزیزاحسن)۔منجانب: قائدِاعظم رائٹرز گلڈ پاکستان۔محسنِ پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیرخان نے اپنے دستِ مبارک سے ۲۲/اپریل ۲۰۱۹ءکو ایک تقریب میں یہ ایوارڈ عطا فرمایا۔

☆شیلڈ برائے مقالہ: ’’امام احمد رضا کے نعتیہ کلام میں مناقبِ صحابہ کرام اور امہات المومنین‘‘،۳۹ویں امام احمد رضا کانفرنس،۲۰۱۹ء،ادارہءتحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان،کراچی۔

☆شیلڈ اور سند،من جانب: شعبہءاردو، جامعہ کراچی، برائے شرکت: بین الاقوامی کانفرنس......بعنوان: اردو نعت : تاریخ، مباحث اور موضوعات،۴،نومبر ۲۰۱۹ء

☆شرکت بحیثیت مندوب (مقالہ نگار): عالمی اردو کانفرنس منعقدہ: آرٹس کونسل پاکستان،کراچی، 2014, 2015,2016,2017, 2019ء

☆شرکت بحیثیت مندوب (مقالہ نگار)ومجلسِ صدور، دوروزہ حمد ونعت قومی کانفرنس، آرٹس کونسل پاکستان، کراچی،18/جنوری 2020ء(سندِ شرکت)

☆نشانِ سپاس،منجانب: بزمِ ادب وثقافت،سکھر، پاکستان، ہفتہ:14،نومبر 2020ء

Mail Add: A-12, Block 13, Gulistan-e-Jauhar, Karachi, Pakistan.

E:mail: abdulazizkhan49@gmail.com

Cell No. 00923335567941

تعارف: مرتب!

ڈاکٹر داؤد عثمانی ولد حاجی عثمان

تعلیم: ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی (اردو)
معاشی مصروفیت: لیکچرر، گورنمنٹ ڈگری بوائز کالج بلدیہ ٹاؤن، کراچی
مطبوعات

[الف] مصنفہ ومرتبہ کتب

۱۔علامہ راشدالخیری اوران کے خاندان کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ ۲۰۱۸ء، انجمن ترقی اردو، کراچی ......۲۔ ''شفقت کا سائبان''، ۱۵/ مئی ۲۰۱۰ء، نئے افق پبلی کیشنز، کراچی
۳۔''نعت شناسی ۔ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی''، ۲۰۱۱ء، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۴۔''سائبان لوگ''، ۱۵/ مئی ۲۰۱۲ء، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ......۵۔''اظہارِ خیال''، اگست ۲۰۱۲ء، نئے افق پبلی کیشنز، کراچی ......۶۔''ذکر نبی ﷺ اردو ادب میں'' جون ۲۰۲۰ء، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد......

[ب] **مقالات ومضامین**

۱۔''آدمی اور کتاب'' پر ایک نظر''، سہ ماہی ''روشنائی''، کراچی، اپریل تا جون ۲۰۰۹ء
۲۔''یادوں سے خانۂ دل تک ۔استادِ محترم ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی''، فکر ونظر، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۸ء......
۳۔''مشفق خواجہ سے پہلی اور آخری ملاقات''، ماہنامہ ''قومی زبان''، کراچی، فروری ۲۰۰۷ء ......۴۔''سر شیخ عبدالقادر''، ماہنامہ ''قومی زبان''، کراچی، نومبر ۲۰۰۶ء
۵۔''شاہ کے ہم عصر اردو اور پنجابی شاعر'' (ترجمہ)، ماہنامہ ''لطیف''، محکمۂ اطلاعات گورنمنٹ آف سندھ، کراچی، ۲۰۰۴ء......۶۔''جامع الصفات ۔سر سید احمد خان''، ماہنامہ ''تہذیب''، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۱ء ......۷۔'' سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) ۔ایک اجمالی جائزہ'' کتابی سلسلہ جہانِ حمد، ۲۰۰۹ء
۸۔''علامہ راشدالخیری بحیثیت تاریخ وسیرت نگار''، ششماہی ''الایام''، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء
۹۔خاتون اکرم: اردو کے نسائی ادب کا معتبر حوالہ......۱۰۔رازق الخیری کی صحافتی، علمی وادبی خدمات ۱۱۔ ماہنامہ ''عصمت'' کے سو سال (مختصر تعارف) ......۱۲۔آمنہ نازلی: نسائی ادب کا فراموش کردہ نام، ششماہی

''وفاقیین''، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء......۱۳۔علامہ راشدالخیری بہ حیثیت مضمون نگار، ششماہی ''امتزاج''، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء......۱۴۔علامہ راشدالخیری بہ حیثیت تاریخ وسیرت نگار، ششماہی ''الایام''، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء......
۱۵۔نبی بخش بلوچ کی اردو خدمات، ششماہی ''امتزاج''، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء......۱۶۔میر غلام بھیک نیرنگ کی ایک نادر تحریر: اردو زبان اور فسانہ نگاری، ششماہی ''تحصیل''، جنوری تا جون ۲۰۱۸ء......۱۷۔علامہ راشدالخیری کی تحریروں کا فنی مطالعہ، ششماہی ''زبان وادب''، ۲۰۱۴ء......۱۸۔ماہنامہ ''ارمغان'' کراچی نومبر ۱۹۳۴ء، ''ہمارا کراچی''، یادگاری مجلّہ، ۲۰۰۷ء......۱۹۔''نوّے سالہ اشاریہ معارف''، میگزین ''جذبہ''، شعبہ اردو، جامعہ کراچی، نومبر ۲۰۰۶ء......۲۰۔''معروف ادیب اور صحافی ۔مولانا رازق الخیری''، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۴ دسمبر ۲۰۰۳ء......۲۱۔''نبی کریم ﷺ بحیثیت سپہ سالار''، ''اخبار بلدیہ''، کراچی، مارچ ۱۹۹۴ء......۲۲۔''فن تحریر کا ارتقاء''، ایس۔ایم۔آرٹس اینڈ کامرس کالج، میگزین ۸۸۔۱۹۸۷ء
۲۳۔''سندھی میں نعتیہ شاعری''، ایس۔ایم۔آرٹس اینڈ کامرس کالج، میگزین ۸۸۔۱۹۸۷ء
۲۴۔''ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی''، روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۵/ مئی ۲۰۱۲ء
۲۵۔''ممتاز مصنفہ وانشا پرداز۔آمنہ نازلی''، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۵/ فروری ۲۰۱۲ء
۲۶۔''مصورِ غم علامہ راشدالخیری اور آمنہ نازلی''، روزنامہ ایکسپریس، ۵/ فروری ۲۰۱۲ء
۲۷۔''ڈاکٹر ایس ۔ایم معین قریشی: طنز ومزاح سے تحقیق وتنقید تک''، ماہنامہ قومی زبان، کراچی، جنوری ۲۰۲۰ء......۲۸۔''منشی پریم چند کے خطوط رازق الخیری کے نام''، کتابی سلسلہ زیست، کراچی، دسمبر ۲۰۲۰ء

زیرِ ترتیب وطبع

۱۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری ۔احوال وآثار......۲۔ممتاز شیریں ۔فن وشخصیت

تجربہ برائے تدریسی کتب

نظرِ ثانی: درسی کتب اردو درجہ اول تا پنجم (لرننگ ویل، کراچی) ☆ تالیف: درسی کتب اردو درجہ ششم تا ہشتم (لرننگ ویل، کراچی)
ادبی سرگرمیاں: تدریس وتحقیق، تصنیف وتالیف، رکن: ادارہ اردو نصاب ساز
اعزازات: علمی وادبی خدمات پر ایوارڈ منجانب: عالمی اردو تنظیم شمالی امریکہ، کراچی، 2014, 2015,2016,2017, 2019ء
☆ شرکت بحیثیت مندوب (مقالہ نگار) ومجلسِ صدور، دوروزہ حمد ونعت قومی کانفرنس، آرٹس کونسل پاکستان، کراچی، 18/ جنوری 2020ء (سندِ شرکت)
☆ نشانِ سپاس، منجانب: بزمِ ادب وثقافت، سکھر، پاکستان، ہفتہ: 14، نومبر 2020ء

Mail Add: A-12, Block 13, Gulistan-e-Jauhar, Karachi, Pakistan.

E:mail: abdulazizkhan49@gmail.com

Cell No. 00923335567941

....

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
1-	اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر	ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2-	اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	رشید وارثی	350/-
3-	نعت میں کیسے کہوں (تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4-	غالب اور ثنائے خواجہ (تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5-	نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6-	ہنر نازک ہے (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7-	اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8-	نعت نگر کا باسی (تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9-	جادۂ رحمت کا مسافر (تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10-	بہشت تضامین (شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11-	خیر البشر (میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12-	نعت اور تنقیدِ نعت (تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13-	فنِ اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ'' (تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14-	''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر میں (مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15-	فہرستِ کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر (کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16-	زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17-	شہہ لولاک (شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18-	جادۂ رحمت (انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19-	اشاریہ ''نعت رنگ'' (بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20-	سرکار کے قدموں میں (انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21-	شہپرِ توفیق (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
22-	قوسین (شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23-	نزول (شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24-	آنکھ بنی کشکول (شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-

25- آپ (شعری مجموعہ) حنیف اسعدی 150/-

26- کرم ونجات کا سلسلہ (شعری مجموعہ) ڈاکٹرعزیزاحسن 150/-

27-نعت اور سلام (شعری مجموعہ) وحیدہ نسیم 20/-

28- ممدوحِ خلائق (شعری مجموعہ) آفتاب کریمی 200/-

29-مرقعِ چہل حدیث (مجموعۂ احادیث) پروفیسر محمد اقبال جاوید 300/-

30-نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش (تنقید) پروفیسر محمد اکرم رضا 250/-

31-نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید) ڈاکٹرعزیزاحسن 150/-

32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی وفکری جائزہ (اقبالیات) ڈاکٹرعزیزاحسن 200/-

33-اُمیدِطیبہ رسی (شعری مجموعہ) ڈاکٹرعزیزاحسن 150/-

34-نعت شناسی (تنقید) ڈاکٹرابوالخیر کشفی 300/-

35-اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (تحقیقی مقالہ) ڈاکٹرعزیزاحسن 700/-

36-پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر (تنقید) ڈاکٹرعزیزاحسن 300/-

37-نعت نامے بنام صبیح رحمانی (مجموعۂ مکاتیب) ڈاکٹر محمد سہیل شفق 1000/-

38-نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے (تنقید) ڈاکٹرعزیزاحسن 350/-

39- تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (سیرت) ڈاکٹرعزیزاحسن 25/-

40-دل جس سے زندہ ہے (ظفر علی خان کی نعتیہ تب تاب) ڈاکٹر محمد اقبال جاوید 100/-

41-نعت رنگ کے پچیس شمارے (ایک اجمالی تعارف) ڈاکٹر شہزاد احمد 50/-

42-وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ 200/-

43-ڈاکٹرعزیزاحسن اور مطالعات حمد و نعت صبیح رحمانی 400/-

44- اُصولِ نعت گوئی حلیم حاذق 200/-

45- نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات کاشف عرفان 400/-

46-زمزمہ سلام سیما منیر ہدیۂ دُعا

47-مدحت نامہ صبیح رحمانی 600/-

48- کراچی کا دبستانِ نعت (صاحبِ کتاب نعت گو شعرا کا تذکرہ) منظر عارفی 1000/-

49-مناقب امام حسین اور شعرا کراچی منظر عارفی 500/-

50- کلام رضا فکری وفنی زاویے صبیح رحمانی 500/-

51-عطرِ خیال (نعتیہ مجموعہ) شبنم رومانی 200/-

52-یہ روح مدینے والی ہے رئیس احمد 250/-

53- پاکستانی زبانوں میں نعت صبیح رحمانی 500/-

54- کلیاتِ عزیزاحسن صبیح رحمانی 700/-

55- نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات حلیمہ سعدیہ منگلوری 500/-

56- اُردو شاعری میں نعت (ابتدا سے محسن کاکوری تک) ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری 500/-

57-اُردو شاعری میں نعت (حالی سے حال تک) ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری 500/-

58-حمد و نعت کے معنیاتی زاویے ڈاکٹرعزیزاحسن 400/-

59- تحمید و تحسین (حمدیہ اور نعتیہ مضامین) پروفیسر محمد اقبال جاوید 500/-

60-مناقب خلفائے راشدین اور شعرائے کراچی منظر عارفی 800/-

61-نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے ڈاکٹرعزیزاحسن 250/-

62- تحسین رسالت (تنقیدی مضامین) پروفیسر محمد اقبال جاوید 2000/-

63-خوشبو کا سفر (نعتیہ مجموعہ) محمد احمد اریب 100/-

64-نعتیہ ادب: مسائل ومباحث (خطوط کا تجزیاتی مطالعہ) ڈاکٹر ابرار عبدالسلام 700/-

65-ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر (تحقیقی مقالہ) ڈاکٹر محمد طاہر قریشی 900/-

66-ثنا کی نکہتیں (مجموعہ نعت برزمینِ غالب) سیّد محمد نورالحسن نور نورانی 300/-

67-افسر ماہ پوری کی نعت شناسی ڈاکٹر شمع افروز 300/-

68- کشفیہ (مجموعہ نعت) سلیم شہزاد 300/-

69-پاکستانی اردو غزل میں حمدیہ ونعتیہ عناصر (تنقید) محمد کاشف ضیا 300/-

70- صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری وتنقیدی تناظر) ڈاکٹر شمع افروز 700/-

71-حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں ڈاکٹرعزیزاحسن 600/-

72- ڈاکٹرعزیزاحسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظُر (پیشِ نظر) ڈاکٹرعزیزاحسن 800/-

73-حرا کی خوشبو انجم نیازی 400/-

74-ریاضِ حمد و نعت ریاض حسین چودھری 500/-

75-اردو کا حمدیہ ادب۔اجمالی مطالعہ صبیح رحمانی 200/-

76-انتخابِ نعت (موضوعات کے اعتبار سے) پروفیسر محمد اقبال جاوید 2000/-

ملنے کے پتے:

☆ فضلی بک سُپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی، موبائل نمبر: 0336-2633887

☆ کتاب سرائے، اردو بازار لاہور، موبائل نمبر: 0300-9401474